



ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA
JAMIA NAGAR

NEW DELHI

CALL NO.

Accession No. 35741

JAMIA MILLIA ISLAMIA
NEW DELHI

DATE DUE



This book is due on the date stamp. An
overdue charge of 10 P. will be charged for each day
the book is kept over time

--	--	--	--

جنگ اپریل ۱۹۱۲ء مکتبہ

معاشرتی تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی مضامین کا
مخزن

ایڈیٹر شیخ محمد اکرام - محمد عبدالرشید انجمی

فہرست مضامین :-

۴۱	تفریح - مشہدی صاحب (پہلی)	۴۱	تفریح - مشہدی صاحب (پہلی)
۴۵	منہج ایسر - مولوی ابوالنصر صاحب آبادی	۴۵	منہج ایسر - مولوی ابوالنصر صاحب آبادی
۴۶	دعائے شمس - سلطان حیدر صاحب جوش (دلیگ)	۴۶	دعائے شمس - سلطان حیدر صاحب جوش (دلیگ)
۵۳	کہ جگر سوز - آغا غلام حسین صاحب ارشد	۵۳	کہ جگر سوز - آغا غلام حسین صاحب ارشد
۵۶	دولت - پیر عالم علی صاحب سبیرانی - ای - کلاس	۵۶	دولت - پیر عالم علی صاحب سبیرانی - ای - کلاس
۶۰	غزل - منشی نوبت علی صاحب نظر کھنوی	۶۰	غزل - منشی نوبت علی صاحب نظر کھنوی
۶۱	ایڈیٹر	۶۱	ایڈیٹر
۷۱	دو آسمانی مسافر - ایڈیٹر	۷۱	دو آسمانی مسافر - ایڈیٹر
۷۱	معاوضہ مضامین ایڈیٹر	۷۱	معاوضہ مضامین ایڈیٹر
۳۸	خطابہ اشاعتی - میر محمد حسین صاحب اعظم آبادی	۳۸	خطابہ اشاعتی - میر محمد حسین صاحب اعظم آبادی

باقی اہل محمد عبدالرشید انجمی

قیمت تمام اول ۱۲۳۰ روپے میں چھپ کر شائع ہوئی قیمت فی چھپہ ۴۰ روپے
قیمت تمام دوم ۱۲۳۰ روپے میں چھپ کر شائع ہوئی قیمت فی چھپہ ۴۰ روپے

عصمت

(دہلی)

جہاں پسند طے ہو چکا کہ تعلیم سواں ترقی کا پہلا راز ہو وہاں گزرتہ رنگان قوم نے یہی مان لیا ہے کہ ختم
کے مطالعہ کے واسطے عصمت ایک نعمت ہے جس نئی اور دینی و نئی قسم کی فلاح و بہبودی ٹوٹا ہو۔ کواری کی
کے واسطے عصمت سے بہتر پہلی عصمت سے تر شفیق یسینق عصمت سے بہتر اصح صلاح کا
لنا نامکن ہے عصمت ان کو بتایا گیا کہ کو اپنے کی زندگی ان کو کس طرح گزاری۔ ماں۔ باپ کا ادب
ہیں بھائیوں کی خدمت۔ بڑوں کی تعظیم چوٹوں سے محبت ان کا فرض منصبی ہے جس نئی دنیا میں ان کو
شامل ہونا ہو اس کے لیے انہیں کیا تیار ہی کوئی ہے جو قوتیں ان کو پیش آئیں گی ان کو کس طرح نفع
نہی سائنسوں کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے بننے چاہیں غرض ان کی آئندہ زندگی کو تمام خطرات
بچا کر لطف باطنیان بسر کرنے کے واسطے عصمت سے بہتر ذریعہ اور کمائی نہیں ہے۔

بیابانی ہونی اور لوگوں کو فائدہ داری۔ گھر کے حساب کتاب بال بچوں کی پرورش میں بے زیادہ جس چیز
مدد مل سکتی ہے وہ عصمت عصمت ان کو بتایا گیا کہ جس آدمی کو وہ بے غل غش خرچ کر رہی ہیں وہ کس
صفت و شقت سے پیدا کی گئی ہے۔ جو بچے قدرت نے ان کے سپرد کیے ہیں ان کی ذمہ داریاں انہیں کیا
ہیں۔ یک طریقے میں جسے بچے مل چکا کہ جب گہرا بار دالے ہوں گے تو غرت سے زندگی بسر کریں گے
اور بھر بھر اپنی ماؤں کو دعا کریں گے۔ عصمت بتایا گیا کہ انہیں گھر کس طرح کرنا ہے۔ روک سیر
صحت کرنا ہے۔ خاندان کے ساتھ کیونکر بسر کرنی ہے۔ غرض عصمت اور لوگوں کو سچ و سچ
کی سبک دلتے گا۔

انٹیلین بیچ کی آب و تاب بھری بل درجہ اعلیٰ کا کاغذ ہائے ٹون تصاویر تہائی میں دل
بٹائیوا لا۔ فرصت میں کیا نیاں سنائیوا لا۔ سہر کی وقعت بتائیوا لا۔ عصمت بہتر ذریعہ اور
کیا ہوگا۔ عصمت کا ایک ایک حرف گوہر آباد ہے۔ ۴۴ میں (۶۴) صفحے کا سالہ کوڑیوں

مول موتی ہیں سالانہ قیمت (۲۰) مینبر عصمت و تمدن
(دہلی)

GOD SAVE



The Empress Mary.

The Crescent P. Works - BOSTON.

اُس کا دوسرا نام رنجیتہ رکھا جو رنجیتن سے مشتق ہے اور جس کے حقیقی معنی کچھری یا جھڑی ہوئی چیز کے ہیں مگر اہل فارس کی اصلاح میں اُس زبان کو رنجیتہ کہتے ہیں جس میں مختلف زبانوں کے الفاظ مخلوط ہوں۔

ان دونوں ناموں میں سے پہلے ہی کو شہرت نصیب ہوئی اور وہی مستحق تھا کیونکہ اس زبان کے مقامِ روانہ کو ہمیشہ باوجود اتنا رہیگا۔

دوسرا نام یعنی رنجیتہ صرف عام نہ ہوا بلکہ خاص لوگوں کی اصلاح ہوا البتہ زمرہ شعرا میں لفظ اُردو کی نسبت رنجیتہ کو زیادہ اعزاز حاصل ہوا۔ رنجیتہ کے تھیں استاد ہیں غالب کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

وہ جو کہے کہ رنجیتہ کیونکہ مور شک پارس
گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اُسنا کر لیا

فصل دوم۔ اُردو کی پیدائش

اگرچہ عام شہرت نے اُردو کے جنم پترہ پر عہدِ شاہجہانی کی مہر لگا دی ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ دفعۃً ایسا انقلاب زبان میں ہوا بلکہ جس زمانہ سے شاہانِ غور کی سلطنت کا جھنڈا ہندوستان میں بلند ہوا اور مسلمان کی حکومت و مہیاگی نے ہندوؤں پر اثر ڈالا اسی وقت سے ہندی بھاشا میں فارسی کا پیوند لگنا شروع ہو گیا تھا۔

چنانچہ رائے تھوراکے زمانہ کا کبیر چند گوئے۔ عہدِ شاہجہانی کا شعر ایسے خسرو۔ لودیوں کے وقت دیانتی کبیر داس۔ اور دور اکبری کے مخمور بالہی داس۔ سور داس ان سب کے ہندی اشعار میں۔ عربی۔ فارسی۔ الفاظ کی پٹھ دی گئی ہے۔

عام باشندوں کی زبان میں تو نہایت آہستگی کے ساتھ ایک تغیر ہو رہا تھا لیکن اس کے برخلاف بادشاہی لشکروں میں جو نہایت متانت کا بیسٹا تھا۔ جلد بجز زبان کروٹ بدلتی جاتی تھی۔ ترکی و فارسی بولنے والے سپاہی اور ہندو سنائی سوو سلف پیچھے والے دونوں ایک دوسرے کے الفاظ استعمال کرنے لگے اور ایک ایسی بولی پیدا ہو گئی جس میں ہندی الفاظ کے ساتھ سب زبانوں کے اسماء کا بولنا جائز تھا۔

تاہم اس سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان زبان ہندی جانتے تھے خواہ بجزورت کار و نہ سلطنت۔ خواہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہندوؤں کی آبادیوں میں بود و باش اختیار کی تھی۔ خواہ اس وجہ سے کہ بعض کے اہل و عیال بھی ہندی تھے سلطان علاؤ الدین اور کوٹا دیوی کا رشتہ۔ شہزادہ خضر خاں اور دیول دیوی کا بیوی بھروسہ امر کو اہل ہونے کے شاہی خاندان بھی ہندی زبان سے خالی نہ تھا۔

سلطنت کے اندر اہل بطوطہ افریقی جس نے تمام ایشیا کی سیاحت کی افتتاح حاصل کیا۔ ہے محمد غلق کے دربار میں آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ جب سلطان نے اس کو عہدہ قضا پر مقرر کرنا چاہا تو اس نے ہندی نہ جاننے کا غرہ پیش کیا تھا۔ گو مسلمان ہندی جانتے تھے مگر اس میں شک نہیں کہ بارہویں سے پندرہویں صدی عیسوی تک کوئی بڑا تغیر زبان میں نہیں ہوا جو اس کا رنگ و خشک بدل اور ایک نئے لقب کا مستحق بناتا۔

اس کا سبب یہ ہے کہ جب تک ہندوؤں نے فارسی زبان کی تحصیل و غربت نہیں کیا اور فارسی کی نوشت و خواندہ کا یہ۔ چنانچہ میں نے یہیں اس وقت تک ہندی زبان میں فارسی الفاظ کی ریتیں نہیں جوتی۔

فارسی زبان پر ہندوؤں کی توجہ کا زمانہ لودیوں کا عہد سلطنت کہا گیا۔
پھر شہنشاہ اکبر کے دور دورہ میں تو ایسی ترقی ہوئی کہ ہندو بھی فارسی دانی کو
اپنے عروج کا ذریعہ سمجھنے لگے۔

اکبر نے ایسے مدارس کی ترقی میں بڑی کوشش کی تھی جن میں ہندو
مسلمانوں کے علم پڑھاتے جاتے تھے۔ اور شخص کی تعلیم اس کی حالت
اور رفتار کی موافق ہوتی تھی فیضی کی نگرانی میں ایک دفتر سکرٹ سے
فارسی میں ترجمہ کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ شاہی محلات کو ہندو انیول
سے زینب و زینت محل تھی۔ اکثر محلات میں راجپوت سورماؤں کے
دستے انولاج شاہی کے ہدم و ہمقدم رہتے تھے۔ چنانچہ عہد شاہجہانی میں
بہادر راجپوت کوہ ہندو کوش کی گھائیوں اور مالک بلج و بدخشاں پر حملہ آور
ہوتے ہیں۔

یہ مغلیہ سلطنت اس نظر سے بھی ایک نیا زمانہ تھا کہ اس کو مغربی سرحد
کے مسلمان قوموں سے چنداں تعلق نہ تھا اور اس لیے نئے گروہوں کی
آمد ہندوئی سے نا آشنائے محض ہوتے تھے اب بہت کم ہو گئی تھی۔
اور تو مسلمان خاندانوں میں فارسی و صہی پڑھی اور ہندوؤں میں اسکی
دھوم و دھام بڑھی۔ اس طرح پرہ و ونوں زبانوں کا امتزاج بہت تیزی سے
ہونے لگا۔ ادبیات کئی صدی میں نہ ہوئی تھی وہ اس ایک صدی میں
نمایاں ہوئی کہ عہد شاہجہانی کا ڈھانچہ تبدیل گیا کہ اس کو اردو و معنی
کا مطلب مل گیا۔ اور اسی طور سے جہاں جہاں سلطنت کے قصد مقام
تھے وہاں ہی اس تیز کا اثر پہنچا۔

فصل سوم۔ اردو کے عناصر

اس زبان میں اسلاف ہند مغربی ایشیا اور وسط ایشیا کی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ اور اسی رنگارنگی نے اس کو ایک نئی زبان بنا دیا ہے۔ اگر تم اردو کو ایک درخت فرض کرو تو ہندی کو اس کی جڑ پاؤ گے اور عربی فارسی ترکی کو اس کے شاخ و برگ اور پھل پھول سمجھو گے جن سے یہ نونال ہر ابھر نظر آتا ہے۔

پس اس کے بڑے عناصر چار ہیں ہندی۔ فارسی۔ عربی۔ ترکی اور آخراً انگریزی بھی اس کا پانچواں عنصر بنا چاہتی ہے۔

ان کے علاوہ زبانوں کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں مثلاً پنجابی۔ بنگالی۔ مرہٹی۔ فرانسیسی۔ پرتگالی۔ وغیرہ اور بعض مجہول النسل الفاظ بھی آئے ہیں جن کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کس کسیت کے تھوڑے ہیں۔ مگر عناصر خمسہ کے سوا باقی کی تعداد اتنی قلیل ہے کہ وہ کسی شمار قطار میں نہیں ہیں البتہ ان کو اردو کی ہیر سمجھنا کچھ بے جا نہ ہوگا +

اب اس باب میں اس کے لیے زیادہ مفید بات ہے کہ وہ ہر ایک عنصر کا نسب معلوم کریں اور یہ بات جانیں کہ وہ زبان کے کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور زمانہ کی گردش نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچایا ہے اور ان میں باہم کیا رشتہ اور قرابت ہے +

۱۔ سب بھاشا یہ کوئی خالص زبان نہ تھی بلکہ ہر اکرت ہندی۔ اور سنسکرت سے مل کر بنی تھی۔ بہت سے سالم اور بگڑے ہوئے الفاظ سنسکرت کے اس میں شامل ہیں +

سنکرت	برج بھاشا	سنکرت	برج بھاشا
گرہ	گھ	متک	ماٹھا
گرام	گانوں	ہت	ہاتھ
ہستی	ہتھی		

قدیم زمانہ میں تحریری زبان سنکرت تھی پنڈتوں کی تمام تصنیفات اسی زبان میں تھیں مگر جب کہ رشن جی کے پوجے والوں نے ان کی طرح شنک کے لیے اپنی عام بھاشا کو منتخب کیا۔ اس وقت سے اس زبان کو کتابوں میں لکھے جانے کی عزت حاصل ہوئی اور نیز گردرا مانند کے جیلوں کبر و غیرہ نے عوام الناس کی تعلیم و تلقین کے لیے جو عارفانہ مضامین کے موفی ہر دے۔ وہ بھی اس زبان کے ذریعہ میں بڑے مددگار ہوئے اور اس کو تحریری زبان بنانے میں کوشش جی کے مع خواہوں سے کم کام نہیں کیا سنکرت۔ یہ ہندوستان کے آریوں کی زبان تھی جو شمال و مغرب کے آن کرہاں آباد ہوئے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ زبان عالمانہ تصنیفات کے لیے مخصوص تھی یا کبھی ہند میں عام طور پر بولی ہی گئی۔ بہر کیف اب تو وہ دست کے کتب خانوں میں ہے اور ایک مردہ زبان سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس کی اولاد۔ بنگالی۔ ہندی۔ گجراتی۔ وغیرہ موجود ہے۔

فارسی۔ یہ آریوں کی اس شاخ سے علاقہ کہتی ہے جو ایران میں آباد ہوئی تھی اور ژند۔ پارسی۔ ارمینی۔ وغیرہ اس کی بہنیں ہیں جو ایرانی خاندان کی زبانیں تھیں۔ فارسی اور سنکرت میں بہت ہی قریب کا رشتہ ہے کیونکہ ایرانی۔ آریا۔ ہندی آریا۔ اہل میں ایک ہی سہریں کے باشندے اور ایک ہی زبان کے بولنے والے تھے چنانچہ اب بھی فارسی اور سنکرت

سندہ ایسے لفظ پائے جاتے ہیں جن کی اصل ایک ہے گوان کے بچوں
اور باغظ میں کچھ فرق ہو گیا ہے +

فارسی سنکرت فارسی سنکرت فارسی سنکرت فارسی سنکرت
ہوم بھوم استان ہستنا ہستنا ہستنا ہستنا ہستنا ہستنا
چتر شتر شیر کھیر ہستنا ہستنا ہستنا ہستنا ہستنا ہستنا
عربی۔ اس کو آریں زبانوں سے کچھ تعلق نہیں بلکہ وہ سیمٹک خاندان یعنی
اولاد سام سے علاقہ رکھتی ہے۔ اور اس کا رشتہ ناتہ سریانی و عبرانی زبانوں
سے ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ عربی اور سریانی میں ایسا ہی کم فرق ہے جیسا کہ
ان دونوں میں۔

عربی بلاد وسطہ ہندوستان میں نہیں آئی بلکہ وہ فارسی میں اس وقت
سے شامل ہو چکی تھی جبکہ اہل عرب نے ایران کو فتح کیا تھا۔ گو عرب کی فتوح
نے دونوں زبانوں کو شیر و شکر کر دیا تھا مگر ان میں خاندانی تعلق ایسا تھا
جیسا کہ فارسی اور سنکرت میں تھا عربی کو فارسی خواہ اردو میں تفصیل و
فوقیت صرف اسی وجہ سے حاصل نہیں ہوئی کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی
علوم کا سرچشمہ تھی۔ بلکہ وہ آخر زمانہ میں تمام دنیا کے علوم کی پناہ تھی
اور دنیا کی مذہب زبانوں میں ایک معزز زبان ہو گئی تھی اور ہنر بر خلافت
ارین زبانوں کے اس کے اشتقاق و تصریف میں غایت درجہ کا اختصار
بھی ہے جس کا بیان آئندہ باب میں کیا جائے گا۔ عربی کے ساتھ ساتھ
بعض یونانی الفاظ بھی آگئے ہیں کیونکہ یونانی علوم کا ترجمہ عربی میں بہت
کچھ کیا گیا تھا +

ترکی۔ اس کو نہ تو آریں زبانوں سے تعلق نہ سیمٹک سے ربط۔

یہ ایک تیسرے خاندان تورانی سے متعلق ہے جس کی شاخیں ہنگری، اٹلی، تیلیگہ، جاپانی، چینی، تبتی، اور جنوبی افریقہ کی زبانیں ہیں۔

جب تاتاریوں نے عربی کی ایرانی سلطنت کو دبا لیا تو فارسی میں ترکی الفاظ بھی شامل ہو گئے خصوصاً ہندوستان میں تو ترکی ہی خاندان کے بادشاہوں نے سلطنت جمائی۔ اور انہیں کے خاندان پر ختم ہو گئی لیکن ترکی الفاظ کی انسداد اس وجہ سے نہ ہوئی کہ ترکوں کے عہد میں دیباہی زبان ہمیشہ فارسی ہی رہی۔

انگریزی۔ یہ بھی شل فارسی یا اردو کے مرکب زبان ہے جس میں بعض یونانی، لاطینی، الفاظ شامل ہیں جس طرح فارسی میں عربی یا ہند میں سنسکرت مگر ہمارے طالب علموں کو صرف اس قدر جان لینا کافی ہے کہ اس کا تعلق آریین خانہ ان سے ہے۔ اور جو رشتہ فارسی کو سنسکرت کے ساتھ تھا وہی انگریزی کو ہے علما نے زبان نے ایک بڑی تعداد ان الفاظ کی دریافت کی ہے جو تمام آریین زبانوں میں مشترک پائے جاتے ہیں۔ اور نہ صرف الفاظ ہی میں اتحاد و اشتراک پایا گیا بلکہ آریین زبانوں کے حملوں کی ساخت اور آہستہ آہستہ جملہ کی ترکیب و ترتیب میں بھی مماثلت ثابت ہوئی ہے۔

ذیل میں چند ایسے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ سنسکرت، فارسی، اور انگریزی تینوں ایک ہی کھیت کے گہوڑے اور ایک ہی باٹ کے روڑے ہیں جن کو وطن کے اختلاف اور زمانہ کے انقلاب نے اجنبی بنا دیا ہے۔

سنگرت	فارسی	انگریزی	سنگرت	فارسی	انگریزی
پتھر	پتھر	فادر	بھو	بھو	وڈو
موتھتر	جھتر	ڈاٹر	استما	استما	اسٹینڈ
دو	دو	وٹ	نیشن	یوگ	یوگ = جا
بھرت	برادر	مرادر	مشر	اکرا	سگر
نویس	نوا	نیو	نام	نیم	نیم

انگریزی کا پیل ۱۰۰۰ زبانوں میں بالکل فارسی و ہندی کی نفیر پر شروع ہوا ہے لیکن انگریزی کے رواج کو انگریزی قوم کی تجارت سے گورنٹ کے عینہ تعلیم سے اور سینر چھاپہ اور اخبارات سے ایسی زبردست مدد ملی جو فارسی کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔

متفرقات۔ اب ہم باقی الفاظ کو جو اردو میں شامل متفرقات میں شمار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی تعداد قلیل ہے۔ ان میں سے بعض اہندوستان ہی کی دوسری زبانوں کے ہیں مثلاً پنجابی بنگالی وغیرہ اور بعض یورپ کی زبانوں کے ہیں اور یہ ان قوموں کی یادگار ہیں جنہوں نے مثل انگریزوں کے ہندوستان کی تجارت شروع کی تھی۔ اور حکومت حاصل کرنے میں ہی زور لگایا تھا۔

لفظ	نام زبان	لفظ	نام زبان	لفظ	نام زبان
نیلام	پاوری	گر جا	پاکل		
قریب	بھو				

فصل (۴) اُردو کی ترقی

(۱) اُردو تحریری زبان بن گئی

اگرچہ عہد شاہجہانی یا کچھ پیشتر سے شہروں میں اُردو زبان کا روزمرہ ہو گیا تھا مگر نہ تو سرکاری و قلمروں میں نہ عام خط و کتابت میں اس کو جگہ ملی البتہ شاعری نے جو اس زمانہ کا ایک عالمگیر مرض تھا پہلے پہلے اس زبان پر توجہ کی نظر ڈالی اور جو کچھ شاعروں نے نظم کیا اس کو محفوظ رکھنے کی غرض سے بیاض و سفید میں لکھ لیا۔ تذکرہ نویسوں نے ولی بھرائی کو جو عہد عالمگیری میں ہنسبے ہنسائے اُردو قرار دیا ہے غالباً اس شہرت کی یہ وجہ ہے کہ اقل اسی شاعر نے اُردو غزلیات کا دیوان مرتب کیا تھا۔ رفتہ رفتہ قصے افسانے اور مذہبی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ اور فقہ کے رسائل بھی اس میں تصنیف و تالیف ہونے لگے یہاں تک کہ قرآن مجید اور حدیث و تفسیر کی کتابیں بھی ترجمہ ہوئیں۔

(۲) اُردو درباری زبان بن گئی

۱۷۳۷ء سے سرکار انگریزی نے تمام عدالتوں میں بجائے فارسی کے اُردو کو قایم کیا۔ اور ادا کرنے و ترجمہ کی تعلیم کے مدارس جو گورنمنٹ کی طرف سے جاری کیے گئے۔ ان میں بھی تعلیمی زبان اسی کو قرار دیا۔ اور اس ذریعے سے ان علوم و فنون کی کتابیں تالیف و ترجمہ ہوئیں جو داخل درس تھیں۔

فصل ۵۔ اُردو کا طرز انشاء

۱۷۳۷ء کے بعد ایک نیا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں شروع ہوتا ہے

جس نے بہت جلد کا پائلٹ دی ہے۔

گورنٹ کا صیغہ تعلیم ترقی پارہا ہے۔ یورپین خیالات کی گھٹا آئی
جلی آتی ہے پورائی تعمیر اور پورے خیالات روز بروز دلوں سے
دھلے جاتے ہیں +

دلی اور بکھنڈ کے وہ دونوں گہر برباد ہو چکے ہیں جنہاں کہ خیال اور شیریں
مقالہ محبت شہار و خوشامد نگار شاعروں کے لیے کعبہ امن و امان تھے
اب نہ دوسرے نہ وہ سودا نہ وہ راگ ہے نہ وہ شانت۔ عاشقانہ غزل خوانی
اور جھوٹی جادو بیانی قبر میں بانو ٹھکاتے بیٹھی ہے۔ لیکن جس قدر اس نغوں
شاعری کا زور گٹ ہے۔ اتنی قدر تشریں جان پڑ گئی ہے۔ اردو اجاڑ ہوئی
تہذیب و ترقی کے ساتھ ساتھ اردو تشر بھی پر مٹنی اور پُر زور ہوتی جاتی ہو۔

انگریزی آٹکھوں اور کتبوں کے ترجموں نے انگریزی طرز انشاء کا سایہ
آر وہ پڑاں یا ہے۔ اب اجاڑوں اور قصبے کہا نیوں میں وہ یہ وہ قافیہ
بنی جو کھنڈ والوں کا خمیر تھا اور جس کے شکنجہ میں محاورے اور مضمون کی
مشکیں فونی مجرم کی طرح گسی جاتی تھیں۔ خود اسی کا قافیہ تنگ ہے۔ جیدل
اور ہوری کی تقلید کرنے والے کوچ کر گئے ہیں۔ میرزا سردار کے فائدہ عجیب
پر کہتے ہیں کہ لگی ہیں سرکاری مہلت اور باہمی خط و کتابت کے پیرو
غلامانہ انقباض و آداب کی بیڑیاں کٹ گئیں۔ توسن خانہ اور شب ویز
قلندر کا گڑھی پچھاڑی لگا دی گئی ہے۔ اب وہ پے زمانہ کی سی کوہ پناہ
نہیں کہتے +

اب سادہ سلیس اور معنی خیز عبارت کا رواج ترقی کر رہا ہے۔ وہ خیالی
تعبیریں اور بے لطف جن کا سہنا نا پناہ کے عامہ اور لکھنؤ کے پاجامہ کی

طرح محنت و شہرت تھا اس زمانہ کی نشا سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ اگرچہ بہت کچھ
ہوا اور ہو رہا ہے مگر ہمارے علم ادب کو ابھی بہت سی منزلیں تہذیب
ترقی کی طے کرنی باقی ہیں۔

سنسکرت	فارسی	یونانی	لاطینی	جرمن	انگریزی	اردو
پتھر	چر	پتھر	پتھر	وتر	فادر	باپ
استما	استاد	استمی	استو	استھی	اسٹینڈ	کھڑا
یوگ	یونع	زگیس	جوگم	جوچ	یوک	جوا
ود	ود	فیدو	دود	وسی	وٹ	دانشمند
	تندر				تندر	
	نرسک				فریش	
	برادر				برادر	
	بیوہ				درڈ	
	مادر				مدر	
	دختر				ڈاٹر	
	شکر				سکر	
	ہشت				ایٹ	
	اشتر					
	بوم					
	نویں				نیو	

چونکہ مختلف ضرورتوں سے مختلف گروہوں نے نشتر کو ترقی دی ہے

اس لیے ہر فرقہ کی تحریر میں اس کی جداگانہ کیفیت ہے اس لیے ہم اسکی
تفصیل قرار دے کر ہر قسم کا حال جدا جدا بیان کرنا چاہتے ہیں۔

- ۱۔ مولویوں کی نشر۔
- ۲۔ سرکاری دفاتروں کی نشر۔
- ۳۔ قصے کہانیوں کی شاعرانہ نشر۔
- ۴۔ شہرہ تعلیم کی نشر۔
- ۵۔ اخباروں کی نشر۔

ہمارے مولویوں کی اُردو پیشربلے محاورہ ہوتی ہے وہ شاید اس
زبان کے اصول کبھوت توجہ کرنا کسر شان سمجھتے ہیں اکثر ان کے جملوں
کی بناوٹ عربی سے مشابہ ہوتی ہے صرف مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی
کا مشہور ترجمہ قرآن مجید البتہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ خیر ترجمہ کرنے
والے تو کسی تمدن معذور خیال کیے جاسکتے ہیں مگر بعض بزرگوار تو
اپنی تالیف تصنیف میں بھی یہی غصب ڈھاتے ہیں۔

سرکاری دفاتروں کی اُردو بھی کسی تمدن بے ڈھنگی ہوتی ہے۔
محمد امین۔ میرٹھی

لڑکیوں کی نشا۔ حایان تعلیم نسواں کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی نثر لڑکیوں کے
دستور مولوی محمد عبدالرشید صاحب انگریزی کی قسم سے نکلے بلطف زبان کے واسطے کہہ سکیں
ہے۔ ہر خط ایسا موثر ہے کہ ایک ایک حرف تعلیم پر گزرتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ
علامہ موصول ڈاک۔ ناظرین عصمت و تمدن سے آٹھ آنہ۔ دہرا

فیض عصمت و تمدن دہلی و طلبہ

شبنم

برگ صاف گل پلکس غوشہ پردیں تو
 ہے بجائے شیشہ یا ہیرے کا کوئی ریزہ ہو
 بیچ میں تھکویے ہو برگ غنیمت کی حریم
 دامن زرخش میں تیرے گوہر شہوار ہیں
 شاہر گل کی انگوشتی کا نگینہ ہے کوئی
 تو کوئی لفظ ہے تحریر کرتا جس کا
 فصل گل میں بزم گل کا تو کوئی پیارا
 شاہر گل کی جس کا دورہ افشاں ہو تو
 ہے جوانانِ چین کا خندہ دندانِ منا
 کو دلِ غنچہ کے سر پر رکھتی ہے بائیں کلاہ
 سچ بتاؤ دیرِ غنچہ میں ہرے میں جڑی
 جوشِ زنِ بیل بہاری ہو اور اس کا کف ہو
 آتش گل پر ہو سیلاب کا کیونکر قیام
 کر کہ شتابِ بیل نے کھینچے جاں میں
 گر پڑے موتوں کا کوئی مالا ٹوٹ کر
 تجھ میں پنہاں راز سازِ عشرتِ دیرینہ

سچ بتایا چاک گل کا کمرے میں ہے تو
 یا کسی معشوق کے توکان کا آدینہ ہے
 یا شوالہ میں ہے اک رکھا ہوا ناقوسِ سیم
 یا میانِ صحنِ میخانہ ڈٹے میخوار میں
 یا کفِ ساتی گل پر آئینہ ہے کوئی
 یا شرارہ ہو کوئی تو برقِ تابِ حسن کا
 سچ بتایا خرمن مرہ کا تو کوئی دانہ ہے
 کشتی غنچہ کا یا اک لشکرِ رخشاں ہے تو
 بزم گل میں یا ہے آویزانِ طوریِ فخر
 نصب ہے شبنمِ مرہ کے واسطے یا بیلِ اوہ
 یا کسی معشوق کے آنچل میں ساتی ہیں جد
 سچ بتایا مٹربِ بیل کا کوئی دھن ہو تو
 تو بہ گل میں ہے شاید یہ گدازِ سیم خام
 یا کسی معشوق نے موتی پرٹے ہل میں
 دستِ ساتی سے گرایا کوئی سانچہ چوٹ کر
 برگ گل آئینہ اور تو جو ہر آئینہ ہے

کون ہو تو، اور ہی تیرا حیرتِ اصلی کہاں ؟
 کھینچ لایا آبِ دانہ کس طرح کچھ کو یاں ؟

بکیں مطلقہ، فریادی مسمرہ، ہوں یہ
 ہوں میں شب کی صحبت برہم کا جام وازگو
 ڈال دے مجھ کو جہاں افتادگی نعت کی
 یک خیز میں مون قہر خانہ یار چل نہیں
 ہی رہی تھی فنا و عیش و عشرت کی لعل
 تم مجھے ہو کہ چل گل سے میں سیراب ہوں
 چاند نے ہنسی کا بجے، سوچ نے فوراً لیلیا
 گل کی دوسری پس نے کچھ چمن کی فکر کر
 میں بدمعاشوں، پایا ہے بختیگر کوں
 بس میں چپے پیر ویش کڑی زنجیر کی
 اس تندہ میں جانتا ہوں، عقدہ مشکل نہیں
 کاروان گل کا مجھ کو جانتے کوں چیل
 دیکھو انکس کو کد، میں یہ ہر باب ہوں
 یہ سمجھ لو گوسے بازی ہوں میں مڑوہ کا
 دست پا کا ہوش و خج کو تن کی منکبے

سلسلہ پیغمبروں کا میری بستی کی دلیل

زار پر تختہ ہوئیں، اک بقیہ اری بریل

نیلا ڈ - فچوری

یاسمین

یہ لاہور، انجمن خیر ناول اور تدن لکھنؤ کی پہلی کتاب جس کا موضوع ملک کے
 اظہار تھا تیار ہوئی ہے۔ یہ کتاب جو حقیقت حیرت انگیزت کی زندہ تصویر
 ہے۔ قابل مصنف نے خصوصیت نوجوانوں کے واسطے لکھی جو مختلف
 مضامین پر اس قابلیت کے ساتھ کہ بہت سا ختم داد دے کو جی بآ
 ہے۔ یاسمین جو اس تمام قصہ کی جان ہے اور نیکو کی ایک مشہور
 نازنین ہے اکی زندگی کا ہر دور و فلسفہ جیسا کہ پیچیدہ مسئلہ کو نہایت
 خوبی سے حل کر رہی۔ قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجرا ہے کہ
 کی کافی مناسبت قیمت (۵۰)

بنجر عصمت و تدن

دھلی سے ملے

تمدن اسلام

اسلام کے لیے جن شرائط ملاحظہ ہو۔

(۴)

جن قوموں کے حالات پہلے آجک ملا خط فرماتے، ان کے سوا دنیا کی اور بڑی اکثر قوموں نے اسلامی راج کو بچ دیا، جنہیں گرج، کرود، آرمینی، اہل سلی، اہل روم، وغیرہ کا شمار کیا جاسکتا ہے، جن کی مفتوحیت کو تو کسی کسی مسئلے بنانا، اور بہتوں نے نہ بنانا، مگر تمدن اسلام کے انوار سے جب وہ جگہ اُٹھے تو نہ دیکھ سکتے تھے وہ لے بھی نہیں جان اور خوب طرح پہچان سلطنت اسلام نے انہیں دنیا کے کھیل اور ترقی کے رنگ دکھائے۔ تمدن کے رنگ بنائے آخراں ہوا ان کے دل و دماغ کے ساتھ کیا کام کیا جیسے ایک پختے آدمی سے دو ایک شوق طبع حسین ہی آلیں رات ہو جائی اور وہ بھی ٹھنڈی ٹھنڈی تو کھلا ہوا میدان اور مرغزار دیکھ کر ان کا دل خواہ مخواہ چل ہی اُٹھے گا کہ کچھ چلت پرت ہو۔ یہی مواقع ان مفتوحہ اقوام کو بھی حاصل تھے۔ لہذا خواہش پر داز ہر دل میں لہریں لینے لگی۔ اور ہر شخص اپنے بازوؤں کی طاقت بھرا کھٹان پر جانے لگا۔ بالآخر اس کوشش اور سعی کے عام مذاق نے (جو پہلے تو مقابلہ کے جوش اور دیکھا دیکھی سے پیدا ہوا تھا مگر پھر وہی رنگ طبیعت طبیعت بن گیا) ان کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ ان کی نچرل استعداد پر اس باب کی مساعدت نے وہ رنگ و روغن دیا

کران کی الکی اور پھیلی حالتیں خود کو فرو و اسلام کے فرق کا سمیادیتا نہیں،
 ان کے سامعی شکور، اور ان کے توبہ و صوبہ ہونے کی چند تاریخی نظائر پیش کرتے کی ہم ناظرین سے صافی چاہتے ہیں اور نیز بطور حواشی

ذیل کے نقشہ میں دکھائے گئے ہیں،

سلسلہ	نام	ابتدائی حالت	درجہ ترقی	کیسیت
۱	ملک الافضل	سوملی دروید کا ایک آریقی قدرتی گیارہ گیارہ تہذیبیت افواج کے درجہ شخص تھا،	ملک یوینا	
۲	بدر	خلیفہ مستعین بادشاہ کا غلام تھا	خیلہ بادشاہی کے درجہ پر فائز ہوا۔	مزید برآں = اعزاز بھی حاصل ہوا اور فوجی نشان کے پھیر وں کا اور سرکاری فوجی اسلحہ ایسی کے نام کا موکر ہوتا تھا،
۳	صلاح الدین	اس نے قوم کریم خیم پھر ایک فوجی سپاہی سے بڑھتے یلا۔ فوج میں اگر کوئی ہوتا ہے۔ سلطان صلاح الدین بن گیا۔	یورپ کی تمام تہذیبہ طاقتوں سے بہت بلند تہذیب کے لیے ایک عصر تک پہنچا۔ آراء اسلام کو مسلمان ہیں یورپ میں عیسائیوں کا پیر پیر سلطان صلاح الدین کے نام سے تہذیب	

سند	نام	ابتدائی حالت	جزیرہ ترقی	کیفیت
۴	بجکم	کسی قلعہ بندہ کا قلعہ نام تھا	امیر الہ آباد کے درجہ پر فائز ہوا تھا۔	یہ مدبرہ دولت جہا سیر کے اعلیٰ ترین باری بھٹل سے تھا
۵	جوسر	ایک سردی غلام تھا	فلسطین میں کراک اور کسپ لار فوج	اس نے مصر میں فلسطین کی سلطنت قائم کی اور چوتھی صدی ہجری کے وسط میں فتح ہوئی بنی ڈالی، خلیفہ مغربی اولاد نے اس کا یہ شک ورازدہ تہذیب کو فتح مصر کے اندر ہی جیتے دار مصر اور انہوں نے پایادہ وہ شک ورازدہ اس کا استقبال کیا،
۶	خانہ لالہ فیضی	جہشی غلام تھا	مصر میں بڑی در شوری حکومت اس نے کی	مصر میں چوری اس کی حکومت کا شہر آفا ہے،
۷	سرتش	کسی مسلمان پادشاہ کے خدا میں سے تھا۔	خود مختار والی ملک بنایا گیا	کار و بار سلطنت میں ابتداء سے اس کا داغ خوب کام دیتا تھا، آفتابی قوت اور سیاسی قابلیت نے کام بڑھا دیا، اندر و بیرونی حکومت مل گئی۔
۸	برجوان	ایک معمولی شخص تھا	خلیفہ عزیز باللہ و حاکم بادشاہ کی کے عہد میں	فلسطین مصر کے دیہات کے پیمانہ خطاب یا پیمانہ لالی ہے۔

سلسلہ	نام	ابتدائی حالت	درجہ ترقی	بیمیت
			منصب وزارت سے گرانقدر کیا گیا اور نشین الدولہ کا خطاب ملا۔	
۹	قراقرش الطومارش	ایک معمولی شخص تھا	وزیر صنایع الدین المیرلی	x
۱۰	عبد الملک	"	ترکوں کا ایک بڑا نامور جنرل	x
۱۱	شیخ	رسی کا خادم تھا	بنی مالدی کے صدر شام کے ڈیوٹنٹ جات کا افسر مقرر ہوا۔	x
۱۲	موتی الخلفیہ	"	دست فاطمیہ کا مشہور وزیر تھا۔	x

یہ اہم شخصیتیں گئی ہیں یہ تمام شامل اعلیٰ حالت سے ترقی کر کے اعلیٰ درجہ پر پہنچنے کی طاقت اور اس قدر سلامتی اور دیگر دولہ اسلام کی پیش کی جا سکتی ہیں

تاہم یہ سب سے بہتری پڑی ہے *

اسلام کا شن ان قدری حالات سے اگر تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کر لی جائے، اور اجتماعی رسوم و حالات پر تاریخی و ثنائی کی امداد سے نظر ڈالی جائے تو اسلام کی زبردست روحانی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جسکی وجہ سے مغلطات باطلہ کو شکست اور تحقیق کو رواج ہوا۔

سب سے پہلے اسلام نے مسد ذات باری تعالیٰ اور واجب الوجود کی تحقیق کی، کیونکہ دینا اس منزل کی تلاش میں بہت ٹھوکریں کھانچ چکی تھی اور پھر بھی ایسے غلط راستہ پر جاری تھی کہ ماسویٰ اللہ عالم کا ہر ہر ذرہ اُس کا معبود اور مرجع افتقاد و عبادت بنا ہوا تھا، اُس نے ان گم گشتوں کو اُس آوازِ غیب کے خبردار کیا،

وہ ہی ذات واحد عبادت کے لائق زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق اُسی کی ہے سرکار عبادت کے لائق
جھکاؤ تو سر اوس کے آگے جھکاؤ
انکاؤ تو بس تو اُسی سے انکاؤ

یہ اور سب طرح مسد رسالت اور پیر آخرت وغیرہ کی کنہ سمجھائی، اور دین کے ساتھ ساتھ دنیا کا انتظام بھی بتایا،

نرم و دنیاوی امور میں اُس کے عقلی فیصلہ، اور مذہبی مسائل میں اُس کے سہل اور آسان شرائع ایک عالم کی نظر میں ایسے سہانے کہ

ہوا کہ بے آداب سب گہرا اور جڑ کر

جھے ایک جا سارے ڈھل بھچھڑ کر

طریق اشاعت | دنیا میں کسی مذہب یا کسی فرقہ کے خیالات کی اشاعت کے عموماً دو طریقہ رائج تھے بزورِ شمشیر اشاعت ہوتی تھی یا مشنریوں کی

فریب کاریوں سے۔ مگر دراصل ان دونوں طریقوں سے شائع کیے ہوئے خیالات اور مذاہب اپنے متبعین کی راسخ الاعتقادی کے ذمہ دار ہرگز نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ خود مذاہب یا اس خیال میں کوئی الہامی طاقت یا ارتقائی رُوح نہ ہو۔ کیونکہ جس فریب اور عارضی اثر کی سطح پر اس کا پایہ قائم ہو گا اس کے زائل ہوتے ہی عمارت بھی اکھڑ جائے گی۔

چنانچہ اسلام نے اپنے دو سرزیرین اصولوں کی طرح طریق اشاعت میں بھی ان جبری اصولوں سے کہیں کام نہیں لیا، اگرچہ اس مقام پر وہ صورت معترضین کی نگاہ میں کھٹکے گی جو مفتوحہ ممالک میں بطریق بالغہ الخلو قبول اسلام کی پیش کی جاتی ہے مگر یہ یاد رہے کہ اس مادہ شائع کے ذمہ دار سیاسی مصالح ہیں نہ مذہب،

اسلام کی اشاعت ہر فرد اسلام کے خود طرز عمل نے کی، مسلمان اپنے دنیاوی کاروبار، علمی تحقیق و تلاش، اور فتوحات کے لیے جد ہر نکل گئے اپنے کام کے ساتھ اپنے پاک مذہب کی اشاعت بھی کر آئے، اس کے لیے ان کے پاس سچے ہوئے مترخص ان کے مذہب کا تعلیم کیا ہوا اخلاق، ان کا بے نظیر تدن، اور ان کی معاشرت تھی، اس کے سوا نہ کوئی دشمنی تھی، نہ البہ فریب داعی اور وکلاستے،

مگر وحدت ان پاک اور مقدس جاوہ صداقت کی راہ پیا، اور وہ شہنشاہ مسلمانوں کو نیک اخلاق اور نیک اعمال پر کہ ان کی مساعی کا وہ حصہ

۱۵۔ اسلام اپنے مفتوحہ اقوام کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہے۔ ۱۔ اسلام لاؤ۔ جزئیہ ورنہ جنگ کرو؟ مگر یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ اس "ایٹیمٹیم" میں بھی کس قدر آزاد و شرائط پرصر کیا جاتا ہے، جو اسلامی حکام کی ایک عام خصوصیت ہے ۱۲۔

جس کا تعلق قلب اور ضمیر سے تھا اب تک بھی اہلہار ہا ہے، اور اقطاع عالم مثلاً مصر، شام، عراق، جزیرہ عرب، فارس، ہند، جزائر بحیرہ محیط ملاکا، بونو، وسط افریقہ، افریقہ شرقی، زنجبار، ترکمن، افغانستان، چین، امریکہ، آسٹریلیا، اسپین، وغیرہ میں مسلمان باوجود مافغانہ کوششوں اور سازشوں کے آج بھی اپنا ایک مستقل، اور اقوام عالم پر گراں گزرنیوالا وجود رکھتے ہیں، جو اسکی روحانیت کا آفتاب کے زیادہ روشن کرشمہ ہے

مگر کیا اس شمار اور اس روحانیت پر جو آج محض مسلمانوں کی اعتقاد کی کفالت کر رہی ہے، قناعت کر لینے سے مسلمان اپنے برگزیدہ اور نامور اسلام کے خلف، اور اپنے تہذیب و ترقی کے بانی نہ ہونے کے قیاس طے کر لیں؟ جبکہ اس شمار اور ایمان کی صحیح مثال یہ ہے کہ

طاؤس را نقش و نگارے کہست خلق

تخس کنند و او بجل از زشت پاک خویش

ہرگز نہیں! مسلمان مسلمان جب ہیں، کہ وہ علم و حکمت، تہذیب و ترقی، تمدن و اخلاق کے جامع ہوں، کیونکہ اسلام انہیں جہنم کے مجبور کا نام ہے۔ نشاۃ جدیدہ کے کارناموں سے واقف و ماہر ہوں، کیونکہ اسلام تحقیق و تلاش استدراک و استنباط کا حامی اور اور معلم ہے ربنا اتقانی الدینا حسنة وفي الآخرة حسنة

خان غالی

۱۲ اسلامی دنیا کی مردم شماری عیسائی کا نفرت منہ سے منعقدہ قاہرہ نے تیس کروڑ ہے کچھ زیادہ شمار کی ہے

خلاصہ نظم اقبال

(جہانگیر حاکمیت الاسلام لاہور کے جلسہ میں پڑھی گئی)

آتش اپنی حقیقت کی ہوا ہے وہ مقام دہا
 تو کبھی بھی تو باراں بھی تو حاصل بھی تو
 آؤ کس کی جستجو آوارہ گشتی ہے تجھے؟
 راہ تو رہ رہی تو رہ رہی تو منزل بھی تو
 کاشتا کی دل ترا اندیشہ طوفاں سے کیا؟
 ناخدا تو بجز کشتی بھی تو ساحل بھی تو
 دیکھ اگر کوچہ چاک گر بساں بھی کبھی
 قیس تو لیلیٰ بھی تو صحرا بھی تو محل بھی تو
 دلستے نادانی کہ تو محتاج سانی ہو گیا!
 مے بھی تو مینا بھی تو ساتی بھی تو محفل بھی تو
 شعلہ بن کر ہونکے کو غاشاک غیر اللہ کو
 خدیت ہل کیا کہے غایت گریہاں بھی تو

بلے خبر تو جو ہر آئینہ آیام ہے

تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اپنی اصلیت کی ہوا گاہ لے غافل کہ تو
 کیوں گرفتار جلسہ سچ مقداری ہے تو
 قطرہ کی لیکن مثال خبر بے پایاں بھی ہے
 دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفاں بھی ہے
 سینہ کی تیرا میں اس کے پیغام ناز کا
 ہفت کس شورش سے ہر تیرے تیغ و فنگ
 جو نظام دہر میں پیدا بھی ہو نہاں بھی ہے
 تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سماں بھی ہے
 اب تکٹا ہر ہے جس پر کوہ غار کا سکو
 توئی داں چند کیلوں پر ناعت کر گیا
 ورنہ گلشن میں عیلاج نگیں دواں بھی ہے
 کیسرت مینا میں ہے مستور بھی ہاں بھی ہے
 اور میری زندگی کا یہی سماں بھی ہے
 جلوہ تقدیر میرے دل کے تیرے بھی
 راز میں آتش نواں کامر و سوزی میں دیکھ

آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمات کی سیلاب پا ہو جائے گی۔
اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادبهار
نغمتِ خوابیدہ نغمچے کی نوا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
یعنی گل کی ہم نفس بادبهار ہو جائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز ساز
اس چمن کی ہر کلی درو آشنا ہو جائے گی
دیکھ لو گے سلطوتِ قنار وریا کا مال
موجِ مضطرب سے زنجیر پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیمانِ سجد
ہر جبین خالِ حرمت سے آشنا ہو جائے گی
نالہ صیادت ہوں گے نوا سا مانِ سیور
خونِ گھٹیں سے کلی نکلیں قبا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آکٹا نہیں
محویت ہوں کہ دنیا کی ساری ہو جائے گی

شبِ گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

اقبال

عصمت جس طرح : امر مسلم الثبوت کہ قوم کی ترقی کا انحصار تسلیم
نہوں پر ہے اس طرح اس میں بھی کلام نہیں کہ رسالہ عصمت لو کیوں کے
واسطے ایک بیش بہا نعمت ہے جس میں خانہ داری تعلیم تربیت - مذہب
وغیرہ پر منتخب اہلِ قلم کے مضامین نکل رہے ہیں۔
عصمت کو اسی لو کیوں کو فرمانبردار بیویاں - اور بیویوں کو سلیقہ نشا
گہریالیاں اور گہرائیاں بنانے کے واسطے ایک لاجواب چیز ہے جو بیش قیمت
کاغذ - اعلیٰ وجہ کی لکھائی چھپائی - رنگین ٹائپل سنہری پیل اور تصویر سے
مزین ہو کہ ہر مہینہ شائع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ (۱۲ روپے)

منیجر عصمت تہذیب دہلی

”ہندوستان کا قدیم ترین شہر“ اُجین

ہندوستان کے تمام شہروں میں یہ لحاظ سے کہ جو امتیازی خصوصیت اُجین سے وابستہ ہے وہ اُسے موجودہ گئی گدزی حالت کے باوجود شائقینِ یادگار قدیمہ کی نظر میں خاص طور پر موقر اور قابلِ وقعت بنائے ہوئے ہے۔ زمانہ کے تغیرات کے ساتھ ہندوستان کی آبادی بھی انقلاب کے لازمی اور جبری قانون کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکی لیکن مالوہ کا قدیم وراثت۔ راجہ بکرماجیت ایسے علم دوست اور اولوالعزم سرماں و اکا ستر حکومت اور کالیڈاس ایسے زندہ جاوید شاعر کا مولد و مسکن حادثات و بناوٹی نیرنگی زمانہ کا شکار ہونے کے باوصف اپنی ٹوٹی پھوٹی دیواروں اور خراب خستہ عمارات سے اب بھی گونا گوں دھبوں کا مجموعہ بنا ہوا ہے اس میں شک نہیں کہ زمانے کے دستِ بروسے اُس کی شان و شوکت اور عظمت و جلال کی پہلی سی دلاویز کیفیت باقی نہیں رہی لیکن آثارِ قدیمہ کے جوہریوں کو اب بھی اس کے کھنڈرات میں وہ بیش بہا جواہر مل سکتے ہیں جن کی آب و تاب اور چمک و مک سے کسی زمانے میں عروسِ مالوہ کا شہاگ قائم تھا۔ انقلاب کے زبردست ہاتھ نے گو اُس کی حالت و حیثیت میں زمین آسمان کا فرق پیدا کر دیا ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہی اُجین جو آجکل رنڈاپے کی صعب انگیز زندگی بسر کر رہا ہے کسی وقت میں تمام ہندوستان کی آبادی میں اس درجہ ممتاز تھا جیسے

سنگن کے زیوروں میں ناک کی نتھ۔

اور خصوصیات سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو تاریخ اور قومی روایات کے بموجب اس کی آبادی ہندوستان کی قدیم ترین آبادی ثابت ہوتی ہے اور شاید صرف یہی ایک خصوصیت اسے تاریخ عالم میں نمایاں درجہ دلانے کے لیے کافی وجہ سمجھی جاسکتی ہے۔ یہ کہنا دشوار امر ہے کہ اُچین کب آباد ہوا۔ تاریخ اس سوال کا جواب دینے سے سکت ہے۔ البتہ ہندو کے عام یقین کی بنیاد پر اگر اندازہ لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب دُنیا قائم ہے اُس وقت سے اُچین آباد ہے۔ یا یوں کہئے کہ دُنیا کا سب سے پہلا شہر یہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس خیال سے جس میں واقعیت زیادہ حُسن عقیدت کا رنگ پایا جاتا ہے اتفاق کیا جائے لیکن اس کم از کم اس کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ ہندوستان کی آبادی کے کثیر حصہ کا اس قدیم و مقدس شہر کی مدت قیام کے متعلق کیا رجحان ہے جس سے لازمی طور سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر اُچین کی عمر اس قدر نہیں جتنی کہ بتائی جاتی ہے تاہم ہندوستان میں اُس کی آبادی بہت پورانی ہے۔ اُچین جس زمانہ میں واقعی اُچین تھا اُس وقت اس کی شہرت اور عظمت جو رہی ہوگی اُس کا معمولی سا اندازہ اُن تحریروں سے ہو سکتا ہے جو اسلامی دیور پن مبقرین کی سیاحت ہند کی دلفریب اُستان کی صورت میں آج بھی علمی دنیا میں کافی طور پر قدر و قیمت کی چیز سمجھی جاتی ہیں۔ اسلامی سیاحوں میں البیرونی اور ابن بطوطہ نے مجمل طور سے اس شہر کی عظمت و اقتدار کا ذکر کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ زمانہ بھی اُچین کے عروج کا اہلی زمانہ تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں

کو اس وقت بھی یہ شہر آبادی - تجارت اور اکثر تمدنی و معاشرتی فضائل کے لحاظ سے قابل ذکر چیز تھا۔

مہیش کی تاریخ پر ایک سری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر سے آخر تک انقلابات کا گہوارہ بنار بہت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے تین صدی قبل تک اس کے متعلق کوئی قابل اعتبار روایت نہیں ملتی۔ البتہ اُس کے بعد جبکہ ہندوستان میں موریوں کا دور دورہ تھا اور مہیش بھی اُن کی وسیع وزیر سلطنت کے ایک حصہ کے طور پر اُن کی حکومت میں شامل تھا اُس وقت سے بعض مستند باتیں ہم پہنچتی ہیں۔ موریوں کے زمانہ میں اُن کا یہاں ایک نائب سلطنت رہا کرتا تھا جس کے تحت میں تمام صوبہ ہند سمجھا جاتا تھا۔ اشوک اعظم جس کے مذہبی کارنامے اور جس کی انسانی ہمدردی کی دلچسپ داستانیں اس وقت بھی باخبر اصحاب کے لیے مروجہ کتابیں ہو سکتی ہیں اپنے نامور باپ چندر گپت کے عہد میں یہاں کا وائسرائے تھا اور اس خدمت پر وہ اُس وقت تک مامور رہا جب تک کہ چندر گپت کے انتقال کی خبر سن کر تخت سلطنت پر ٹپکن ہونے کے لیے اُسے ہندوستان چھوڑنا پڑا۔

بکراجیت کے عہد میں مہیش کی شہرت و عروج کو گویا چار چاند لگ گئے بادشاہ وقت کی علمدوستی اور معارف پروری نے تمام ہندوستان کے کالمین فن کو اُجین میں جمع کر دیا تھا۔ یہی زمانہ تھا جب کالیداس جیسے ایوان ڈراما کا اولین معمار کہنا و اُچیت کا ظاہر کرنا ہے۔ اپنے دلہیز رنگوں سے ایک عالم کو محو حیرت بنائے ہوئے تھا۔ پولیسکل حیثیت سے اُجین کا جو قہر تھا اور اُس سے قطع نظر علمی حیثیت سے

وہ اس زمانے میں ہندوؤں کا مشربہ یا بغداد تھا۔ علم پروری کا ایک دریا تھا جو بہرہ تھا اور ششہ کاموں کو سیراب کر رہا تھا۔ ان امور کی تفصیل طوالت سے خالی نہیں لیکن مستفراہج و سیر کی مستند کتابوں کی ورق گردانی سے اپنا اطمینان کر سکتا ہے۔

صوبہ مالوہ کا صدر مقام اور علم و فن کا سلم الثبوت مرکز ہونے کے علاوہ یہاں کی سیر زمین اہل ہندو کے خیال کے مطابق مذہبی تقدس کے اعتبار سے بھی قابلِ تعظیم ہے۔ سپرانندی بھی جس کے کنارے یہ شہر آباد ہے مقدس سمجھی جاتی ہے۔ اہ آباد اور ہردوار وغیرہ کی طرح یہاں بھی دو چار بڑی سیلے نہایت بڑے پیمانے پر منعقد ہوتے ہیں۔ شیونامتری کے موقع پر ہندو زائیرین کا کشیر مجمع ہوتا ہے۔ ماگہ بیا کہہ اور کاتاک کے ہینڈل میں ہر سال بڑے سیلے ہوتے ہیں۔ جن میں ہندوستان کے اطراف و جوانب سے راسخ الاعتقاد ہندو مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لیے جوق در جوق جمع ہوتے ہیں۔ ہر بارہ سال پر سنہاٹ کا میلہ ہوتا ہے جسکی نوعیت اہ آباد کے کبہ کے سیلے سے ملتی جلتی ہے جس میں لاکھوں آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے۔ اس وقت آجین کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے اور اشنان کے موقع پر ندی کے کنارے نہایت پر لطف سماں ہوتا ہے +

ہندو معبد گاہوں میں مہاکال کا مندر سب سے زیادہ مشہور جو کوٹ محلہ میں واقع ہے۔ اس کی عمارت زمین کے نیچے بنائی گئی ہے۔ پہلے یہاں ایک داخلہ کا پہاٹک تھا وہ اب نہیں رہا۔ زمین کے نیچے اور عمارت کے اندر اترنے کے لیے چند زینے طے کرنے پڑتے ہیں اس کے لیے

سرخ فرش کا کچھ حصہ طے کر کے پرزینے ملتے ہیں اور اسی طریقے سے دو تین بار بیٹریوں پر اترنا پڑتا ہے۔ پہر ایک دروازہ نظر آتا ہے۔ جس میں داخل ہو کر چند نشیمن پر بیٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور وزاس کے بعد مہادیو کی مورت سامنے نظر آتی ہے۔ مندر کی موجودہ عمارت راجپوتانہ کی دیوان پٹوٹا کے زمانہ میں بنوائی گئی۔ مندر کی عمارت کی بنیاد میں کالہام دستور کے مطابق مسلمان بادشاہوں کے سر توڑا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ۱۲۳۵ء میں آتش جب بجلی سے بج کر اُچھل پڑا تو بعض لوگوں نے اس وقت اس نے اس مندر کو سمار کر ادا کیا اور سنگم دہلی۔ تاکہ پہلا گیا۔ اس مندر زمانہ گذرنے کے بعد غالباً اس قسم کے الزامات پر رد و نسخ کرنا کوئی مفید نتیجہ مترتب نہ کر سکے گا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ ملک کے ایک خاص طبقے میں اسلامی حکمرانوں کا یہی شعار سمجھ لیا گیا ہو۔

اس جگہ یہ مندر واقع ہے یہاں کسی زمانہ میں نہایت ہیبت ناک جنگل تھا اور اسے اب تک مہاکال بن کہتے ہیں۔ اس جنگل کی مذہبی حدود بہت دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور بیچ کی طرح ان حدود کے اندر تمام جیسے مذہبی حیثیت سے یکساں بزرگی رکھتے ہیں مہاکال بن کا اب زیادہ حصہ کاشت میں آ گیا ہے اور معمولی طور سے جنگل بھی باقی رہا۔ زمین سے شمال رو یہ تقریباً ایک میل کی مسافت پر بیروں گڑھ کا قلعہ ہے۔ یہاں مذہبی کے خوشنما گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ بیروں کے مندر میں جاتریوں کا جمع رہا کرتا ہے۔ یہاں ہی میاں کھم اسٹھ اور کاتک میں مذہبی میلے ہوا کرتے ہیں۔ اس جگہ مذہبی کا سرسبز و شاداب کنارہ گمن و غارت نہ رہا۔ اور دیگر قدرتی مناظر خاص و کچھ پی کا سامان رکھتے ہیں۔

ہیروں گدھے کے بالمقابل ندی کے اس کنارے آجین قدیم کے کھنڈت ہیں۔ یہاں کا لکا کا مندر قابل ذکر ہے۔ کالیداس شاعر کے بارہ میں مشہور ہے کہ جب ان کی بیوی نے انہیں کاہلانہ زندگی بسر کرنے پر مجبورت دلاست کی تو وہ اسی مندر میں آکر مصروف ریاضت ہوئے اور بالآخر ان کی عبادت کا صلہ دیوی کی طرف سے گویا یہ ملا کہ وہ فصیح لہیان شاعر کی حیثیت سے دنیاوی اعزاز و مرئیت کے مالک بن بیٹھے۔

یہ کھنڈرات آجین کی پولانی آبادی کے نشانات ہیں۔ اس کی تباہی بربادی کے باب میں قیاس یہ کہتا ہے کہ شاید زلزلے سے یہ سب شمار ہو گئے۔ یا اغلب ہے کہ سپرانندی میں کبھی ایسی طغیانی آئی ہو جس کے سیلاب میں یہ تمام آبادی دیا برد ہو گئی ہو۔ بہر کیف اب یہ جتنہ بالکل دیران ہے۔ موجودہ شہر آجین یہاں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر بجانب جنوب ہے کہتے ہیں کہ اس دیرانے میں اب بھی اکثر بیش بہا جواہرات اور قدیم سکے یا سونے چاندی کی اشیاء معمولی تلاش سے مل جاتی ہیں خصوصاً جب پانی برس کر نکل جاتا ہے اور سطح زمین گرد و غبار سے پاک ہو جاتی ہے تو اس قسم کی چیزیں بکثرت ملتا آ جاتی ہیں جو آثار قدیمہ ہونے کے اعتبار سے مستقل قدر قیمت کی مستحق سمجھی جاسکتی ہیں میرے ایک ہندو عنایت فرما مجھ سے کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص خدا پر ہر وسوسہ کر کے یہاں بیٹھ جائے تو وہ کبھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ باقاعدہ تلاش کی جائے تو اس جگہ سے بکثرت نمایاں و نامور چیزیں مل سکتی ہیں +

مآلوہ کا خط سیکڑوں سال تک اسلامی حکمرانوں کے زیرِ نگیں رہ چکا ہے

اور بیاں کی مختلف حصص میں اسلامی تمدن کے آثار اب تک بکثرت موجود ہیں
 آجین بھی ان سے خالی نہیں۔ لیکن ان کی تعداد چنداں زیادہ نہیں اور
 اسکی وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندو راجاؤں کی طرح آجین مسلمان
 فرمانرواؤں کا پایہ تخت نہیں تھا۔ جب تک مالوہ میں مسلمانوں کی جداگانہ
 خود مختار سلطنت نہ قائم تھی اس وقت آجین محض صوبہ کا مستقر تھا۔ اور
 جب سلاطین مالوہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے دار الخلافہ ہونے کی عزت
 و ہار اور پیر شاہی آباد ماندو کو بخشی جہاں کے شاہی مکانات۔ اور
 مقابر وغیرہ آج بھی اسلامی تمدن و تہذیب کی زندہ شہادت بن کر موجود ہیں
 مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلے قطب الدین کے قدم آجین میں
 آئے۔ اس کے بعد سلطان شمس الدین التمش نے اسے اپنے
 قبضے میں کیا۔ ۱۲۰۱ء کو تک یہ سلاطین مالوہ کے تحت نگین تھے۔
 بعد از شاہ گجرات نے جب مالوہ پر دست تصرف پسایا تو آجین بھی اس
 قبضے میں آیا۔ اس درمیان میں بہادر شاہ اور ہمایوں کی معرکہ آرائیاں
 شروع ہو گئی تھیں۔ اس بد امنی سے فائدہ اٹھا کر ملو خاں نے جو گجرات
 کے اُمراء میں سے تھا آجین کے لیے ریشہ دوانیاں شروع کیں اور
 بالآخر اپنے ارادے میں وہ کامیاب ہوا۔ اس نے صرف شہر قلعہ
 پا جانا ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ کچھ عرصہ تک مالوہ کا خود مختار حکمران بن کر
 قادر شاہ کے نام سے کوسس لن انلک بجاتا رہا۔

۱۵۲۲ء میں شیخہ سوری اس شہر کا مالک بنا اور ۱۵۲۵ء میں اکبر
 نے بالابادر کو جو سوری حکومت کے مقرر کردہ گورنر شجاعت خاں کا
 رد کا تھا شکست دیکر آجین کی تسخیر کی۔ اکبر کے عہد میں آجین صوبہ

اور سرکار اُجین کا صدر مقام تھا۔ اور یہاں ایک صوبہ دار رہا کرتا تھا۔ اُجین سے تقریباً دو کوس کے فاصلہ پر ایک مختصر گانوں ہے جس کا نام کالیادیدہ ہے اُس کو چند مکانات کا مجموعہ سمجھنا چاہیئے۔ یہاں سپہاندی پر سلاطین مالوہ ایک پرفضا محل بنا ہوا ہے۔ اس کو آبی محل کہتے ہیں۔ اکثر اسے غوری شاہ کا محل بھی کہتے ہیں۔ اس کی بنا سلطان ناصر الدین بن غیاث الدین خلجی (۶۹۰ھ) کی جدت پسند طبیعت کی شرمندہ احسان ہے۔ کہتے ہیں کہ سلطان موصوف کے مزاج میں بارہا کشتہ استعمال کرنے سے نہایت درجہ حرارت پیدا ہوئی تھی اس لیے اُس نے یہ محل تعمیر کرایا تھا۔ کہ اس سرد و خشک عمارت کے قیام سے اُس کی طبیعت اعتدال پر رہے گی۔ یہ عمارت ایک چھوٹے سے ٹاپو کی صورت میں سپہاندی پر واقع ہے۔ عمارت کے اندر کئی حوض ہیں جن میں نہایت سرد پانی ہر وقت موجود رہتا ہے۔ ان حوضوں میں پانی ندی سے آتا ہے۔ لیکن یہ بات سیقدر حیرت ناک ہے کہ خواہ ندی کا پانی گرم ہو یا سرد لیکن ان حوضوں میں پانی کبھی گرم نہیں رہتا۔ حالانکہ ندی اور حوض ایک ہی سلسلہ میں مربوط ہیں۔

سلطان ناصر الدین کے انتقال کے متعلق ایک روایت عام ہے کہ وہ ایک دفعہ اسی محل کے ایک حوض میں گر گیا ایک خادم نے فوراً کود کر پھیلایا اور باہر لایا۔ سلطان نے ہوش آنے کے بعد دریافت کیا کہ مجھے کس نے حوض سے نکالا تھا۔ نام معلوم ہونے پر اُس شخص کے ہاتھ قطع کرادیے۔ اور اُس کی وجہ یہ بیان کی کہ گویا ان ہاتھوں سے شاہی جسم کو مس کرنا داخل ہے ادبی تھا۔ کچھ دنوں بعد ایسا ہی ہر اتفاق

کہ وہ حوض میں گر پڑا لیکن پچھلی بات خدام کو ابھی یاد تھی کسی کو نکالنے کی جرات نہ تھی اور وہ پانی میں ڈوب کر رہ گیا +

اسی موضع میں ایک مسلمان بزرگ کا مزار مرجع خاص عام ہے۔ پہلے اس کا نام مولانا فخر الدین چشتیؒ ہے۔ آپ کے وضع کو عام طور پر لوگ خواجہ صاحب کا مقبرہ کہتے ہیں یہاں ایک سیل بھی ہوا کرتا ہے۔ آپ کے علاوہ آجین خاص میں مولانا مفید الدین صاحب قدس سرہ العزیز کا دربار روحانی تسکین جہل کرنے والوں کے لیے بہترین بارگاہ ہے۔ آجین اور طاب میں آپ کے عقیدہ مند کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

آجین اسلامی تختہ خیال سے یوں اور بھی دلچسپی کی جگہ ہے کہ یہاں شہداء میں وہ جنگ واقع ہوئی تھی جس کی کامیابی گویا اورنگ زیب عالمگیر کے نام ہند کی حکومت کا قرعہ ڈال گئی۔ نسل میدان جنگ کا یہاں ۶۰ کوس کا بُد ہے لیکن تاریخوں میں یہ لڑائی جنگ آجین کے نام سے موسوم ہے۔ فتح آباد ضلع آجین میں ایک جاگیر کا موضع ہے۔ اورنگ زیب اور مراد کی متفقہ افواج نے اسی جگہ جہنم سنگھ والی جود ہسپتال کو جو دارا کی طرف سے میدان جنگ میں آیا تھا شکست فاش ویکر دارا کے استحقاق حکمرانی پر ہمیشہ کے لیے ٹھہر لگا دی تھی۔

راجہ رتن سنگھ والی رتلام جوددارا شکوہ کے مساوین میں تھا اسی لڑائی میں کام آیا اس کی یاد گاریں یہاں ایک چبوترہ بنا جو ابے اور اب تک رتلام کے شاہی خاندان میں دستور ہے کہ شادی کے وقت کنگن کی رسم یہاں آکر ادا کرتے ہیں اور شاید اسی واقعہ سے راہنوردوں کو اس گاؤں کی حدود میں پانی پینے کی قسم ہے۔

فتح آباد کا قدیمی نام دہرات پور تھا لیکن اس فتح کے بعد اورنگ زیب نے اسکا نام بدل دیا یہاں شاہنشاہ موصوف کی تعمیر کردہ ایک مسجد اب تک موجود ہے۔ فتح آباد میں ریلوے جنکشن ہے اور مکران۔ اچلین اور اندر کو گاڑیاں یہاں سے ملتی ہیں۔

اچلین کی طرف ایک چیز اور قابل ذکر ہے بالخصوص اس بے گھر اس کا تعلق بالواسطہ مسلمانوں تک پہنچتا ہے۔ محمد شاہ کے عہد میں مہاراجہ سوامی جوسنگ

والی جے پور مالوہ کی گورنری پر فائز تھے۔ چنانچہ ان کے نام سے اس شہر کا

ایک محلہ بے سنگ پورہ اب تک موجود ہے۔ اسے آبادی کا حصہ غریب سمجھنا

چاہیے۔ یہاں ایک قدیم صد گاہ تھی جس کی تعمیر اور جس کی شہرت آج ہمارا

جے سنگ گاہ نام دینا میں چکا ہے ہوئے ہیں بعض لوگ اس صد گاہ کا پانی

مہاراجہ بکراجیت کو قرار دیتے ہیں لیکن شاید اول الذکر بیان زیادہ قابل اعتبار

ہے جے سنگ گاہ ایک علم دوست آدمی تھا اور علمی شفقت کی وجہ سے وہ ہر

ایسی تجویز کو قوت کے فعل میں لانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا جس سے کوئی

ذہنی یا دماغی مفاد مترب ہونے کا یقین کیا جاسکے۔ اس صد گاہ کا صرف

نام باقی ہے۔ البتہ گواہیا ریسٹ گزٹیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ بعض آلات صد اب تک محفوظ موجود ہیں۔ سید محمد فاروق۔ دشاہ پوری

۱۹۵۷ء جے سنگ گاہ نے اتنی تمام عمر علم کے تفصیل میں صرف کی جس نے خستہ کی اصلاح کی اور چند

نقشے مرتب کر کے اس زمانے کے حکمران شہنشاہ کے نام سے اس کو موسم کو کسے رنج محمد شاہی نام کیا

اس کے زمانے سے قبل اچلین میں ایک دو بین مینار موجود تھا۔ اس نے اس خیال کو رد و بقیوں

کے لحاظ سے ستاروں کے مقامات کا اندازہ مشاہدہ کے خلاف واقع ہوتا ہے۔ دہلی۔ بہتر اچلین

بنارس اور میسور میں باجی دو بین مینار تعمیر کرائے۔ ان میں کچھ خود اسی کے ایجاد کردہ آلات

ایک ذریعہ نصف المنار کا فاصلہ یا اجرام فلکی کا موقع ذوال معلوم کیا جاتا تھا۔

(سولیریشن این انشٹ انڈیا)

قصیدہ

نعت سرور کائنات علیہ السلام وحب الف صلوٰۃ و سلام و تحیات

ہوا ہی جوش عین شرم میں یہ کسی لفت کا
عرق شرم گنہ سے پیہری یا ہول پر شرم
دل پر داغ یا گلہ نہ گلہ نہ جنت ہے
جلاسنے میں لہجہ میں لہجہ کی بولانی
یکباری کی میری مغفرت کا رنگ ظاہر ہے
زباں وہ ہم سے امید کہنی مجھ کو لازم ہے

مطلع

خیال آیا یہ شاید احمد سرل کی قامت کا
بجائے کچھ نہ کچھ کو تھوڑی اس کی لفت کا
یہ جوش عشق تھا دنیا میں جب بھی محمد کو
خدا کیا حق سے ہوا آپ سے ہو کیا جدا
قدِ سوزنوں کی لابت ہو عالم کا تھا مجھ پر
بجائے شرم کے دن ہو کے ہر گام جو رہی
دو حرف ہر دو عالم کی ٹہرے کیونکر نہ آسائش
گلِ مرغ پر ہو گلِ نخل بند گلِ شرم قہر

مطلع

قلم کے قاف میں انداز سی قاف قیامت کا
بھرے دم خالق کوئی مکان بھی جسکی لہجہ کا
خدا نے بہر سکین رکھ لیا خود سایہ قامت کا
انف ہی ایک ہی اللہ کا احمد کا امت کا
دکھایا قافِ غلت میں عن شا کا کثرت کا
قیامت میں میں آغاز اور انجام ذمہ قیامت کا
کہ میلہ ہو جو دو پاک خطاطانِ خلعت کا
کر کر ناک دانہ خرمن ہی جسکی کشت قدرت کا

نشانِ زیبِ عالمِ وجودِ پاک حضرت کا
 رقمِ موصوت کیا اس شان کی عزت کا
 بنایا دوزخِ کونینِ سطحِ تجسکو
 کہیں کیونکر نہ تیرے قدِ بالا کو قیامت
 دکھایا دوزخِ مسماعی تیری خلعتِ صانع نے
 کچھ یہاں پر نقشِ ترا فاشِ قدرت کے
 صد آسائے عالمِ ایمانِ ہر ذاتِ تیری ہے
 جگر خائے کاش ہر آنِ کمالِ اس سے ثابت ہے
 شبِ طالع دیا وہ حضرت یوسف کو خالق نے
 نہ دیں شبِ نقیض پائے والے تو بے شبہ
 عداوتِ انِ زلزلِ حقِ ہر نطقِ والا
 شجرِ کزاتِ تیری ایک گلِ جبکا باعث ہے
 دلِ سلم کو کیا اندیشہِ قمرِ چشمِ ہو
 بہ شکلِ موسیٰ سرِ جباروںِ شر و کلمات
 نہ امتِ قاصدِ بالاسی ہوئی کہ غالب ہے
 نشانِ سببِ قضاعت کا اہل پر کا ہوا ہے
 اگر تو یس خدا کی رحمت اور تیری شفاعت کو
 جابرِ نفط ہے صوفِ اہلِ مودے یعنی
 بشرہ کیا ہی جو خالی ہو تیرے سوزِ الفت کے
 خدا کے تہسکہ کیونکر نہ بچے جو کچھ سے پھر جا
 نشانِ نعلِ توسنِ ہر نو نما غور سے دیکھو

ہمکنہ جیسے ہوا ہے حبیبِ تم کی رغبت کا
 کہ پائیں باغِ جس کے سامنے ہے باغِ جنت کا
 شدہ دھواؤں میں سطحِ جویمِ بہت کا
 کہ انجامِ اسپہِ دنیا کا ی اور اسپرِ سالت کا
 بھرا ہے ایک گل میں ایک سا باغِ صنعت کا
 کہ عالمِ خامہ قدرت میں تو گشتِ حیرت کا
 تجھے اللہ نے حاصل بنایا بھرِ قدرت کا
 بڑی محنت کے نقشِ راست آیا تیری قیامت کا
 ازل میں جو بچا تھا رنگِ تیری جس طلعت کا
 ہر اکامِ عالم ہو بہنو دروئیے آفت کا
 کہ حق کی باد اور کچھ کو منصبِ وزارت کا
 فصاحتِ صیغہ شوقِ بنِ مصداقت کا
 کہ اعلیٰ جزوِ ایمان کا ہے قلبِ است کا
 نکالا مانگ کے مانند کیا رستہ ہدایت کا
 نکل کر آئینہ حیرت ہو گا دنِ قیامت کا
 نظرِ تیری عنایت کی سب سے عزت کا
 ہاٹھے ایک پد بھی ترا دوسے قیامت کا
 تری الفت ہو گیا رکنِ خالق کی عبادت کا
 دیا خالق نے جو ہر جسمِ ضعیف کو حرارت کا
 ہے کب ہو سکے محفوظ وہ کہ جو بڑے جہت کا
 تیری حسیں کا شکر جو طالبِ موشہدات کا

تیر و دس کی گدائی نے کیا ہے بسکے مستغنی
 وہ ہونچا منزل مقصد یہ آخر میں ہا یوں کیا
 نہیں دولت کا سرخ اما کی انجام ہر گز دولت
 مری قربت تلاش لذت دنیا کی مانع ہے
 رہوں محفوظ لہو عریض نخت سے تکبر ہے
 کر دیں میں تیر سوز لغت نامور مجھ کو
 امیر دیم سے ہونگ مثل حرف مدغم
 خدا کا شایسے جیسے سو تو مجھ کو بے نشان کر دے
 عطا کر خاک صحرائی مدینہ کی ہو اس کو
 یہ سحر آمینہ کا بلو لا و کچھ کر سچوں
 پر ہونگ حشر کے دن جب میری مصیبت قابو

سے لغت تجھ کا مایہ حیکم خالق سے

کسے یہ اگر نیریں سچوئی کو رضوان باغ جنات

شاہکار دارین محمد حسین جتوئی

ہم نہایت خوشی سے اعلان کرتے ہیں کہ ہماری مقرر بن سر محمد الدین صاحب قلمی دہلوی تمدن
 قسم دوم کے دو پرچہ اینڈ ان ٹی واولو یا اگر ذوالہبیوں کے نام جاری کرتی ہیں جن کی مالی حالت
 رسالہ کی خریداری برواشت نہیں کر سکتی۔ ہم اس غلطیہ پر اپنی عزیز بن کے اور بی زیاد
 اس پر شکور ہیں کہ تمدن کی خدمات کو ہماری بہنوں نے بھی وقعت سے دیکھا۔ اور اسکی
 ضرورت کو اس لیے کہ اس کا مقصد اعلیٰ حقوق انسان کی حمایت ہے محسوس کیا

خطبات شاہی

لکھنؤ کی جان سلطان عالم محمد وابد علیشاہ کچھ عجب زندہ دل تھے باوجود اس
سلطنت و جاہ و شہرت و شاہ کے اس بادشاہ میں خود اور نخوت جس سے ہزاروں میں بھی
کوئی امیر خالی نہیں ہوتا، نام کو نہ تھا۔

گر بدولت برسی مست نگرودی مروی

جیسی یہ بڑی صفتیں تھیں ویسی ہی غفلت اور عیش پسندی کا عجب بھی تھا، وہ اپنی قوت
کے واسطے تھا، عیب ذات تو خدا کی ہے۔ انجام عیش و عشرت کا یہ ہوا کہ سوائے
محلات کے کئی بیکس و پیدیاں زمرہ متعہ و نکاح میں در آئیں ان کے سوا اور
عورتیں بھی جو وجہ ایجا و پسندی و اختراعات شاہی کے بقرب رئیس اور پرکوں
کے نام زد ہوئیں۔ ایک عالیشان عمارت بنائی موسوم بہ قیصری باغ کہ جس میں
بگیاں بڑے بڑے سامان اور ٹہاٹھے تھے عیش و عشرت رہتی تھیں ہر ایک بیگم کا
انوکھ اور نرالا خطاب لقب ہوشن با۔ نام دلربا تھا۔

اس سرکاریں جوڈویناں عورتیں تھیں اونکو سرور محفل اور جو ان کے مرتبے
ان کو بار محفل کہتے تھے۔ ایک سیلا ہوتا تھا جس کے سامان تکلفات آرائش اور
چوڑے کسی طرح بیان میں نہیں آسکتے جس طرح کا بازار تہا دو کا نڈارا وی رنگ کے
تھے مختصر یہ کہ غریب رنگ نیز امیر بن گئے۔ بنا اس سیلے کی بیہ تھی کہ وابد علی شاہ کی
چھٹی کی آندو پر ان کی ماں نے لڑکپن میں جو گیا لباس پہنایا تھا اس کی ساگرہ
اس لباس سے ہوتی تھی بادشاہ نے عہد سلطنت میں میلہ قرار دیدیا۔ اتفاقات
زمانہ سے جب کلکتہ موچہ کہو دتھلب بہ ٹیپا برج میں قیام پذیر ہوئے تو اپنی

دستگیری کے لیے یہاں بھی کچھ عجیب مان دکش ہوتا ہے کہ اکثر ناشناس ان سب باتوں کو بعض فضل داغ جانتے ہیں مگر واقعی امر یہ ہے کہ ایسا دل و دماغ کا بادشاہ کم گدنا اگر مبالغہ نہ ہو تو یہ کہنا قابل اعتبار ہے کہ گزرا ہے نہ گذرے گا۔ اور یوں فضلنا بعض ہم علی بعض۔ یتا برج کو قید خانہ تھا گاریاں بھی وہی دن عید شب شبہات جنگل میں نکل جس پسینہ شوق کیا کر کے اعلیٰ درجہ پر دکھلا دیا۔

کیوں نہ ہو کہ جو بات کی حسد کی قسم لا جواب کی طرف نہ گھمیں یہ کہ ہرے کی خطاب کی رعایت ملحوظ خاطر رہی۔ لہذا طوائف صرف چند چیزوں پر گفتار کیا جاتا ہے جو تالی اور پستی نہ ہونگی۔

مثلاً ۱۲۹۱ء تک جانوران قہنی کو جو خطابات غایت ہوئے قابل غور ہیں مثلاً
نیل زیور گل۔ آشنائے چین۔ عاشق گل۔ گلاب رنگ۔ شب گو۔ شب نوا
شب بیدار۔ شب دولت۔ خوشگو۔ شب صدا۔ خوش صدا۔ خواش نوا۔ شب صورت
زاہد نما۔ پارسا۔ تسبیح گو۔ شب گلہ۔ شاہ چین۔ آرام دل۔ پر صدا۔ راحت دل۔
راست گوش۔ خوش داستان۔ بخواب۔ چرخ آشیان۔ شب زندہ دار۔ مخزن الاموات
فلک آشیان۔ ضو نشان۔ سوز جگر۔ آرام قلب۔

شاما۔ خدیو پند۔ فغور پند۔ داؤد پند۔ شیریں پند۔ انجن پند۔ قاتقان پند
اگن۔ دہر۔ تحفہ دہر۔ خدنگ۔ ثنا خواں۔ شیریں۔ ستارا پند
طوطی۔ زریں شربت۔ لوز بادام۔ سرخ لب۔ لبشکریں۔ گلستان۔ موزین
مینا۔ کاملہ۔ مطربہ۔ معاصیہ۔ محب نما۔

پیمپا۔ قبلا۔ عالی۔ آزاد۔ ترانہ خوان۔ عاشق۔

کونل۔ بادل۔ گیسو۔

ہر لوب۔ فریفتہ۔ ملہ جان۔ دلریش۔ شیوہ۔ سبز پوش۔ مخمف۔ لالہ رخ۔

دلمان پان سبرقا۔

کبوتر۔ حورقا۔ زلف یلے۔ قاصد صبا۔ تاج وفا۔ مرقا۔ مہر لقا۔

مینڈھا۔ دشمن شکن۔ مخالف شکن۔ عمد شکن۔

باغات۔ باغ دلکش۔ ملک باغ۔ فلک باغ۔ سلطان۔ ہمایوں باغ۔

درخت۔ چنار اللدیز۔ گل پوشاک۔ اجارت ہنسرا۔ راحت افزا۔ مراد

شیریں۔ محبوب الاشجار۔ مجموعہ۔ حسن چمن۔ ستاد شجر امین۔ گیسو دراز ہمیشہ بہار
فرحت البصر شگفتہ۔ ذائقہ۔ پختن۔

تالابا۔ چشمہ سنا۔ چشمہ عطا۔ چشمہ شیریں۔ چشمہ خضر۔ چشمہ کوشر۔

مچھلی مع قوم۔ نین خطاب۔ خوش قطع۔ چیمہ مخاطب خوش وضع

سنان مخاطب پسند۔ روہو مخاطب شہ پسند۔ بہانگن مخاطب شاہ پسند۔

بہانگن سفید چشمہ مخاطب شاہ پسند۔ ہاشیر مخاطب بادشاہ پسند۔

مرثیہ والیان۔ نواب غم گار بیگم صاحبہ۔ نواب نعمتور بیگم صاحبہ۔ نواب

ماتمی بیگم صاحبہ۔ نواب ماتم دار بیگم صاحبہ۔ نواب مرثیہ خان بیگم صاحبہ۔ نواب

نور خواں بیگم صاحبہ۔ نواب ذاکرہ بیگم صاحبہ۔

نقل والیان۔ نواب الایچی بیگم صاحبہ۔ نواب دو گاہ بیگم صاحبہ۔ نواب

چار کوڑی بیگم صاحبہ۔ نواب گاہ بیگم صاحبہ۔ نواب دوبارہ بیگم صاحبہ۔ نواب

تین تیرو بیگم صاحبہ۔

محبت حسین شاہ۔ (عظیم آبادی)

ناظرین تدن براہ کرم خط و کتابت کے وقت نمبر خریدی

کا حوالہ ضرور دیں +

تفہیم

انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک غنتی اور دوسرے کامل۔ ایک اپنی زندگی کا خطر جفاکشی اور استقلال کو سمجھتا ہے اور دوسرے سستی اور تلون پر مشا ہوا ہے اول الذکر تندرست - قوی - اور دنیوی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ دوسرا بیمار - نحیف اور تنگ دست و پریشان حال۔ ایک کا اصول ہم خرم و ہم ثواب ہے اور دوسرے پر اگندہ روزی پر اگندہ دل کا مصداق۔

اس عیسق فرق کو دیکھتے ہوئے جوان گروہوں میں ہے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ تفریح غنتی اور جفاکشی کا حق ہے نہ کہ سست و کراہل کا تفریح کی لازمی شرط تھکان ہے خواہ وہ جسم کی ہو خواہ دماغ کی۔ پس وہ شخص جو اپنی تمام قوت کو اپنی بہیودہ یا نوع انسان کی ترقی میں منسج کرتا ہے سستی ہے کہ کچھ گھنٹے تفریح طبع میں صرف کرے۔ تفریح اس کو شاگفتگی دل کو حیات بخشنے کی اور روح کو تازہ اور بشارت بنادے گی جو دوسری حالت میں مردہ ہو جاتی ہے۔

دنیا تسلیم کرتی ہے کہ ہم مند و ستانی غایت درجے کے غنتی اور جفاکش ہیں اگر ضرورت مجبور کرے جیسا کہ ٹرانسوال کے معاملہ نے ثابت کر دیا ہے لیکن ہماری محنت اور جفاکشی تہوڑے عرصہ میں ہمارے جسمانی اعضا کو ناتوان اور قوار ذہنی کو کمزور کر دیتی ہے۔ برعکس اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اہل یورپ کی جسمانی اور دماغی قوتیں تاجات عمدگی اور چستی سے کام کرتی رہتی ہیں۔ کبرسنی ہمارے دماغ کو عقل سے خالی اور جسم کو درد اور

اعضا کشنی کا شکار بنا دیتی ہے برخلاف اس کے اہل یورپ میں زیادتی عمر انکی کوششوں میں خاصہ اضافہ کرتی ہے اور دوسروں کی بہتری کا باعث ہوتی ہے ہندوستان کی کہادت کہ سناٹا پٹا ہوتا ہے اور یورپ کا مقولہ کہ بٹورے بال قابل تنظیم ہیں ایک دوسرے کی حالت کا عمدہ نمونہ ہیں۔ اس نقص اور ترغیب کا سبب صرف یہی ہے کہ ہماری تفسیر طبع کے مشاغل صحیح اصول پہنچی نہیں ہیں اور وہ ہماری قوتوں کے سچے معاون ثابت ہونے کے بجائے دشمن جانی نکلتے ہیں۔ ان مشاغل پر خامہ سسائی کرنا تفسیع اوقات سمجھکر چند مفید اور مجرب اصول پیش کرتا ہوں کہ چلک ان پر عمل پیرا ہوا درگم شدہ وقار کو دوبارہ حاصل کرے

اول۔ اچھی طرح اطمینان کر لو کہ جو مشاغل تفریح تم اختیار کرنا چاہتے ہو تمہاری قوت نمیر کے خلاف تو نہیں ہیں کیونکہ اس قسم کا گناہ شگفتگی طبع اور اطمینان قلب کے برابر کر دیتا ہے اور تفریح کا اصلی مطلب قوت ہو جاتا ہے بعض شخص حسب ذیل اور جنگ مرغ کو پسند کرتے ہیں اور بعض گناہ خیال کرتے ہیں پس اس قسم کے مشاغل میں قوت نمیر کے ارشاد پر عمل کرو۔

دوم۔ صبح کا وقت تفریح میں منائع نہ کرو۔ رات بہر کا آرام کافی تفریح ہے اور وہ شخص جو تہکانہ ہو تفریح کا سستی نہیں ہے اس لیے صبح کا وقت تفریح جس نسخہ کرنا وقت کو بیکار اور ضائع کرنا ہے۔ یاد رکھو کہ گناہ بھرنا نہ نہیں آتا یا یہ کہ تم کو اس کا عمر بہر افسوس کرنا پڑے۔

سوم۔ مشاغل تفریح کو تکلفات سے آزاد رکھو۔ اور عمر کی مناسبت کو فراہم نہ کرو۔ تکلفات کی زیادہ پابندی تکلیف کا باعث ہوتی ہے اس لیے ان گفتگوں کو جو جسم و دماغ کے تروتازہ کرنے میں صرف

کرنا چاہتے ہو سو ہاں صوح نہ بناؤ۔ اگر تم بچوں کا کھیل کھیلنا چاہتے
 ہو تو بچوں کا ڈھنگ اختیار کرو اور اگر جانوں کا تو ادا اہل عمری کے درگاہ
 سے پرسہ نہ کرو ایسا نہ ہو کہ ایشائے شکر پر بیٹے سعدی کا شعر۔
 پہل سال غرغریت گشت مزاج تو از حال طفلی نگشت
 تیر صادق آباے *

چہ آرام۔ اس صبر کو جو زیادہ تھکا ہوا ہے ضرور تروتازہ بناؤ۔ اگر تمھاری زندگی
 غرض سے تیری کی سی ہے تو جسم کی ورزش کرو اور اگر حرکت دینے
 والی اور چستی کی ہے تو دماغ کو شگفتہ بناؤ لیکن خیال رکھو کہ آخر الذکر
 حالت میں دماغ کو بجائے آرام دینے کے المیہ نصبت کام اس کے
 سپرد نہ کرو۔ اور شطرنج یا دو سکر دماغی لیلوں کو بطور تفریح کے نہ کھیلو
 زیادتی ہر ایک شے کی مضر ہوتی ہے اس لیے زیادہ ورزش یا زیادہ
 جو شیلے کھیلوں سے بچنا بہتر ہے۔

پہنجم۔ تفریح کی بے لانی یا بڑائی کا قلع طبعیت سے ہے اور محبوب دلخواہ مشاغل
 پسند کرو۔ کائنات کے ذریعہ سے مجبلی پکڑنا جس میں اہلٹوں خاموش
 بکھڑا ہونا پڑتا ہے بعض مصیبت خیال کرتے ہیں اور بعض بجز سرت
 کا ذریعہ جانتے ہیں۔ دوڑنا کودنا۔ میدانوں کے نشیب و فراز میں
 سیر کرنا۔ پیادوں چرپھرنا عام طور پر پسند کے جاتے ہیں لیکن
 وہ کھیل جو علاوہ فرحت بخشنے کے کوئی اور عمدہ کام کے موجب ہو
 زیادہ اچھے ہیں۔ مثلاً گیند کا پھیلنا ہاتھ اور آنکھ دونوں کو علم
 ریاضی کی تعلیم دیتا ہے۔ سیرنا صد ہا جانوں کا۔ جو سیراک کی عدم
 موجودگی میں غرق ہو جاتیں حیات کا باعث ہوا ہے۔ پٹہ اور نبوٹ

غلاوہ تفریح کے فن جنگ کے اصول بتلاتا ہے۔

ششم۔ لیکن تفریح کے لیے افضل تر شغل شکار کھیلنا ہے۔ کیسی امیر نے ایک غریب کے کہا کہ میں شکم کی تلاش میں جاتا ہوں جو میرے لحم سے سیر ہو۔ غریب نے جواب دیا کہ میں لحم کی فکر میں ہوں کہ میرے شکم کو سیر کرے۔ یہ خوبی شکار میں پائی جاتی ہے جو دونوں کی خواہش کو بہ وجہ احسن پورا کر دیتا ہے۔ اگر آدمی پہو کا ہو تو گوشت میسا کرتا ہے اور اگر زیدہ سیر ہو تو ماغضمہ کو دیرت بنا دیتا ہے۔

نہایت یہ اصول نہایت سادے اور ممکن العمل میں نہ تو ان میں کوئی سائنس کی پیچیدگی ہے اور نہ فلسفہ کی باریکی جو فہم میں نہ آ سکے۔ عامل خوب اور دیکھو کہ کس طرح یہ اصول تمہارے قلب کی ماہیت کا باعث بنتے ہیں۔ یہی اصول ہیں جنہوں نے آج یورپ و امریکہ کی کاپیٹل دی اور ان کو عاقل۔ پُر دماغ اور ہوشیار بنا دیا۔ مہذب ممالک انکی فتد کرتے ہیں اور ان کے خلاف ورزی کو اخلاقی جرم سمجھتے ہیں۔ واقعی صحیح ہے۔

”قدر گو ہر شاہ داند یا بداند جو ہری“

شہدی (علیگ) از کہام گاؤں

حجت زمانی { مولوی سیّد احمد صاحب کی پیشینہ تصنیف جو غلاوہ دلچسپ ہونے کے ایک نہایت سودمند کتاب ہے۔ مصنف سے از سر نو ترمیم کے بعد نہایت محنت سے تیار کی گئی ہے۔ بیگانی زبان قلم مٹائی کے محاذ سے۔ قصہ کی دلچسپی مختصر یہ کہ کتاب بغیر ختم کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ قیمت۔ ایک روپیہ (دعرا) غیر عصمت۔ و تمدن۔ دہلی سے طلب کیجئے۔

مغایر

ایک نہ تھاکہ میں آزاد تباہی میا
 مانے سیر گلستاں تھی نہ جھکو کوئی شے
 لہجہ لائے تازہ تھے میرے ہرے و پندیر
 حسن ہو دولت ہو عزت ہو بزرگی کی
 اپنے بوجھنے میں بیگانے غم اُغیر لکھا
 لاکھ نہ ٹیکو کہیں تیرے چلتا ہو کام
 شکل باز و دوا جیسے بھی تھا مجھ کو باز
 میں ہوا بعد جوانی میں ہی پابند نقص
 دامن بحال نہ اسیسہ طائر و چرخ
 کیا خبر تھی یوں بزم کا قیدی کچھ نقص
 آپ کی فیروز شدہ رنگ کا منون ہوں
 آپ کی ہر بے سکوگی کا ادا کرتا ہوں شکر

تھکائے نخل ہشتم میرا آب دانہ تھا
 بیخود تھا حسب خوش ہر شجر پر ٹھیک تھا
 میری صورت دریا تھی میرے بازو خوش تھا
 سب تھرا پیر تھیں زینت زانی تھیں
 دن بے دن کوئی ہرگز نہ دیکھا غم تھا
 لاکھ کچھ کہیں کہیں نہ تھے قسمت کا لکھا
 خوبے تقدیر سب ثابت مجھے بیفائدہ
 تھا جہاں پانی میسر نہ دے دانے کا پتا
 ایک دم میں ہو گیا کچھ اسیری سے رہا
 کیا خبر تھی انقلاب آسمان ہو جائیگا
 اے مجھے چھوٹے شکاری مر جا بعد جہا
 آپ کے ہر جور پر سو بار ہوں دے سے فدا

کیونکہ حضرت آب اگر اتنا ردارہکتے نہ ظلم
 مثل سابق میں ابھی بکشتیدی ہوتا آپ کا

(ابو نصر ثاوی)

تہذیب و تہذیب کی تہذیب ہے جو تہذیب سے نہیں ملتی تھی اور یہ صحت انہی نے نہایت محنت و مہنت
 سے بنا رکھی ہے نقد کی دلاویزی زبان کی سلاست دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ قابل مصنف مولوی سید احمد
 صاحب کا نام ہی اسکی خوبی کی کافی ضمانت ہے محبت ائمہ اہل حق (۱)۔ تہذیب و تمدن اہل سولہ کی تہذیب

دُعائے نیم شبی

آنریبل۔ ایم۔ سی۔ (ممبر آف دی کونسل) کچھ عرصہ سے اس وقت سے جبکہ وہ کونسل کے ممبر منتخب ہو کر، آنریری ممبر شپ کے علاوہ آنریبل اور ایم۔ سی۔ بھی ہو گئے۔ بلاناغہ آدھی رات کے تاتے میں اپنے در و دل کا اظہار کچھ ایسے موثر الفاظ میں کیا کرتے ہیں جو سننے اور غور کرنے کے قابل ہیں :-

” اے پالینٹ اور کونسل کے خدائے صغیر اے وہ خدا جبکہ سوائے دنیا دہی تھی کے پروردگارِ عالم سے کچھ مطلب نہیں! میں اپنے سچے دل کے ساتھ تجھ سے اور محض تجھ سے بلجی ہوں کہ تو اپنی نگاہِ لطف آنیز مجھ پر ناچیز پر۔ اپنے بندہ خاص پر۔ اے ال! ارحم و مہربانی آنیز نظر کے ساتھ اس عظیم الشان اور حیرت انگیز اتفاق کو ملاحظہ کر جس نے مجھے کونسل کے آنریبل ممبر بن جانے کا موقع دیا، اور اپنی شانِ عیب پوشی و ابلہ نوازی کے صدقہ میں، اپنے دامانِ غنایت میں۔ اپنے حفاظت اور سرقداری کے وسیع دامن میں۔ چہا تا کہ میری جمالت، میری از سر تا پا ناقابلیت، کسی عیب جو اور نکتہ چیں نظر کو بھی نہ معلوم ہو سکے! قسم ہے تجھ کو اپنی قوتِ تکلم کی۔ اپنی طاقتِ لسانی کی مجھ بے زبان میں کم از کم اتنی تو یاقوت پیدا کرے کہ میں اس جبر نیسٹ اور پریس رپورٹر کے پست سے نکل جاؤں جو میری اسپیج اور تقریر کے ٹکٹے اور اصلاح کرنا عارضہ۔ وقت آنے سے پہلے مجھے یاد کرانے اور رٹوینکا مطالبہ۔ میری ہیستانت سے بھی زیادہ مانگتا ہے! !

”لے نہ ہی سہرتوں، شہل گروہوں، اور پولٹیکل جماعتوں پر حکمرانی کرنے والے خدا نے خاص اپنے زرنگار چکا چونڈ پیدا کرنے والے جڑاؤ عرش کے صدقہ میں، میرے دل و دماغ کو بذریعہ اسپرٹ کوئل ٹینڈرانی پارو عانی تار برقی عام و قنیت ستا صرفتہ استہر بھڑے کہیں وقتاً فوقتاً اپنے صلحہ راستے دہندگان کے روبرو ہر پیش آنے والے معاملہ میں دخل و مداخلت کر سکوں اور ان بیوقوفوں کو جو گورنمنٹ کی اطاعت کے محض ایسے ہی سادی میں بیٹھے ہوئی کے موقع پر بڑا ٹڈی یا زخم کے بہر سکہ پر اپنی جھوٹی سچی ٹانگ ٹانگیے اپنا گرویدہ بنالوں! مجھے معلومات باطل اور حقوق فرضی کی ایسی عمیق تعلیم کہ میں اسکی بدولت اپنے گرد و پیش رہنے والے ناتراشیدہ دہقانوں کو اپنی وسیع معلومات اور عصمت کا یقین دلا سکوں، اور مجھے یقین کر کہ میں انکی سادہ لوحی کو اپنی گندم ناجو فروشی، کی اعانت میں اپنے آرام کے لیے خاطر خواہ کام میں لاسکوں!!

”لے جاہل ہندوستان کے شہیل مرتبہ کے خدا بہر دلخیز اور باعزت خدا! مجھے ایسے ضروری اور موزوں معلوم ہونو اسے غور و فکر سے طرب کرنے کہ میرا گتاخی آمیز پرغور برتاؤ، اہل قسم و اہل دماغ کے ساتھ ناقابل بردا ہونے کی حد تک پونج جائے، مگر ساتھ ہی مجھ میں وہ چمکیلا، اطاعت کے بھرا ہوا، اخلاق ہی قائم رکھ چکی بدولت میں حکام بالادست کی نگاہ میں چالو سی کرنے والے پیرای اور خوشامدی ٹٹو سے زیادہ نہ جھجوں! اور قسم ہے مجھ کو اپنے مہذب اور خاموش پالیسی کی موجودہ دورگی ڈیو میسی کی مجھے ایسی قابلیت عنایت کر کہ میں انصاف آمیز سرپرستی اور ہمدردی پر ہی ہرئی امداد کے رنگ میں اپنے رائے دہندگان کے سر پر شفقت اور رہبرانی

ہاتھ پیرا تار لم ہوں !!

لے جاہلوں کے مُرتی: چھوٹی سی شان ملے مکہ نواز! اپنی شان رحیمی کے
طہیل میں ایسے روز بد سے۔ ایسی منوس گھڑی سے۔ بچا، جبکہ دور پار دشمنوں
مجھے کونسل کے سامنے بونے کی ضرورت پڑے! لے۔ سب کچھ جاسنے
ملے تو جانتا ہے کہ میں کوئی پچھرا یا اسپیکر نہیں ہوں۔ اور بغرض محال اگر
ہوتا، تو ہی۔ میرے ناکارہ دماغ میں کوئی ایسا قابلِ غور خیال نہیں جس کے
لیے مجھے صرف ایک دہائی سے دہائی فقرہ ہی بولنا پڑے! اے
دور بین کی ادا دوسرے صلیت کی تک کو دیکھ لینے والے! ادا نو مینا!
تو دیکھتا ہے کہ تمام شیشیل فائدوں کے لحاظ سے، تمام قومی حقوق کے،
خیال سے، میری ذاتی رائے اگر ہے تو یہی۔ اور صرف یہ ہی۔ کہ مرد
دوزخ میں جائے یا بہشت میں، مجھے اپنے نام کے ساتھ۔ ایم۔ سی۔ لکھنی
کا حق ہمیشہ ہمیشہ تک حاصل رہے!

”لے پارٹنٹ اور کونسل کا حساب جانچنے والے، اور ایک رائے کو
شمار کرنے والے، احکم الحاکمین! تو مزدور جاتا ہو گا کہ میں نے تیرے بہترین
بندہ نے محض۔ ایم۔ سی۔ لکھنے کا حق حاصل کرنے میں مبلغ دو ہزار روپے
سکہ رائج الوقت، مناسب اوقات پر شیعہ کیے ہیں! یعنی ان دو حروف
تہجی کو۔ ایم اور سی۔ کو شیعہ ایک ہزار روپیہ فی حرف مول لیا ہے! او
اب میں ان کو محض انکو۔ تمام سوسائٹی، تمام قوم، اور تمام ملک، سے زیادہ
عزیز۔ بلکہ اپنی جان سے زیادہ عزیز۔ رکھتا ہوں! اے مبلغ علیہ السلام
کو ستارہ عیوب کا سچا مرتبہ عطا فرمانے والے کو ڈرتی خدا! ان دو حروف
کو اس قدر گراں مول لینے کے بعد اگر میں یہ التجا کروں کہ مجھے

کبھی کسی ضروری سے ضروری معاملہ میں بھی کیسی ایسے معاملہ میں بھی جس میری قوم کا فائدہ ہی وابستہ کیوں نہ ہو مجھے ایک لفظ بولنے کی بھی ضرورت نہ پڑے، ہونٹ ہلانے تک کی حاجت نہ ہو، تو کیا یہی ہوگی؟ انہیں نہیں تو ضرور میری التجا پر غور کرے گا۔ غور کرے گا اور منظور فرمائے گا!

اے کوفل کے معاملات پر قدرت رکھنے والے۔ چھوٹے سے آبشاری کا درمیان اچھے اچھے طرح معلوم ہے کہ میں اس کجنت جہنمٹ اور پریس پورٹ کو اپنی تحریر و تقریر کی اصلاح وغیرہ کے معاوضہ میں بہت کچھ دیتا ہوں اور ساتھ ہی اس کی علمی قابلیت اور وسیع معلومات پر مجھے پورا بھروسہ بھی ہے، لیکن میں پھر بھی اس کی رٹوانی ہوئی اسچ پڑنے سے ڈرتا ہوں ڈرتا ہوں اور محض اس خیال سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ہسکی سوڈا، کی معمول سے زیادہ مقدار پٹر جا جانے سے وہ کچھ کا کچھ نہ کھجے گا ہوا کیونکہ اس کے الفاظ کچھ ایسے مشکل، اور اس کی عبارت کچھ ایسی پیچیدہ ہوتی ہے کہ مطلب سمجھنا تو درکنار میں اس کو بغیر پوری محنت کے صحیح صحیح طوطے کی طرح۔ دوہرا بھی نہیں سکتا! اے حرف حرف پر کپڑے اور نکتہ نکتہ پر چھوڑ دینے والے، ذی ہمتا نکتہ نواز! کیا اچھا ہو کہ میں تیرے سایہ عاطفت میں رہ کر اس خوفناک شخص سے چھوٹ جاؤں اور کم از کم مجھ میں اس قدر دماغ اور جرات پیدا ہو جائے کہ میں مرحوم لایق، سربرو آدمہ حضرات کی یاد سے اتر جانے والا تقریروں اور تقریروں کے وہ جیسے جو میرے بے مناسب اور بے ہوش رہنے والوں اور بغیر جھکے دقت ضرورت سنلوا کر وہ اس میں سب سے زیادہ اہمیت ان محنت پر بااست ہے کہ مردہ حضرات اس خیانت کا، یہ یوں اور کچھ نہیں کہی چوری کا

منحوس گھڑی سے بچا جب کہ میں۔ ایم۔ سی۔ کہنے کا حق کہو بیٹھنے کی وجہ سے اپنی سرود قد بیوی کے کبھی نہ فرو ہونے والے غصہ اور نفرت کا شکار بنجاؤں!

اس سب کے علاوہ، تو یہ بھی جانتا ہے۔ اور خوب جانتا ہے کہ میں تیرا تلخ فرمان بندہ کبھی کسی معاملہ میں اپنے ملک کی، اپنی قوم کی، اپنے مذہب کی بہتری کا طالب نہیں ہوں! ان تمام باتوں کی بجائے اتنی ہی پرا نہیں جتنی اڑد پر سفید سی۔ اور اسی وجہ سے ترک و اٹلی کے جھگڑے میں یار دس و ایران کے معاملہ میں کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار میں ایک فصل غبت بہتا ہوں! مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آد خوشرفت! میری طرف سے تمام دنیا جنت میں جائے یا جہنم میں مجھے اپنی چمکیلی شان و شوکت سے، اپنی سرود قد مکران بیوی کی خوشنودی سے، اور اپنے نام کے ساتھ۔ ایم۔ سی۔ کہہ۔ لینے سے، کام ہے اور بس! اسے کھٹکی جی کے تیر نظر کے گھائل، اسے مبلغ علیہ اسلام کی چھکار پر جان دینے والے کفایت شہاد مذاق! ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھے کونسل کا ممبر بننے کا فخر عنایت کر اور ابہ الا اباء کمک مجھے اپنی شان ابد نوازی کا مرج قرار دے آیمہ! آئم آئم آئم!!!

سلطان حیدر۔ جوش (علیگ)

محیط لکھنوی کی تصویر جزیب صدق اول ہے امید ہے کہ دلچسپی دیکھی جائیگی۔ انیسویں صدی کے سب سے خوبصورت تصویر کو مدہ باس کے مرقعہ پر علیحدہ شائع کر سکے۔ ۱۳

نالہ جگر سوز

بالِ جسم کے شفا خانہ سے یہ نالہ جگر سوز بلند ہو کر جب میرے کان تک پہنچا ہے تب میرے دل کی حالت تو ناگفتہ بہ لیکن نہیں معلوم کہ اس کے سننے سے سہاناں بندہ کے قلب کی کیا کیفیت ہوگی جس نطووبہ کے حال نے مجھے اس نغم کے کہنے پر جب جو کیا اسکی نہایت ہی مختصر سی روئید اور اک دردناک نظارہ کے عنوان سے روزانہ زمیندار خوشہ ۱۵ اپریل ۱۹۱۲ء میں اپنی اخبار المودۃ ۱۸ فروری چپ چکی ہے۔

میں اپنی اس ستم رسیدہ بن کیطرت سے جملہ اہل اسلام کی خدمت میں متذکرہ بالا نغم کو پیش کرتے ہوئے استہ حاکر تا ہوں کہ وہ اس غریب کے لیے جو ہلالِ احمر کے شفا خانہ میں زیر علاج مری اور نیز طریس کے دوسرے زخمی بہائی مہینوں کی امداد کے لیے جس قدر چنیدہ ممکن ہو سکے فراہم کر کے مقررہ انجمنوں کے ذریعہ جلد بھیجے کی جوشش فرمادیں اور اس موقع پر اپنی اسلامی ہمدردی کا فرائض دل کے ساتھ پورا ثبوت دیں۔

آرٹھل

(بند اول)

کہوں کیا ایک شب جو اضطرابِ دل کلامِ اتنا	بصدِ نشترِ بیزخم جگر دست و گریباں تھا
بجہمِ حسرتِ نغمِ اک طرف میں اک طرف تھا	پریشانی پہ اپنی صودتِ آئینہ حیراں تھا
شریکِ رنج تھا کوئی نہ کوئی ہنشیں میرا	انیس کچھ تنہائی جنوں خانہ ویراں تھا
عجب حسرتِ ہستی تھی مے کلاشاں دل میں	یہاں تھا وہ گہر جو ایک دن شگِ گلستاں تھا

بجائے شہنائیوں کی گیتا تھا ہر دم
سچا دل سے گر کر گوشہ دہن میں نہاں تھا
چراغ آسمان نکل ہو چکا تھا نصیب لیکن
دل افسردہ سو بزمِ شمع بزمِ حرام تھا
سکوت خاموشی کا اس گہری اک طرف عالم تھا
زمانہ پیکر تصویر کی مانند بے جاں تھا
ہر ایک کان میں پہنچی کسی مظلوم کی زاری
جو ہر دم دردناک آواز سے اس طرح نالاں تھا
فغان میں آہ میں فریادیں شیون میں نہ میں
”سناؤں مرنے والے طاقت اگر ہوسنے والے میں“

(بند دوم)

”سناؤں انھیں لمحہ پاس بھی ہو دین گیت کا
خیال آتا ہی تو کون کبھی اپنی حقیقت کا“
”کیا ہے آج کل کیوں ترک آئینِ قادی
سبق دیتا نہیں اسلام کیا عموماً خوت کا“
”زمانہ جاگتا ہے اور تم ہو خوابِ غفلت میں
نہیں ہے کچھ تھیل حاس ہی اپنی مصیبت کا“
”پہلے جاتے ہو آخر کیسے یوں لڑو رستو پر
ہتھیلیاں کیا عموماً راہِ شریعت کا“
”جائے نام اتو ہر زمانے میں سلامی
نہ تھا یہ حال پہلے احمد کربل کی اہمیت کا“
”زمانہ پھر گیا۔ انھیں پرتا نہیں ہم سے تنہی بھی
ہملانا دل سے اپنوں کو نہیں شیوہ مرد کا“
”نہیں شہنائیوں کی زیادہ مظلوموں کی دنیا میں
ابھی کوئی بھی طاقت نہیں میری مصیبت کا“

”نہیں ہوتا ہے کوئی آتشِ حسرت کے درد کا“

”کوئی کیا جانتا ہے دردِ ہم سے دلفکدوں کا“

(بند سوم)

”خوشی کیا خاک ہوگی دلوں کی گیت کے آئینے
جدا ہے غاناں برباد بیل۔ آئینے سے“
”پریشاں ہو گیا دم بہر میں گلہ ستہ جمعیت کا
چہرہ ابا بھکھو میا دستِ گمراہ لے گھرنے سے“
”مے بھائی بن سب زینِ غمِ خرقہ میں تری
نہ کیوں تازہ لہو کی آئے تو میرے فسانے سے“
”میرے ٹوٹے ہوئے بازو کو زخمی کر گیا تھا۔
ابھی تک خون کا فوارہ ہی جاری ہے شہنائی“

کیا بلطالی جلا نے مجھ پر ستم ایسا
 نہ کچھ تعصیر بھی میری نہ کچھ میں نے خطا کی تھی
 ہوئی جاتی سب اب تو دن میں حالتِ بُنوی
 ہمیں کیا حق نہیں حاصل ہو ستم کی کائی میں
 نہ کی جب وقت پر لڑا دیکھیں کام ہو گئے
 کفنِ خواہ گئے جب ہم گذر جائیں شے
 تمھارے میں گرہِ سلام کی کچھ بھی محبت ہو
 مسلمانوں اسلامو! اثرِ ملکِ پنج دہشت ہو

(بند چہارم)

یونین دنیا میں کب تک تم ہو گویا پھر آخر
 نہیں کچھ سود اس کے جبہ حق میں کام آیا
 جہان تک ہو سکے ہمدردی بھجنس لازم ہے
 حسین تشنہ لب کے بلا میں تین فاقوں سے
 میں وہ بھی صفا عصمت کو دیکھ کر کیا آئی تھی
 نہ تھا یا تھی جو یا را شنید اس قصہ غم کا
 کسی مرد کی صورت میں پڑا تھا خاک پر آشد
 کبھی تو ہو گا غلو ہوئی آہوں کا اثر آخر
 تو پھر کس کام آئے گا تمھارا مال و زر۔ آخر
 بشر ہوں اور پھر مولیٰ تبت خیر البشر آخر
 بچالی آبرو سے دین احمد دیکے سر۔ آخر
 مگر دنیا کی گردش نے پہر یا در بدر۔ آخر
 کہوں کیا لوٹ کر ہی رہ گیا میں خاک پر۔ آخر
 نسیم روح پرور لاتی پیغامِ محمد۔ آخر

نولے شیون مرغِ سحر سے شورِ محشر تھا

موتوں کی زباں پر نعرہ اللہ اکبر تھا

آغا غلام حسین۔ آشد

اثبات واجب الوجود۔ باری تعالیٰ کے ثبوت میں وہ لاجز کتاب

جس کے ترجمہ پر پنجاب گورنمنٹ نے قابلِ ترجمہ کو انعام عطا فرمایا

نیچر عصمت۔ نوٹوں کی قیمت (۱۰)

دولت

دولت مومنوع ہے علم اقتصاد کا۔ علم اقتصاد علم ہے اُن قوانین کا جو اُن چیزوں کی تحصیل اور تقسیم اور استعمال کو منضبط کرے جو قیمت رکھتے ہیں اور ضروری یا مرغوب ہوتے ہیں۔ دولت کی تعریف میں اگر قیمت کی قید نہ لگائی جائے۔ فقط یہ کہا جائے کہ دولت وہ اشیاء ہیں جو ضروری یا مرغوب ہیں تو غلطی ہوگی اسی سبب کہ ہو اور آفتاب کی گرمی میں سب صفتیں موجود ہیں۔ ان چیزوں کا فیض عام ہونا اور کسی کے اقتدار میں نہ آنا ان کو قیمت بری کرتا ہے۔ لہذا وہ اس علم کے تحت نہیں ہو سکتے۔

علم اقتصاد کی غرض یہ ہے کہ آدمی کی محنت سے عزوریات اور آرام کے اشیاء زیادہ پیدا ہوں وہ ان مناسبتوں کا اندازہ کرے جس سے یہ دولت مختلف درجہ لوگوں میں منقسم ہے اور ان طرائق کو معلوم کرے جس سے اشیاء زیادہ تر منفعت سے خارج کیے جاویں۔ دولت اس قدر ضروری چیز ہے اور اس کی خواہش ہم کو ایسی بڑی سی بڑی محنت اور مشقت پر آمادہ کرتی ہے کہ اس کا علم سیکھنا ایک لازمی امر ہو گیا ہے اور اس پر غور و فکر کرنا واجب ہے۔ کوئی شخص ایسا نہ ہو گا جس کے لیے یہ کہا جاسکتا ہو کہ یہ علم لاعمل ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض کے لیے وہ زیادہ سود مند ہے اور بعض کے لیے کم مگر سب کو اس سے تعلق ہے۔ ہر قسم و ہر صنف کے اشیاء کی قیمت۔ کاریگر اور ماجر کے منافع زمیندار کا حاصل۔ مزدور کی اجرت۔ محصول کی آمدنی اور ان کے اثر

یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ فقط علم اقتصاد ہی اسکو معلوم اور حل کر سکتا ہے۔

دولت کا حاصل کرنا فقط اس غرض سے نہیں ہے کہ قوت کی تہہ جہیز میں معاون ہو بلکہ بغیر اس کے ہم اپنے روحانی ذوق و شعور کو نہ تربیت دے سکتے ہیں ترقی جہاں دولت جمع نہیں ہوئی پھر جان لوگوں کے دل و مانع فقط جسمانی ضروریات کے پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں ان کی تربیت کا وقت نہیں ملتا۔ ان کے خیالات اور احساسات اور سمجھ کو تاہم خود غرض ہو جاتے ہیں اور خود پست ہوتے۔ دولت آدمی کو اپنی عقل اور سمجھ کے ترقی دینے میں مدد دیتی ہے اور ایک بہت ہی اہم چیز قوم کی تہذیب اور آہستگی کے بڑھانے کی ہے۔ جب تک انسان کو پیٹ کے دھندے سے فرصت نہ ہو وہ ان مشاغل ترقی میں مصروف ہو ہی نہیں سکتا مگر تاہم اس علم کی طرف قدیم زمانہ میں بے پروائی رہی۔

ہر شخص کو اس کا اندازہ ضرور ہے کہ دولت کیا چیز ہے۔ مگر اس لفظ نے قدیم زمانہ میں مختلف معنی پیدا کیے بہت سے اصول بیتس کے گئے اور ان کے مدعی بہت لوگ اوٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک خیال اسی زمانہ میں رائج تھا اور بہت دنوں تک ممالک کی تجارت پر اس کا اثر رہا۔ اسکو کمرنشل ایتھوریٹی کہتے ہیں۔ یہ خیال لوگوں کے دماغ میں بس گیا تھا کہ دولت فقط زر نقد ہے۔ یونان چاندی جو سکہ کی حالت میں نہیں تو سکہ کے واسطے بچا سکتے ہیں اس اصول کے موافق جو چیز کہ ایک ملک میں روپیہ جمع کرنے میں بکار آوے ہو وہ ملک کو دولت مند کرتی ہے اور جو سونے چاندی کو ملک کے باہر کرے وہ غریب کرتی ہے۔ ان اصول پر مال کا باہر بھجوانا اوقیت کا ملک میں آنا بہت ہی اچھا سمجھا گیا اور اسکی ترقی کی کوشش کی گئی۔ اور کسی چیز کا ملک میں داخل ہونا سوائے نقد کے نقصان سمجھا جاتا تھا۔ دنیا کی تجارت اُس زمانہ میں

دوستانہ تجارت نہ تھی بلکہ خرید و فروخت کی دیکھیں کون سا پانچویں زیادہ گھٹتا ہے۔
 عام محاورہ میں دولت زر نقد کو کہتے ہیں۔ ہر شخص کے مال و دولت کا انداز
 نقد ہی میں ہوتا ہے۔ اور زر نقد کو دولت کہنا سچ بھی ہے۔ ایک آدمی کے
 پاس ایک مستند برقم جمع ہو جائے تو بے شک وہ مالدار ہے اور اپنی ضروریات
 کو بہت آسانی سے پورا کر سکتا ہو لیکن اگر سالانہ یہ خیال کرے تو فقط وہ یہی
 روپیہ نظر آئے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ کوئی چیز نہیں ملے گی۔ آخرش یہی ہو گا کہ وہ
 برقم کیسے باہر ہو اور سالانہ ضروری تنگوایا جائے۔ ان وجوہ سے یہ ظاہر ہوا
 کہ نقد ہی فقط دولت نہیں بلکہ وہ اشیاء بھی دولت ہیں جو بنی نوع انسان کے
 کام آسکتے ہیں۔ اور جو قدرت نے بے انتہا پیشانیس کیے ہیں۔ جیسا کہ آگے
 ذکر ہوا کہ ہوا اور آفتاب کی گرمی دولت ہیں نہیں گنی جاسکتی۔ پانی کو بھی قدرتی
 دولت کہنا چاہیے۔ اگرچہ شہروں میں یہ قیمتی ہو جاتا ہے مگر اس مستند وافر ہو
 کہ دولت کے مفہوم میں نہیں آسکتا۔ ہاں بعض حالتیں ہیں کہ جس میں اسکی
 قیمت ہو جاتی ہے۔ مثلاً لوگوں کا آب و ہوا برائے کی غرض سے ملکوں کو
 جانا۔ اس سفر کے اخراجات کو آب و ہوا کی قیمت کہا جاسکتا ہے۔

پھر ایک شخص کی دولت میں اور ایک ملک کی دولت میں بھی فرق ہے
 ایک شخص کیسے وہ سب اشیاء دولت ہیں جو ذاتی قیمت نہ رکھتی ہوں
 مگر دوسروں سے وصول کی قدرت رکھتے ہوں مگر ایک ملک کے لیے وہ چیز
 دولت نہیں جس میں نہایت خود کوئی قیمت نہ ہو۔ فرض کرو کہ ایک کاغذ رس
 کہ وہ اس شخص کے لیے ایک ذریعہ آمدنی ہے مگر ملک کے لیے وہ دولت نہیں
 غرض اسی طرح کے اور ہند ہذا افراد کے لیے دولت ہیں مگر ملک کے لیے نہیں۔
 ایک سوال ہے کہ کیا آدمی کے ہنر کو بھی دولت کہہ سکتے ہیں۔ تجارتی

معلومات اور خبر دوست کاری کو ہمیشہ مادی اشیاء کی پیدائش سے تعلق رہا ہے۔ ایک کاریگر کا ہر فقط اس وقت دولت کہا جاسکتا ہے جب وہ دوسری مادی دولت پیدا کرنے میں معین ہوتا ہے۔ اور کوئی اور صفات جو اس میں ظاہر اسود مند نہ ہوں وہ کبھی اس طرح موسوم نہیں کیئے جاتے۔ نہ من کہ یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ اس علم میں دولت کے مراد فقط وہی ہے جو مادی ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ ایک روٹی دولت ہے تو علی گھانا سے وہ بالکل صحیح اور جائز ہے گو محاورہ میں تسخر معلوم ہو۔ ایسا ہی ہوتا ہے کہ یک شے ان صفات سے متصف ہو جو انسانی ضروریات کو پورا کرتی ہیں مگر انسان ان سے ناواقف ہے یا ناقابل ہونے کی وجہ سے غور نہیں کر سکتا مثلاً آلو کو دہ توں بیکار سمجھا کیئے۔ آتش کی قوت کا پتہ نہ لگاتا۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز شاید کار آمد ہو اور دولت کے بڑھانے کے قابل ہو۔ مگر ہم اس سے ناواقف ہوں۔ برعکس اس کے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو دراصل ہماری ضروریات کو پورا نہیں کر سکتیں مگر ہماری سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ وہ کام کی ہیں سیکڑوں برس تک لوگ چھوٹے ترکات کو معینہ اور بیش بہا سمجھا کیئے کتنی ہی مدنی اور ہشتہاری میں ہیں جن کی قیمتیں بہت گراں ہیں مگر اثر مشکوک۔ اسی طرح کہنے کیڑے اور تصادیر اور پرانے سکے ہیں کہ اب ہی کیلکا میلان ان کے جمع کرنے کی طرف ہو جائے تو وہ قیمتی ہو جائیں۔ شراب کو دنیا بڑا کہتی ہے اور حکیم طبیب تو بے حد مگر توں آئیں کوئی نہ کوئی فائدہ دیکھتے ہیں اور دولت سمجھتے ہیں۔

میر عالم علی سینیرلی۔ اسے کلاس۔

غزل

خفاطت زخم دل کی یوں تے ناشاد کرتے ہیں
 ادا رسم غزلے کشتہ بیدا کرتے ہیں۔
 ہجوم غم سے خالی ہم دل نشاد کرتے ہیں
 امید و غلو لایا خاک میں ہیں ناامیدی نے
 بیان گرمی ہنگامہ بیدار شکل ہے
 شہادت پر پڑ چھوٹا سب زخموں کے منہ کا
 پر پرواز شے میں ہمارسی خاک کو گویا
 ہجوم یاس تگبر کے لب پر جان آئی ہے
 حسینوں سے خواہش ہائے لغت کی توقع کیا
 نفس کی آمد شد سے یہ طلب جو کہ حسرت کو
 تمدن قبل اصلاح جو دنیاے لغت کا
 لگا رہتا ہے کشتہ ظلم نازہ کا اسیروں کو
 نظر آئی ہیں اتناک میسوں پر خون کی چھینٹیں
 ہزاروں ملک سے پھینچیں دل زخمی کی تصویر
 خدا جانے منجھ کیا ہوا اس طوار حسرت کا
 عجب اعجاز رکھتی ہے یہ دنیاے تصویر بھی
 دل پر آرزو کو تم کر دیراں تو تم جب نہ

جگر پر ہاتھ رکھتے ہیں جب فریاد کرتے ہیں
 لہو پھٹتے ہیں یوں ماتم مرا جلا کرتے ہیں
 ذرا تسکین ہو جاتی ہے جب فریاد کرتے ہیں
 کہ اک گور غریباں ل میں ہم آباد کرتے ہیں
 کہ ہر نفس جلتا ہے جب فریاد کرتے ہیں
 یہ آپس میں ادا رسم مبارک باد کرتے ہیں
 خدا رکھے سلامت ان کو جو برا کرتے ہیں
 نکل جائے کہ ٹھہرے آپ کیا ایشاد کرتے ہیں
 کرم کرتے ہیں ظالم اگر سب دادر کرتے ہیں
 کبھی ہم قید کرتے ہیں کبھی آزاد کرتے ہیں
 وفاؤں کے طریقہ دوزخ میں ایجاد کرتے ہیں
 نفس سے دیکھتے ہیں کیا عیاد کرتے ہیں
 یہ جو ہر ہیں جزو کرتیشہ فریاد کرتے ہیں
 سرشک خوں ہی کا رمانی و ہزاد کرتے ہیں
 وہ خط لکھا ہے جس کے حرف تک فریاد کرتے ہیں
 وہ لوگ انہوں میں ہر جانتے ہیں جکویاد کرتے ہیں
 ہمارا کام ہے اتنا کہ ہم آباد کرتے ہیں

نظر حد سے سوا ہر اب ذیت قید ہستی کی
 کوئی نہیں بیٹھنے بھٹانے تن فریاد کرتے ہیں

دو آسمانی مسافر

۲۵ ربیع الثانی ۱۱۹۱ھ کا چند گزہن جس نے تمام یورپ میں مسیح صادق کے قوت ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا اپنی نوعیت کے اعتبار سے یقیناً بمثل تھا جو پردہ دنیا پر ایک بلا کے ناکہ بنی کی صورت میں ظاہر ہوا قریب آگیا تھا وہ وقت کہ شجاع مشرق اپنے نازک خنجر سے دامن شب اٹا ناٹا چاک کر دے نسیم اٹھلا اٹھلا کر شردہ صبح لاہری تھی شمع کا فوری جھللا جھللا کر صہب کو انواع کر چکی تھی اور وہ گل نوشگفتہ جوارت کے ابتدائی حصہ میں حسن عروس کی زریب وزینت کو دود بالا کر رہے تھے شب وصل کے فراق کا پیغام پوچھا چکے تھے کہ پور غاشی کا چاند گنا مشرق ہو اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین آسمان تیرہ و تار ہو گئے نہ معلوم برج عقرب کب کا منہ کھولے بیٹھا تھا کہ پلکتے ہی شربت کے گہونٹ کی طرح نکل گیا اور کوہ الپیا کے درجن میں جس پر چادر مہتاب آب و تاب سے چھیلی ہوئی تھی اندھیر چھا گیا کچھ ایسا سناٹا ہوا کہ بلبل بیار جو بیک لبک کر صبح کا استقبال کر رہی تھی اشیانہ میں جاوکی زمین و جہر گرجن فرد تہی گر چاند کی بے بسی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی آسمان یگینہ تنہا نہ تھا مگر عقرب کے مظالم کی تاب نہ لاسکا۔

توڑے ٹہنڈے سانس بہہ رہے ہوں بساطِ فلک پر ٹپ ٹپ کر رہا کروں
توڑے تپتے کہ قمرِ مظلوم نے پٹا کھایا عقرب کے اس سینہ کو جو نو لادے
زیادہ سخت تھا ہلالی ناخونو چیرتا ہوا ہنرِ کلکارب تھا کہ نظامِ عالم فتح
و نصرت کا سہرا قمرِ جہاں دہم کے سر باندھ دے کہ اقبالِ سیہ رویج عقرب

کی حمایت میں نقصانے مشرق کے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بلند ہوا۔ اور دل کا پردہ ڈال کر ڈروں دل پر مردہ کر دیے۔

آفتاب در فحائے آفتاب کے علاوہ جن کے جاہ و جلال کا سکہ ہر جہاں طرف بیٹھا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بے شمار ستارے چاند کے ساتھ بائیں لڑائے ہوئے تھے اور منتظر تھے اسوقت کے کہ مہتاب کو اسی چمک دمک سے اپنے تخت پر جلوہ گر دیکھیں۔

(۲)

ان کے دو بیٹے ہوں گے کہ دائر لیس بلیگرانی کے انچارج سپرنٹنڈنٹ نے صیغہ خارجہ کے وزیر کا یہ اعلان شہر کیا۔ حدود قمری پر برج عقرب کا حملہ کو تعجب انگیز وضع کہ خیر سب کچھ ہوتا لیکن اس مہیضات کے مدعی آفتاب نے جس ہٹ دھرمی سے دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکی ہے اس نے یقین دلا دیا کہ سہرات آفتاب کے بل پر پوسنے والی تمام طاقتیں متفقہ کوشش کر رہی ہیں کہ قسطنطنیہ کے انتظام کو مٹ دیں اور رات کا سایہ عافیت جو بقا جہانستانی کے واسطے لازم ہے منہ ہستی سے ناپید کریں وہ فتنہ قدرت کے اس سلسلہ سے بالکل بچ رہیں کہ جب تک انکا وجود دنیا میں ہے ہمارے شہنشاہ مغول کی آب و تاب دن و رات چو گنی ترقی کرتی رہے گی ہمیں اس بات کا اعتراف کرنے میں تاہل نہیں کہ آفتاب اپنی لگاتار کوششوں تحقیقوں اور تجربوں سے انسانی دنیا کے دل سحر کر چکا ہے وہ ہر قسم کے آلات حرب کے تسلیم ہے دنیا کے بڑے حصے کی ہمدردی اس کے ساتھ ہے لیکن اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہی کھیتیاں جو اس کی غارتگی چمک کر تیار ہوئیں اگر انصاف سے کام لیں گی تو پتہ چلے گا کہ اس کے ان افعال پر منت بھیجیں گی۔ گو ہمارے عفت مد حکومتیہ کہنے کی اجازت

نہیں دیتے کہ روز روشن میں ہماری طاقت نہ صرف کمزور ہو بلکہ بالکل صفر پر
لیکن ہم اس بات کے متنی ضرور ہیں کہ کاش شب ماہ میں ہماری ٹیٹ بھینٹ
اقلیم آفتاب کے مشہ زد تاجداروں سے ہو جائے۔

چونکہ ہمارے سلطان قمر اول خلد اللہ ملکہ عقرب کے کینہ علی سے
ہر طرح محفوظ رہے اس خوشی میں آج رات کو لائٹ پارک میں ایک جلسہ
اس غرض سے منعقد ہو گا کہ تمام خیر خواہان مملکت قمری اس من عائد پر غور
خوض کریں ممالک آفتابی کے تمام سفر خصوصیت سے اس جلسہ میں
مدعو کیئے گئے ہیں۔

(۳)

سچ سلطان کو چوڑ کر جس نے تاج برطانیہ کی طرح کارزار طرابلس میں
انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا تمام آفتابی طاقتیں یورپ کی طرح عقرب کے
ساتھ تھیں انکو یقین تھا کہ عقرب کے صرف حملہ کی دیر ہے ممالک قمری کا
یہ حصہ جو سوے مانار تو کیس کے نام سے مشہور ہے یقیناً شعاعی
طاقتوں کے زیرِ نگین ہو گا یہ ہی وجہ تھی کہ گرجن کے وقت جب عقرب نے توپیں
پر حملہ کیا قمر اول نے ہر چند کوششیں کیں چاروں طرف نگاہ دوڑائی، مگر
محنت تو درکنار کسی نے بات تک نہ پوچھی کینہ دوزر عقرب کی ہینکاروں نے
توپیں کے سپاڑ پر زہ پر زہ کیئے زمین تاخت و تاراج کی مگر آفتاب
سیہ کار کے کان پر جوں نہ پھی اس بے ایمانی کا یقینی نتیجہ یہ تھا کہ خود ملک
آفتابی کی عزت اپنے تاجدار و پیر نصرت برسانے لگی اور واقعات باوازیہ
پکار دیا کہ بے ایمانوں کا وجود تحت الشرف ہی میں نہیں بہت جگہ

+ موجود ہے +

(۴)

کراؤنٹ بلڈنگ جولاؤٹ پارک کا قابلِ ملاحظہ تھا نہایت تزک و ہشام ہے
آہستہ کیا گیا۔ مگر موسم زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے یہ اوپن ایر تنگ ایسی جگہ منعقد
ہوئی جہاں سے اطراف و جانب کی بہا اچھی طرح نظر آ سکے۔ آفتاب کے غروب
ہوتے ہی پیٹ فارم ستاروں سے بھرا ہوا تھا جو اپنی زرق برق ڈیس میں
جگمگا رہے تھے دس بجے کے قریب لارڈسٹار ٹیٹراؤٹ دیا کا داخلہ ہوا
جس پر قطبی ستاروں کے چار ڈاؤن انز نے سلامی دی۔ ٹھیک آدھی رات کے
وقت سوتامنس رجاگتا پر دروگارا آدھی رات ادرہ اور آدھی رات اُدھر
ہر جوتی کاہستہ کی تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہوا۔

ریچ کی تحریک اور نہ برہ کی تائید سے جمیں تمام اوڈونیس کی التجا شامل
تھی ہر جوتی نے کرسی سدایت کو رونق بخشی اور چاروں اطراف سے گڑبڑ
کون کے نعرے بلند ہوئے۔

لارڈسٹار کی ٹیٹراؤٹ پیچ اور اس کے بعد جو مختلف تقریریں ہوئیں
ان کا اعادہ فضول سمجھ کر ہم صرف ہر جوتی کی پیچ نقل کرتے ہیں۔
شائنگ سٹارز اینڈ سفیرز:-

جس محبت و خلوص سے آپ صاحبان نے میرا خیر مقدم کیا میں اسکو
دیکھ کر بے حد خوش ہوئی میں ضرور آپ کا یہ محبت آمیز پیغام شہنشاہِ معظم کی
خدمت میں پہنچا دوں گی۔

گرہن پر آپ صاحبان کا اس قدر اضطراب اس خیال سے کہ وہ فادری
کا کافی ثبوت ہے۔ ہمارے دلی شکریہ کا مستحق ہے مگر یہ کیفیت جس نے
آپ کو اس قدر پریشان کیا محض ایک عکس ہے ان واقعات کا جو آج کل

انسانی دنیا پر گزر رہے ہیں ہم کو اپنے معاملات کا مطلق اندیشہ نہیں۔ نظام عالم ہمارے بقا و قیام کا ذمہ دار ہے۔ ہمیں اگر کوئی گزند پہنچ سکتا ہے تو اس وقت جب تمام آفتابی سلطنتیں کسی یکسی مرض میں گرفتار ہو جائیں لیکن انہوں کے قابل وہ اہل واقعات میں جن کے عکس نے آپ کے دل و حلا دیئے آپ صاحبان کو اپنے انکار و فراموش سے اتنا وقت پر شکل سکتا ہو گا کہ آپ انسانی دنیا کا کبھی مطالعہ کریں یہ کسی عمدہ و قطعہ زمین کی کثرت مطالعہ فرمائیں لیکن آج ہی اس کے سنا میں جب سلطان دنیا کا بڑا حصہ نرم نرم بستروں پر آرام کرتا ہے میں آج کل ان حالات کو دیکھتی ہوں جن کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور مجھے میرے آپ کو آپ لوگ ہی ان جگر خورش واقعات کو سن کر اپنی پتا بول جائیں گے یہ سب سب طرابلس غریب جو آپ کی آنکھ کے سامنے ہے اس پر نظر ڈالئے اور ان غریب فدا یان وطن کو دیکھئے جو جنگلوں میں بڑے اپنے وطن کی حفاظت کر رہے ہیں نومینہ کا عرصہ گزرا کہ بے امان اٹالیہ نے عیسائی طاقتوں کی متفقہ صلاح و مشورہ سے ان بد نصیبوں پر حملہ کیا اور اپنا رعب بٹھانے کے واسطے سینا ڈوں اور ہزاروں مظلوم اور معصوم بچہ اور بوڑھے عورتیں اور مردے تیغ کر دیئے۔

سرزمین طرابلس کا ہر فردہ اور طرابلس پر چایا ہوا آسمان قیامت تک خون کے آنسو روئینگا ان معصوموں پر جو اٹالیہ کے ظالم ہاتھوں نے، کی گود سے جدا کر دیئے اور غمگینان میں ان کی لاشیں بے گور و کفن سڑتی رہیں۔

یہ انسان جڑ تہذیب و تمدن کا مدعی اشرف المخلوقات ہونے کا مستحق ہے اپنے کانوں سے ان بے بسوں اور بے کسوں کی گریہ و زاری سننا نہ چاہو اس کا دل نہ پیچا۔ طاقتور مہذبوں نے بگناہ کرداروں کے آہ و نالے سننے ذبح ہوتے ہوئے دیکھا اور کان پر جوں نہ چلی۔

ایک رات کا ذکر ہے دو بچہ چکے تھے ابرغلیظ آسمان پر چھایا ہوا تھا۔
سمندر کے اس کنارہ پر جہاں کو سولہاں کا گز نہ تھا حسن کی ایک مجسم
تصویر جس کے دونوں رخسار و پیر شباب کی مسکراہٹ کھیل رہی تھی مجھ کو
نظر آئی۔ بحرِ خارا اس کے سامنے ہوا سمندر کے لہروں سے اٹکیلیاں کر رہی
اور نہیوں کے دشت تاباں بجیا کر اسکا خیر مقدم کر رہے تھے۔

رات اندھیری او۔ ڈراؤنی تھی موسم ٹھنڈا اور قیامت خیز ہوا پانی میں ڈوبی
اور خشک مگر یہ ماہ کنگان حیران و پریشان ساکت کٹری تھی اسکی صورت ظاہری ثبوت
تھی اس فراقِ ابدی کا جس کے ظالم تیز ناچہ بہ کارول کے پار ہو رہے تھے۔
عشق اس کے سر پھیل رہا تھا اور محبت دل مجروح کو قوتِ تخیل پر پوشش کر کر
کے پھلی کی طرح تڑپا رہی تھی شیر بھڑبھڑے یاروں طرٹ دھڑتے پہرتے تھے
اور طراپس کے مشہور بچپنوں کا غول کا غول اس کے پاس سے ساتیں ساتیں
کر کے نکل جاتا تھا آخر گوشِ ادب و ہر ادب چھل رہے تھے مگر کوئی چیز سرزمین
طراپس پر ایسی نہ تھی کہ اس کے تمنیلات کی رو کو روک دے۔

یہ چلا پھر سرسبز ہو نکلتا کہ یہ معصوم طراپس کے دامن کوہ کی طرف چلی سمندر کی
لہریں اس کے حسنِ خداداد پر درو و ڈیرہ رہی تھیں ہوا کے جھونکے جھک جھک کر
اس کے پاؤں چوم رہے تھے اور درختوں کے پتے سرسرا سرسرا کر اس کو
الوداع کہہ رہے تھے۔

(۵)

شب آخر کے سنانِ وقت میں ابرکے غلیظ ٹکڑے جھڑیوں اور لوہوں کو سنبھ
چمٹنے اور آدھر پھر رہے تھے کہ پانی کا ایک چھوٹا سا قطرہ آغوشِ پدری
جدا ہو کر زمین کی طرف چلا بادل کے ٹکڑے ۲۸ اکتوبر کا وہ غورنیز واقعہ دیکھ

یکے تھے جس میں سید و جنرل کینوا نے ننھے ننھے معصوم ماؤں کے کلیجوں
چھین کر سنگینوں کی نوک پر بولے تھے ان بچوں کی گریہ و زاری اور ماتا
کی ماریوں کے بین جس نے تمام روئے زمین پہ نکلکھ چکا یا یورپ کی دیواروں کے
ملکوں کو لکھ کر واپس لے کر صاحبِ زولاء یورپ پہ اپنے بچوں کو گود میں لے کر
ان بکلیوں کے فوج ہونے کا تماشہ دیکھا اس سے اس قطرہ کا سبزین طرابس
پر پونپنا اس سیدہ شہداء کو جس نے مہینوں اس سے سے قطرہ کو چیت میں
رکھ کر خون جگر سے سیخا گوارا نہ ہوا مرنے سے دماغ میں سیر کا سہوا سما چکا
تھا۔ ما اب کی منت سماجت پیش نہ گئی اور یہ قطرہ نصائے عالم میں اڑتا زمین بھر
چلا ایک ننھی سی بوند جو مہینوں اس کے ساتھ ہی تھی اپنے مدتوں کے
رفیق کا ساتھ نہ چھوڑ سکی اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی روانہ ہوئی۔
چھوٹا سا قطرہ اور ننھی سی بوند دونوں بہائی جن کے سر پر ہوائے جھکڑوں
کے سوا اب کوئی والی وارث نہ تھا اس قیامت خیز رات میں جس نے اچھے
اچھے مردوں کے کلیجہ دھلا دیئے تھے ذوق و شوق سے اپنا غرط
کر رہے تھے۔ ماوالی ان سے وطن بچن والی گود اور بالک ہٹ بندر گول کا ساتھ
چھٹا چلی تھی ہوا اپنے ہنگور سے میں ان ننھی سی جانوں کو جو شکے دے دیکر
جھلا رہی تھی زمین نے اپنی کشش شروع کی اور وہ معصوم جھلتے چلاتے اسی
دہن کو دیں پونپنے جہاں محبت و مصیبت کی تصویر گزری ہوئی راتیں اور بیٹے
ہوئے دن یاد کر رہی تھی۔

زمین اپنے ننھے ننھے معانوں کی مددلات میں کمی نہ کر رہی تھی اور گوبو
نے اپنے فرائض نہایت توجہ سے پورے کئے تھے کی محبت سبھی نگاہیں
میسر نہ سکیں۔ ادھر زمین منہ کو بے میٹھی تھی تو ادھر صد آنکھیں ہوا پائے

تک ہی تھی یہاں ہوا چاروں طرف سے اور چھاتی پھر رہی تھی تو وہاں سمندر زور شور سے بتا چلا جا رہا تھا ابرسیہ کی معصوم جانیں عجب کشمکش میں تھیں ہر لمحہ دھکن دور اور پردیس سے قریب کر رہا تھا۔ ہوا کے فراٹوں نے نازک جمبو پیر جہاں ڈال دیں اور حالتیں میں ان دونوں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا مگر بے سہو تھا۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑے مگر اب ان آنسوؤں کو پونچھنے والا کون تھا آخر وہ وقت آیا ہوا کہ دونوں آسمانی مسافروں پر داخل ہوں ماکہوا چکوا یاد کر کے دونوں نے ایک دوسرے کے گلے میں بائیں ڈال دیں اور طر اس کی اس دیوی کی نازک پیشانی کو بوسہ دیا +

کئی گھنٹوں کے مسلسل اتھرائی کو بوسہ حرکت دی خاتون بے نصیب نے ایک ٹھنڈا سانس بہا اور ان آسمانی مسافروں کو پیشانی سے اتار کر ہاتھ پر لیا ان کی صورت دیکھتے ہی جیسے بچپن اور غریب الوطنی برس رہی تھی اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔

دونوں بہائی جو یہ سمجھتے تھے کہ آغوشِ مادر کی بولہائی دینا اس ذرہ سے آئے گی خاتون کی یہ حالت دیکھ کر چونک اٹھے مگر جب یہ دیکھا کہ ان کے ہجمنس ان ہی کے ہم عمر اس خاتون کی آنکھ سے بھی پیدا ہو رہے ہیں تو ان کی ہمدردی اور زیادہ بڑھ گئی۔ خاتون کی محبت بھری نظریں و دونوں بھائیوں پر گڑی ہوئی تھیں غور و تعمق کی نظر سے وہ تھوڑی دیر ان کو دیکھتی رہی اور پھر اس طرح کہنے لگی،

معصوم پریسیو! کس باغ کے پھول اور کس ماں کے لال ہو؟ کہ اس اندھیری گپ رات میں ماکہوا چکوا چوڑ چوڑ جنگل جنگل کی خاک چھان رہے ہو خدا ماکہوا کی اور مست کا رخ کر دو اور اس سرزمین سے نکلو جہاں خونخوار بھرتی

چادروں طرقت منڈ لارہے ہیں اور جن کی بیداری نے مجھ کو غمخوار طواصیل بنادیا
کامل تین رات سے میں اپنی اس جھونپڑی کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں جس کی
اینٹ سے اینٹ بیچ گئی اور اب اس کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔

بچوں! تم ایک خاتماں برباد ہوئی، اور ایک ناشادہ کے ہمان ہو کر میرے
کلیجہ سے لگ جاؤ کہ ظالم کو دیکھ نہ سکیں، پیارے ہمانو، بہو کے پیارے
معصوم، میری چھاتی منہ میں لو، دودن کار کا ہوا، دودہ اتر آئے گا، تم ہی جیسا
لال پر سوں اس سرزمین پر میرے کلیجہ سے چٹوٹا ہے، مجھ دھیکاری کو
اپنی ماسچھو، گو مسلمان نہیں ہو، مگر صاحب اولاد کی گود میں ہو، اس گود
مالی گود، جانو! او پیار دلہٹ جاؤ اور پیٹ بھر لو، متہ اتر قاقوں اور پے در پے
صدقات نے مروہ بنادیا اور آن پوچھا ہے وہ وقت کہ جس بغیب کو ماسچھو
آئے ہو وہ تم جیسے پیارے معصوموں کو اس بیابان میں تنہا چھوڑ کر
ختم ہو جائے، بچوں! خدا! تھاری عمر دراز کرے، زندہ رہو خوش ہو
بیچ گئے تو شمال مشرق کے تختوں میں جاناہڑوں کلہ گولہ ان ایسے
دیکھو گے جو مجھ سے بدتر حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، جی سچو تو
میرا یہ پیغام جاں جاں جاؤ پوچھتے جانا۔

طرابلسی مسلمان مسلمانوں کے محتاج ہیں
خاتون کے الفاظ میں تک پوچھتے تھے کہ دیتوں کے رخت پر سے
جو سر پر تھا بیل خوش الحان چلا کر اڑی اور یہ کہتی ہوئی علی
لے طرابلسی دہن پاڑ میں چپ جا۔ قزاق سریر آپو پچھا، بیل

بیشکل تام چند گز پونچھی ہوگی کہ ایک ایٹالو میسلح جوان اس کے سر پر تھا سب
صبح کا سناؤ وقت ظالم نشر جوانی میں چر رہی تھی یہاں ہی دلو ان بویگا اور

معاوضہ مضامین

پچھلے چار سپریم نے تمدن کی تقطیع اور فصاحت میں اضافہ کی تجویز
نہلین تمدن کے سامنے اس شرط پر پیش کی تھی کہ وہ توسیع فصاحت
میں حصہ لیں اور اگر تمام حسیہ دار نہیں تو کم از کم وہی حضرات جو باسانی
ایک ایک دود و خریدار تسلیم کر سکتے ہیں ہمارے سرسہ کار و نمانہ تیری کے
بند و پس کر دیں اس تجویز کا نتیجہ کیا ہوا اس کا ذکر فضول بنے البتہ وہ کم فرما
جو ہمیشہ ہی تمدن کی اشاعت میں امانت کر رہے ہیں اس موقع پر بھی غافل
نہ ہوئے اور ہم ان کے اس خلوص کا شکریہ ادا کرنے کے بعد انکو یقین
دلاتے ہیں کہ وہ انشاء اللہ جلد اپنے پرچہ کی تقطیع اور فصاحت میں اضافہ
دیکھیں گے +

ہم اہل قلم حضرات کا جنھوں نے سال گذشتہ میں ہمارا ماتہ بٹایا۔
آج پر شکریہ ادا کرتے ہیں اور گو تمدن کی مالی حالت اس قابل نہ ہو لیکن
اب ہماری رائے میں تمدن کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ محض حرمت اور
خوشامد سے مضمون حاصل کرے قابل نامہ نگار داغ سوزی سے محنت سے
تحقیق سے تکلیفیں اٹھا کر مضمون لکھیں اور تمدن اس کا معاوضہ لفظ شکریہ
سے ادا کر دے۔ اس لیے ہم اس پرچہ کو یہ اعلان کرتے ہیں کہ آئندہ پانچ روپیہ
سے چند روپیہ تک کا ایک دو یا تین (معاوضہ نذرانہ، شکریہ، اہل قلم
حضرت کی خدمت میں پیش کریں گے۔ جو کمیٹی اس امر کا فیصلہ کرے گی
کہ اس پرچہ میں کون سا مضمون کس معاوضہ کا مستحق ہے۔ اس کے ممبر

حضرات ذیل ہیں:-

ڈاکٹر مسٹر مفتی محمد شرف الحق صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔

پروفیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم۔ اے۔

مولوی سید اشرف حسین صاحب۔

پروفیسر مشتاق احمد صاحب زاہدی۔ بی۔ اے۔

ایڈیٹر۔

نامہ نگار حضرات سے اتنا سہ ہے کہ وہ براہ کرم مضمون کے ساتھ ہی یہی تحریر فرمادیں کہ وہ اپنے مضمون کا معاوضہ پسند کرتے ہیں یا نہیں کیونکہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مولوی ایسے مضمون (مواضع) چند حضرات کے تمدن جن کا اپنا پرچہ سب سے ادرج نہ کریں جس کا معاوضہ نہ دیا گیا ہو اور امید ہے کہ انشاء اللہ آپ نے اس اصول پر جلد کاربند ہوں گے۔

لغات جلدیدہ۔ مولوی سید یحییٰ صاحب ماڈرن

ملک پر وفیسر دارالعلوم نے اس کتاب میں تقریباً ان چار ہزار عربی الفاظ کی تشریح فرمائی ہے جو آجکل عربی میں مستعمل ہیں۔

علاوہ عربی خواں طلباء کے استفادہ کے یہ کتاب خصوصیت سے

ان حضرات کے واسطے مفید ہوگی جو عربی جرائد کے مطالعہ کا شوق

رکھتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ مولانا نے موصوف کی یہ محنت ملک

دعوم میں وقعت سے دیکھی جائیگی قیمت عدم

مولانا صاحب نے زندہ لکھنؤ کے پتہ سے مل سکتی ہے

وصل حبیب

ناول نہیں دیکھنے والوں کی ہے تصور
رنگ اس میں کسی شوخ طبیعت کا بہرہ ہے

یہ اخلاقی اور پیمانہ دل شدہ حبیب حسن صاحب وکیل درجہ اول عدالتہائے ریاست بہوپال کی تازہ تصنیف
ہو اس میں عشق کی سچی تصویریں نہایت خوبی سے دکھائی گئی ہیں۔ اور از دنیا کے ہو ہو نوٹوں کا لکھا
سکے گئے ہیں۔ ناظرین۔ اگر پاکبازانہ عشق کی غیر متوقع کامیابی دیکھنا مقصود ہو تو اس کی زیادت
کو ویرانہ منبسط و محل کی تاثیر اور قوت دیکھنے کی لکنا ہو تو اس کو دیکھو۔ پڑھو تعلیم نسوں کی محتاج کو
خاطر ہو تو اس کو مطالعہ کرو۔ عقیدہ بیگانہ کے متعلق دیکھو۔ اور زن بیوہ کمین اگرچہ عورت
کی اصل تعبیر دریافت کرنا چاہو۔ تو اس کو مشاہدہ کرو۔ طوائف کی فطرتی سرشت کو دربار کا
بد انجام۔ دیکھنا ہو۔ تو اس کو پڑھو دوستی کے فرائض اگر معلوم کرنا ہو تو اس پر نگاہ ڈالو۔ ضلع آ
کے سی سالہ بند و بست منقذہ ۱۹۰۷ء کے تاریخی واقعات کی جستجو ہو۔ تو اس کی سیر کرو۔
زبان کی نفاست۔ بیان کی سلاست۔ ترکیب کی سورتی عبارت کی چستی۔ فقرات کی رنگینی۔
مکالمہ کی شوخی علم کی حفاظت۔ تہذیب کی روک تھام۔ تمناؤں کا مجموعہ حسرتوں کا
اثر دھام۔ قابل دید ہے صنعت کمال یہ ہے کہ درود کو غفلتوں میں بہر دیا ہے
اسکی خوبی کا اندازہ کہنے سننے کے متعلق نہیں۔ دیکھنے اور سمجھنے کے لائق۔ لکھائی چسپائی
کا خد اعلیٰ درجہ حجم ۳۲۰ صفحہ بایں ہمہ بخیال اشاعت قیمت ہر دو حصہ صرف
ایک روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصول ڈاک۔ رعایتی قیمت ہر علاوہ محصول ڈاک
المشتہر۔ مہتمم کتب خانہ حبیبیہ۔ ڈاک خانہ گوہر گنج ریاست بہوپال

ڈاکٹر برمن کی نباتی ہولی مشہور دوائیں

ستائیس برس کے سائے ہندوستان میں استعمال میں آ رہی ہیں

(۱) دماغ نے زور سے اچھلتا ہوا اس داکے دو ایک ہی ڈاک پیسے کی وجہ سے جاتا ہے۔

(۲) نیا ہوا اور اس داکے استعمال کیا جائے تو دماغ سے جاتا ہے۔

(۳) پورے دماغ والے یا جن کا دماغ کا ساتھی ہو گیا ہو وہ بھی اس دوائے بہت صحت پر مبنی

دماغ کی دوا داکے محصول ایک شیشی تک ہر آن قیمت ایک شیشی ایک پیسہ چار آنہ (پچھ)

ڈاکٹر میں طاقت دینے والی دوا میں شہر دوا میں۔ (خافو) مقوی لیاں اسٹکینا اور ڈینا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں مغز پر ڈاک۔ ماسک اور

خون کو طاقت دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پید ہونے معمولی کمزوری ہول دل

یا دہولنا۔ ہاتھ پیر کا پنا۔ لغوہ۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہونے میں ہونے کی خوراک

تین گولیوں کی شیشی قیمت ایک پیسہ داکے محصول ایک شیشی تک پانچ آنہ ۵

امراض مستور کی دوا ہر ایک قسم کے مستورات کی دوا ہر قسم کا رحم کی

امراض مستور کی دوا بیماری پرور روگ حل کی کمزوری پٹ جانگ میں دو غیرہ

کوٹا کر اس داکے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہونے جسم قوی ہوتا ہے ایک دفعہ

اس داکے ہی آزمائش کیجئے قیمت ایک شیشی ایک پیسہ (پچھ) ۱۶۔ خوراک داکے محصول ۲

ان دواؤں کی مفصل حالت سہ ٹیفیکٹوں کی پوری کتاب با قیمت مٹی ہے منگا کر پڑھو

ڈاکٹر اے کے برمن

بندہ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایڈٹ آغا منصب علی کشمیری دروازہ دہلی میں ہیں

فریش کے ساتھ رسالہ کا حوالہ ضرور دینا

جلد ہفتم سنی ۱۹۱۲ء مجلد

معاشرتی تمدنی - ادبی - فلسفی - اخلاقی - تاریخی - اور علمی مضامین کا
مجموعہ

ایڈیٹر - محمد عبید اللہ رشید انجیری شیخ محمد اکرام
- بھرست مضامین :-

تسیر - خدیوای عسبر	علم الحركات اور سلطان مولوی محمد رفیع الدین صاحب دہلی
۱ علم مغفور ستارہ دوم - رشید انجیری -	۱ لڑلو - مولوی میرزا امجدی خاں صاحب کوکب ۴۲
۲ اپنا ترانہ - مولانا کمال غازی پیلو اردی -	۲ بکنت خفتہ - مولوی میرزا امجدی صاحب عزیز بکری ۵۱
۳ عارف - سلطان حیدر صاحب جوش دہلی -	۳ بکین - سید شاکت صاحب دہلی - ۵۱
۴ عارف ستم - مولوی نیاز محمد خان صاحب نیاز فتح پوری	۴ شکوہ بکنت - حضرت انور صاحب - ۶۱
۵ بیل اور توبہ - مولوی جواد علی خان صاحب عالی - ۲۴	۵ ہست - ایت احمد صاحب ۶۴
۶ میری تبر اور تم - مفتی محمد مجید الحسن صاحب دہلی	۶ گور غریبان کی سیر - حضرت امین ازہری - ۶۶
۷ موجودہ صدی کے ایک مسلمان کا نقش - مولوی محمد سلیمان صاحب دہلی	۷ فراق - میری امجدی علی صاحب شہید - ۶۸
۸ علم اقتصاد و باوجود تہذیب - محمد نصیر الحق صاحب توشی ۳۲	۸ غزلین - ز - خ - ش صاحبہ عزیز صاحب - ۶۱
۹ عالم افغان لیکچر - سید عزیز علی - محمد درویش - ۳۶	۹ غزلین - ز - خ - ش صاحبہ عزیز صاحب - ۶۱

بہار عالم محمد عبید اللہ رشید انجیری

قیمت ہر کپی ۱۰ روپے
قیمت ہر کپی ۱۰ روپے
قیمت ہر کپی ۱۰ روپے

عصمت

(دہلی)

جہاں پسند ہے ہو چکا کہ تعلیم نسواں ترقی کا پہلا راز ہے وہاں اکثر برہگان قوم نے یہ ہی مان لیا ہے کہ عورتوں کے مطالعہ کے واسطے عصمت ایک نعمت ہے جس بی اور دینیوں دونوں قسم کی فلاح و بہبودی ٹھوٹا ہے۔ گوارائی ہوگی کے واسطے عصمت سے بہتر سیل عصمت سے بہتر شوق عینیت عصمت سے بہتر صبح صلاح کا ملنا ناممکن ہے۔ عصمت ان کو تہیہ نگار کو رہنے کی زندگی ان کو کس طرح گزاری۔ ماں۔ باپ کا ادب بہن بھائیوں کی خدمت بعد کی نظم چھوٹوں سے محبت ان کا فرض منصبی ہے جس سے دنیا میں ان کو کچھ شامل ہوتا ہے اس کے لیے انہیں کیا تیاری کرنی ہے جو خود تیں ان کو پیش آئے گی ان کو کس طرح رفع کھانا ہے۔ لباس نسوان کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے بنائے جائیں۔ شوخوں ان کی آئندہ زندگی کو کام عطر کا چکار کر لطف باہن ان سب کو ملنے کے واسطے عصمت سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں ہے۔

بیاضی ہوئی لڑکیوں کو غنا داری بکر کے حساب کتاب ان بچوں کی پرورش میں ہے زیادہ جس کو کس مدد مل سکتی ہے وہ عصمت عصمت ان کو بتائیگا کہ جس آمدنی کو وہ بخل و خس خرچ کر رہی ہیں وہ کس نعمت و شفقت سے پیدا کی گئی ہے۔ جو بچہ نہ رہتا ان کے سپرد دیتے ہیں ان کی ذمہ داریاں ان پر کیا ہیں کیا لہریہ میں جتنے بچے ہیں کیا جب گھر دار دالے ہیں گے تو عزت سے زندگی بسر کریں گے اور غم بھرائی ماؤں کو دھمکیں دیں گے عصمت بتائیگا کہ انہیں لکھ کر صلح کرنا ہے۔ روپیہ صلح صرف کرنا ہے۔ خاندان کے ساتھ کیڑا بسر کرنی ہے۔ خواہش عصمت لڑکیوں کو سچائی کی بیگم بنائے گا۔

انٹیلینج کی آب و تاب نہری بل درجہ اعلیٰ کا غذا ہوتی توں نصاریٰ تہائی میں دلہا بھائیوں والا۔ فرصت میں کہاں کیاں سنائیوا۔ اندھ کی وقت بتائیوا۔ عصمت بتا دے اور کیا ہوگا عصمت کا لیک ایک حرف گوہر آبدار ہے۔ ہمد میں (۶۴) صفحے کا رسلا کوڑیوں کے

مول موتی ہیں سالانہ قیمت ۵۰ روپے کھینچر عصمت و تمدن (دہلی)

الملك عبدالعزيز



راست اپنی منزل ملے کر ہی ہے آسمان تاروں سے پٹا پٹا ہے اور وہ گھر جس میں ہر وقت شیر و ہار ہوتا تھا سنان پڑا ہلے سوا کے ٹنڈے جوئے کُلْ مَنْ عَلَيْهِ أَفَاقَان کے نعرے لگا رہے ہیں اور شہد نصیب اس منہ کو تک باہر جس سے پھول جڑے اور اُن آنکھوں کو دیکھ رہا ہے جبکہ عالم موت ہمیشہ کو بند کر گئی۔

جبہ خاکی سے نصفت ہو نیوالی روح ! اپنے ادنیٰ خادم کا آخری سلام قبول کر بیٹھی مقدس رو میں تیرے استقبال کو آئی ہیں، محبت بہری نظروں سے میرے سلام کا جواب دے اور اصلی گھر سدھا جا،

آج ذیاب مزار کا کوہِ فردوس بریں کا ذریعہ ہے عالم ارواح کے دو کین جن کے نام صفحہ دنیا پر چمک رہے ہیں اس سنگین مکان میں جمع ہیں، اور جہوم جہوم کر اُس شعر کو ادا کر رہے ہیں جو آج سے تقریباً پندرہ برس پہلے مولانا نے مرحوم نے سرسید کی شان میں کہا تھا۔ اسے روئنگی سر پر ہاتھ رکھ کر قوم پر قسمت اور سکو دیکھ لیتا جو کوئی جیتا رہا باقی عالم خیال استاد مرحوم کے فضیل آج ان مقدس صورتوں کی زیارت کر رہا ہے جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترسی تھیں، اہل قلم کی یہ بزرگ جماعت مرحوم سید کی صدارت میں عالم ارواح سے چمکلاں پاک روح کے استقبال کو آئی ہے جس کی قومی خدمات کا ڈونکا آسمان تک پہنچ رہا ہے بقار و دام کے میکتے ہوئے پھول ان کے بھار کے پھول ہیں ملو ملو اعلیٰ کے بسنے والے باور از بلند قومی موت کے نعرے لگا رہے ہیں۔

(۲)

موت یا فراق ابدی، امیر غریب، بڑے جوان، ہندو مسلمان، ہر ایک کا قابلِ افسوس ہے، مگر افسوسِ سولہ سولہ زیرِ حمد کی موت، ہم سے ایک ایسی بزرگ کو جد کر گئی جسکی نظیر نیوالی دنیا اب شکل سے پیدا کرے گی مولانا مرحوم کب پیدا ہوئے کہاں سے کیا سیکھا کس سے سیکھا۔ یہ پھر بھی اس وقت تو روزِ نایہ ہے کہ عم بزرگوار کی موت کیا کرے گی

ابھی تو منہ سے یہ لفظ نکالنے کو جی نہیں چاہتا خدا نہ کرے کہ مقدس استاد کو
سایہ سسٹہ نہ ملے مگر محل نفس ابقیۃ المہکت رشدا اور رشدا کیساتہ تمدن و تہذیب کو
جو انہیں مولانا سے مرحوم کی تحریر کا لطف اٹھا چکی ہیں اور جو کان مولانا نے
مغفور کی تقریر کا مزاحوت چکے ہیں وہ شاہد ہیں اس امر کے کہ شمس العلماء مولانا ذریعہ
کی نظیر کامل ایک صدی میں بھی زمانہ پیدا نہ کر سکا۔ زندہ میں وہ سماں دیکھنے والی
آنکھیں کو مولانا سے مرحوم کی تقریر پر ہن برے کبھی روتے روتے بچیاں
بندہ گئیں اور کبھی ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

استاد مرحوم کا وطن گونہالہ بجنور تھا اور دلی میں جس وقت تشریف لائے تو سن
پندرہ سو سال کے قریب تھا زبان کو جو کچھ مائی گود سے لینا تھا لے چکی تھی
مگر مولانا سے مرحوم نے دلی کی زبان اس طرح حاصل کی کہ اُردو سے مثل کا مزہ آگیا۔
سرزمین جہان آباد اس زبان پر مدد العرناز کر گئی جو مغفور کے ساتھ قبر میں
دفن ہو گئی۔

ادب عربی و دین شمس العلماء مولوی نذیر احمد پر حسرت کے آفسوہا نیگا اور قوم
ہمیشہ مولانا سے مرحوم کی بیش باعذات کی ممنون رہے گی۔
پنجابی کٹرہ جو دلی نے ریلوے سٹیشن پر اس طرح قربان کیا کہ آج اس کا نام دوش
بہک نہیں میرے ابا و اجداد کا مسکن تھا اور پنجابی لڑکی وہ بھید ہیں میرے جد و جہد
مولوی محمد عبدالحق صاحب مدیث کا درس دیتے تھے طلباء کا اہتمام شمس
یا اس کے لگ بھگ کا ذکر ہے کہ عظامہ موصوف تحصیل علوم کی غرض سے اس
مجمع میں داخل ہوئے تو اقبال کا ستارہ پیشانی پر چمک رہا تھا مگر فلاں کی نصیبت
سر پر نوٹ رہی تھی تاہم شوق علم پائے ثبات الہ نے نہ دیتا تھا۔
ان ہی دنوں میں میری بڑی پیوپی کے عقد کی تجویز پیش ہوئی۔ اگلے

لوگوں کی باتیں ان ہی لوگوں کو سزا دیتیں۔ بڑی بڑی درخواستیں موجود تھیں اور ارمان تھا کہ مولوی زادہ کی پاملانی دروازہ پر اتر جائیں مولانا نے مرحوم کی طرف کیا عزیز واقارب اور کیا دوست ہشتا کیسکا وہم و گمان بھی نہ تھا اور ہوجی میں سکتا تھا۔ امیروں رئیسوں عالموں فاضلوں کے ہوتے ساتھی ایک بڑی طالب علم کو کون پوچھتا مختصر یہ کہ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کے سامنے سب نام پیش کیے گئے، اللہ غنی کیس لگے، لے کے لوگ اور کیسے صابر و شاکر بندے تھے مولوی صاحب مرحوم کیا فرماتے ہیں جس شخص میں یہ تین صفات ہوں۔ اس سے کرو نماز کا پابند معاملہ کا اچھا اور زبان کا سچا، امیروں تو ایک بھی اس کو کسٹی پر پورا نہ اتر ا تلاش کے دائرہ کو وسیع کیا تو نگاہ مولانا منظور پر جا کر ٹٹکی۔ آج مولوی عبدالحق صاحب مرحوم اور مولوی نذیر احمد صاحب منظور دونوں اس دنیا میں نہیں ہیں مگر مولوی عبدالحق صاحب مرحوم جیسے جلیل عالم کی پوتی کا یہ دینا جس کے عقد کی شرطیں یہ کچھ کڑی ہوں استاد مرحوم ہی کا کام تھا۔ خدا غریق رحمت کہ میری بڑی بیوی کو اس شادی کا ذکر اس طرح فرماتی تھیں کہ جب مسجد میں نکل ہو چکا ہے تو وہ لہا کو م سب سے بھی دیکھا کرتا پاجامہ سفید تہا ٹوپی بھی مامی تھی مگر جوتی کے کتے ٹٹکے ہوئے تھے اُنے ایک عورت کے ہاتھ چپکے سے ایک روپیہ چھپا کہ جوتی پہن لو تو ٹوپی دیر بعد وہی عورت پوسنے یاد آنے واپس لائی اور کہا سو بارہ آنے کی جوتی آئی ہے۔

یقیناً مولانا نے مرحوم کے واسطے کوئی ماہ الا یتیمزشتہ بہتی در کلمہ لو کہ اسنے وہی تہاجر ہمیشہ رہا اور جو سب طالب علموں سے تھا۔ شام ہوتے ہی تہذیب سہی ردی اور تیل سب کو مل گیا اپنے ہاتھ سے بیتیاں بٹوا اور جلاؤ جس کا تیل زیادہ خرچ ہو وہی شاباش کہتے تھے۔ بنے سلمانوں کے کھاڑے پسینہ کی کمانی اور اگلے

زمانہ کے لوگ انتظام آنا معقول کہ تیل کی ایک بوند ہی ضائع نہ ہو اور شرق ایسا بڑا
ہوا کہ چراغ ٹکڑا رہے تیل بٹر گیا رات کہیں کی کہیں پونجی مگر سبق یاد کیے
بغیر سونے کو جی نہیں چاہتا مولانا نے مرحوم اکثر زمانے تھے مدرسہ میں شائ
ہوتا تھا سب پڑھتے اور میں چراغ کے آگے اپنا ہتھیار کرتا ہوتا تھا۔
یہ تھا وہ ذوق و شوق تعلیم و تربیت اور فیض صحبت جس نے مولانا نے
مرحوم کو انسانیت کے پورے اجوارات سے مزین کرنے کے بعد ان کا
اسم زامی آسمان ادب پر قمر چار دہم کی طبع چکا دیا۔

مجھے اس وقت استاد مرحوم کی قابلیت ملازمت احسانات خدمات کسی سے
بحث نہیں البتہ کچھ کہنا ہے اس کتاب کے متعلق جو اہمات الامہ کے
نام سے مشہور ہوئی اور جس پر بحث کرتے ہوئے بارہ مئی کے روزانہ پریس
میں ولوی سید احمد صاحب نے ان لوگوں کو جنہوں نے محض اغراض نفسانی کی
وجہ سے اس کتاب کی مخالفت کی نہایت مقبولیت سے جواب دیا ہے۔

مولانا نے مرحوم قبر میں جا پونچے اور جھکو پونچنا ہے مگر میں شاہد ہوں
اس امر کا کہ گزشتہ دس سال میں مرحوم کی زبان سے کلام ربانی کی کبھی نہ کی آیت
اس طبع نہ نکلی کہ آنکھ سے آنسو نہ گرا ہو۔

ناظرین تمدن کو وہ مضمون یاد ہو گا جو مئی ۱۹۱۷ء کے پرچم میں انسان فرشتہ
کی عینک کے عنوان سے شائع ہوا یہ مضمون جب مولانا نے مرحوم نے
سنا چہ سرخ ہو گیا بدن کانپ رہا تھا۔ ناخوش ہوئے اور میرے سامنے
ایک مختصر سا کچھ شروع کیا وہ وقت میری آنکھ کے سامنے بے کمرسات ماب
صلی الصلوٰۃ وآلہ وسلم کا نام آتے ہی ان کی حالت بگڑ گئی زار قطار رونے لگے اور
مجھ سے فرمایا اگر اجرا تمدن کا مقصد اسلام کی تفسیک ہے تو آئندہ مجھ کو

صورت نہ دکھانا +

وہ شخص جس اسلام اور بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایسا شیدائیاں کیا اس
صلہ کا مستحق تھا کہ علماء اسلام یہ فتوہ لے دیں کہ اس کے جنازے کی نماز
درست نہیں +

حق الامر یہ ہے کہ آہیات الائمہ وہ کتاب تھی کہ آج مسلمانوں میں کوئی
ایسا نظر آتا ہے نہ آئندہ برسوں نظر آنے کی امید ہے کہ غیر مسلموں کے سامنے
اس قابلیت کا پیغمبر اسلام صلعم کی رسالت کو ثابت کرے۔ اور مسلمانوں کے
واسطے اتنا لٹریچر میسر کرے جو آہیات الائمہ میں ہے۔

قوم کی بدقسمتی ہے کہ سلامہ بگرامی نے اہمات الائمہ کو انگریزی میں ترجمہ کرنے
کی خواہش ظاہر کی اور یقیناً دیر یا سیر میں اجتراج مل کر لیتا مگر علامہ موصوفی
کی موت نے تکمیل نہ ہونے دی۔

بعض اخباروں کی رائے کہ مولانا نے مرحوم کو جب یہ معلوم ہوا کہ علماء
اسلام اسپر معترض ہیں تو کتاب ان کے حوالہ کر دی قطعی غلط ہے جس طرح
یہ کتاب حاصل کی گئی اور جو اس کا حشر ہوا اس کا خیال تکلیف دہ ہے۔ انتقال
سے چند روز پہلے جب میں نے اہمات الائمہ کی اشاعت کے واسطے عرض
کیا تو خاموش ہو گئے مگر میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ صورت چند روز
کی ممانعت ہے۔ اصرار کیا مجبور کیا ضد کی بگڑا منت کی خوشامد کی آخر مولوی رحیم بخش
کو بلا کر کہا کہ کوئی جلد مل سکتی ہے انہوں نے جواب دے دیا تو فرمائیے گئے
کہ "بیٹا جانے دو ویسے نامہ بردار بزرگ ایسے شفیق استاد اب کہاں میری
اجتا مد سے بڑھ گئی تو چاروں طرف کتاب تلاش کی آخر ایک جلد سے
پیشکش تمام دس روز کے واسطے ایک خاص مشعر طر پر مل سکی۔ رات کا وقت تھا

کہ مجھ کو طلب فرمایا کتاب وہی اور حکم دیا کہ اس بنے ہاتھ سے اسکی نقل کرو اور تکمیل کے بعد مجھ کو سنا دو۔ اٹھائی وصال سورویہ تک کے خود ارا ایک ایک جلد کے موجود ہیں ایسا نہ ہو کہ کتاب تلف ہو جائے۔ میں نے ہمارا کتاب نقل کی ٹھہر کر حاضر ہمارا مناسب ترسیم اور ترمیم و تبدیل کے بعد وہ پیش کیا اور اوراق اب میرے پاس ہیں لیکن مجھے جب گوشہ نشین جب داخل شدہ ضمانت ہی کے واسطے ہونک ہونک کرتا رہا کہ رہا ہے۔ مخالفین کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے البتہ کتاب میرے کلیپ سے لگی ہوئی ہے اور اگر اس کی اشاعت میسر نہ ہوتی تو یہ کہوں گا۔

رشاد م از زندگی خویش کہ کار سے کردم

استاد مرحوم کے فضل حالات جو کچھ لکھ سکتا ہوں آئندہ پرچوں میں لکھوں گا۔ درست وہ چند الفاظ اقبالت الائمہ کے دیباچہ سے نقل کرتا ہوں جو بتائیں گے کہ شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب نے یہ کتاب کیوں لکھی۔

باقی آئندہ رشاد الفخری۔

”کئی برس ہوئے گزر گئے کے ایک پادری صاحب مذہبی“
 ”مناظرے کے پیرائے میں مداعت ال سے بڑھی ہوئی آزادی عمل“
 ”میں لائے کہ اپنے ایک رسالے میں پیغمبرِ اخرازاں صلعم کی نسبت“
 ”انکی بیبیوں کے بارے میں بڑی زبان درازی کی جس سے جمہور“
 ”مسلمین کی دل آزاری ہوئی۔ مسلمان جگہ جگہ استغاثہ فوجداری“
 ”کی تیاریاں کرنے لگے اور جگہ جگہ حال تو معلوم نہیں دلی سے“
 ”کچھ لوگ فریاد لیکر شعلے لگے بارے پادری صاحب کی کتاب کی“
 ”اشاعت حکماً بند کر دی گئی۔ اسی آثار میں سرسید لکھنا“

”مردم مغفور بھی پادری صاحب کی کتاب کا جواب لکھ رہے تھے
 ”وہ پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ سیّد صاحب انتقال فرما گئے“
 ”ہم نے نہ تو پادری صاحب کی کتاب دیکھی نہ سیّد صاحب کا“
 ”اُدھورا جواب مگر اتنی بات پہلے سے معلوم ہے کہ پادری“
 ”صاحب نے سخت زبانی کے سوائے اعتراض میں کوئی نئی بات“
 ”اپنی طبیعت کے تو ایجا دکی نہ ہوگی۔ اعتراض تو نہیں مگر جواب“
 ”خود قرآن میں موجود ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا ذُرِّيَّتَكَ
 وَجَعَلْنَا لَهُمْ آدْرًا جَاوِذَ رِيْلَةٍ۔ جواب کا ہونا دلالت کرتا ہے
 کہ نزول قرآن کے وقت بھی پیغمبر صاحب کی زندگی میں بعض لوگ
 ”زن و فرزند کے تعلقات کو خلاف شان پیغمبر سمجھنے اور ان ہی
 تعلقات کی وجہ سے جناب رسالت مآب کی رسالت کے شکرت“
 ”غرض پُرانا اعتراض ہے اور علما اسلام نے اس کے“
 ”دندان شکن جواب ہی دیے ہیں مگر مسلمان ہو کر اپنے پیغمبر“
 ”کے تقدس کی اپنے مقدور بہر اور اپنے طور پر واجبی حمایت“
 ”کئے بدون ہم سے نہیں رہا جاتا اور یہ بات ہی ہے کہ اعتراض“
 ”کیسی مسلمان کے کان میں پڑے اور اس کو جواب نہ آتا“
 ”ہو اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کی نسبتہ“
 ”خیال فاسد جو ہم نواب دل میں بیٹھ جائے تو ایان کے“
 ”جانتے رہنے کا خوف ہے“۔ نفوذ باللہ من شرور انھما۔
 (ماخوذ از اُشہات الامم)

اپنا ترانہ

میں نے گاما کا جیو مہستی سے کیا اپنا
 زبان بھلی نہیں لیکن بے سرعت ہی کی اکثر
 یہ عالم تھا ہمارا: ایک نیا کام پڑ جاتی تھی
 کبھی شکل سے بھی شکل کو مجھے نہیں مشابہ
 سمجھتے تھے ہمیشہ قدر اپنے وقت و دست
 نہیں کہچہ کام تھا تو نہ تیر و نہ پست
 دل اہل و دل پر تھا ہمارے نام کا سکھ
 ہوا جو رکشی پست و سر کردار کو
 مجھے جو وقت آتا وہ بٹھا دئی تھا کہ عالم میں
 تیر یا تیرے اک طرح ہم سے اپنے بگائے

زنگا لوگ کے حرفوں سے نام ادا کیا
 سناتے ہیں ابھی تک قصہ جاہ و چشم اپنا
 جہاں کہ کچھ چاہتے تھے ہلال تیرا اپنا
 نکل جاتا تھا ترانہ تیرا: ہر بار ہر بار
 ہر اک ساعت تیری انہمی ہر اک پل معاشم اپنا
 رہتی ورا تیرا کہتا: تو تیری جاہ و چشم
 ہمیں کہ عترت ماسے مجھے حاشا عترت اپنا
 اٹھاتا کہ کوئی کس طرح سیٹھنا تیری تلم اپنا
 سمجھوں کہ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ
 کشادہ ہونے میں رہا نواں کرم اپنا

یہ کیا کہوں ہم نے تکیہ غیر کی ابلہ فری پڑ
 یہ وہ جتنا کہ آپ اپنی مکافات عمل بھگتیں

یہ کیا کہوں ہاں ظنون کا جو کہہ بیٹے جو کہہ نہا
 یہ لازم تھا کہ بچھیں آپ اپنے پرستہ اپنا

تقاضا اب جتنا کہ ہے یہ بغاوت ہم پر
 پچھلے درد کو کیا غیر سمجھیں گے، فرا سو نہیں
 بہت کچھ کہہ چکی ہیں ہر کے میں غم نے تیرے
 چھوٹے کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ

سائیں کیوں کیسے اٹنے کو کہہ اپنا اٹنا
 کسی کے تلب میں ہم ڈالیں کیسے کچھ کچھ
 محمد کے کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ
 بحر سے واپس کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ

کسی کے سامنے جھکا تو یکساں ہی نہیں ہم نے
 گلے پر بھی دے ہم میں ابھی پہلا اثر باقی،
 ابھی تک ہم میں کچھ سلام کی پاکیزہ خصلت
 میری سس کش نہیں، سس کشناشی اپنا سیوہ
 دعا و کینہ و بغض و حسد عادت نہیں اپنی
 ہمیں اب محکوم، حاکم سے وفادار نہ رہیں
 ہمارا پوچھنا کیا، یا تو دونوں تلہ و ہر
 یہ ہو سکتا اب بھی، پھر ہمیں اقبال و دولت
 اگر اللہ نے پایا تو کل اسرار و علم کو
 جہاں اڑ جائینگے، اڑ جائینگے ہم پھر کھینک
 جہاں جاہیں گے جھنڈا گاڑ دیں اپنی سطوت کا
 فلک تلخ ہو جائیگا نسرہ اندھا کب سے
 تمنا جوش میں جس دن اٹھالیں گے علم اپنا
 انشاء اللہ استعان
 تمنا عادی پھلواری عظیم آبادی

لحمہ شیعہ اور غصہ صیغہ جمع ہے۔ مگر بطور جسد استعمال کیا گیا۔ کیونکہ اہل زور و زور سے
 شیعہ۔ اور اہل فرس کا یہ دستور رہا ہے کہ عربی کے صیغائے جمع کو جسد قرار دیکر اسے
 جسد کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ اور بوقت ضرورت پیراؤ کی جمع بناتے ہیں۔ جبکہ عوام
 جمع الجمع سمجھتے ہیں حالانکہ وہ جمع و جسد پر پا کر جمع بنی ہی کی مثال ہاتھ کے کلام میں
 بت ملتی ہے۔ وُجُوہ، وُحُوہ، نُلُمَان، اَمْرَاء، اَحْوَال، صِفَات وغیرہ کو اسی
 قیاس کرنا چاہیے کہ کَمَا لَا يَخْفَى عَلَى الْمُصَرِّفِ ۱۱ تمنا عادی پھلواری

حادث

(سلسلہ کے لیے مارچ کا تین ملاحظہ ہو)

(۲)

ساتی بیار بادہ کہ آمد زمان گل
ہا بشکیم تو بہ دگر زمین گل

اب میرزا قنار دور ہو چکا تھا، میری پریشانی جا چلی تھی، اور میں مطمئن تھا کہ کم از کم اس مسئلہ میں تو ضرور تھا کہ مکان دار کا کرایہ کل ہی ادا کر دوں گا، اور ابھی کسی عہد لیٹوران میں جا کر کھانا کھاؤں گا۔ کچھ بھی ہو، ایک آدھ مہینہ کے لیے معین کی نہیں، نہیں، بقیہ کی بھیجی ہوئی رقم کافی تھی، گویا ایک مہینہ تک نان نفقہ کی فکر سے چوٹ کر ترقی کے لیے ایک مرتبہ اور جدوجہد کرنے کی مہلت مل گئی تھی! اب میں پہرے خوف تھا، بے پروا تھا، مستقل مزاج تھا، کوئی وجہ نہ تھی کہ اب یہی قیہ دونوں خطوط جو میرے سامنے کھائے ہوئے تھے اطمینان کے ساتھ نہ پڑھوں! میں اب ہر قسم کی خبر، بُری سے بُری، پڑھنے کے لیے تیار تھا، مجھے یقین تھا کہ دلخراش سے دلخراش واقعہ کی اطلاع ہی اب مجھے بدحواس نہیں کر سکتی! نہایت بے پروائی کے ساتھ پہلے میں نے وہ خط اٹھا جس کا لفاظی میرے دل میں لپکتا تھا اور جس کو میں قطعی نہیں سمجھا تھا کہ کہاں سے آیا ہے؟ میں نے اُسکو کہہ دیا اور پڑھنا شروع کیا، اُس کا بیلا لفاظ میرے ہاتھ سے چوٹ کو میز پر گر آیا، میرے تمام جسم میں ایک غیر معمولی گرمی محسوس ہوئی، اور میرا سانس نہایت سرعت کے ساتھ آنے لگا! میں نے

اَوّل سے آخر تک اس ناقابل یقین خبر دینے والے خط کو پڑھا کئی مرتبہ بغیر مہلی
 مطلب سمجھے پڑھا، کیا ایک میں اس کا مفہوم سمجھا، نہیں نہیں، بلکہ یکا یک
 ایک شعلہ جزا کی طرح اس کا مفہوم سیکر ذہن میں آ گیا، میرے دل میں
 آ گیا، میرے دماغ پر چھا گیا، کیا جو کچھ میں نے پڑھا صحیح تھا؟ ناممکن، قطعی
 ناممکن، کیا ایسا ہونا سچ ہے؟... لغو، محض لغو! غالباً کسی نے میرے
 ساتھ مذاق کیا، مگر مذاق کے ساتھ تحریر کا اصل معلوم ہونا مد سے زیادہ
 حیرت انگیز ہونا، کیا دولت اس قدر اندھی ہے؟... کس قدر اندھی تو ضرور
 ہے، ورنہ ہمیشہ پایہ تیج کے پاس کبھی ہرگز نہ آتی، تاہم بالکل اندھی نہیں ہے،
 اس لیے بالکل نہیں ہے، غلط بالکل غلط! مگر... مگر خط بھی جلی نہیں سمجھا جاسکتا
 اس کا کاغذ اسی خاص قسم اور انداز لکھا ہوا تھا! اس کی سفید مٹروہی ابھرے
 ہوئے طریقے کی تھی!... وہ سچا معلوم ہوتا تھا! قسم ہے ان تمام فحشی
 اور خیالی تقدیروں کی جو ہان پر حکمرانی کرتی ہیں، وہ اہلی تھا!
 اپنے پریشان خیالات کو نہایت کوشش کے ساتھ جمع کر کے میں نے
 ایک فقرہ اوّل سے آخر تک پڑھا، عبارت صاف تھی، الفاظ خود بول رہے
 تھے، مطلب مجسم متحرک تھا، میرے دماغ میں خیر معمولی بوجھ ہو گیا تھا، میں غالباً
 پاگل ہوتا جاتا تھا! اگر یہ خبر سچی ہے... اور وہ ظہر ہے سچی معلوم ہوتی تھی
 ان اہل مجبہ بخارا پر پڑھتا آتا تھا، میرے سر میں ایک شعلہ سا روشن ہو گیا تھا،
 میں زبردستی اپنی پوری کوشش کے ساتھ لپٹنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا
 ہاں... اگر یہ خبر سچی ہے، تو تو میں دنیا کا مالک ہوں، تمام عیش و عشرت
 کا حاکم ہوں، جو کچھ میرا جی چاہے، وہ ہوں!، خط کے کاغذ پر جبرِ غیرِ غیر
 ہونے کے علاوہ جان لندھ کی مٹروہی اور بالکل صاف صاف انگریزی میں

لکھا ہوا تھا :-

سُنا۔ آپ کے متوفی بچا۔ سٹوڈنٹ اشکوہ کا بچا جس لاکھ روپیہ
برائے بینک میں جمع ہے! جن کا انتقال غالباً آپ کو معلوم ہوگا
ایک مہینہ ہوگا کہ بار بار دن ہو گیا! چونکہ اس وقت تک ان کوئی
وارثہ سوا ہے آپ کے معلوم نہیں ہوا، اس لیے یہ روپیہ نہ
وٹا جاسکا ہے! امید ہے کہ آپ اس کو اپنے نام یا فائدہ منتقل
کرالیں گے، یا جو کچھ پسند فرمائیں اس سے مطلع فرمائیں گے
بہرہ جو گا کہ آپ بجائے تلو براہ راست کہنے کے ہمارے
بینک کے ہیڈ آفس اٹھ بیٹی سے خود و نشریف لیجا کر ہر ایک معاملہ
طے کر لیں! ہم نے آپ کا حساب کتاب اور کل روپیہ بیٹی
ہیڈ آفس میں منتقل کر دیا ہے! اطلاع میں تاخیر محض آپ کا
صحیح تہہ دریافت کرنے کی وجہ سے ہوئی!

آپ کا صدقہ۔۔۔۔۔ نیچر برائے جالندھر

بینک آف۔۔۔۔۔ بیٹی

پچاس لاکھ! پچاس لاکھ نقد اور ہیں! میں۔ ایک تکیس، مفلس، فاقہ مست،
ذلیل اجاروں پر پٹ پانے والے۔ میں اور چشم زدن میں پچاس لاکھ کا
مالک! جلدی جلدی آئیوں لے لیے سانپوں کے ساتھ میں کہ شش کوڑ
تھا کہ اس واقعہ کو سچے واقعہ کو۔ اپنے دل نشین کروں، گرا بنگلہ کا سینا
تھا ایہ خوشخبری۔ دل و دماغ میں چکا چوندا پیدا کر دینے والی سچی خبر۔ میری
آنکھوں میں خواب خرگوش نظر آتی تھی، یہ اچانک موت۔ مجھے آسمان
عروج تک پہنچا دینے والی مبارک موت۔ ہر طرح میرے بہوک کے غلبہ سے

گرجا نے والے دماغ کا پریشان خیال معلوم ہوتی تھی کجوشخ قلی کے بلاؤ کی طرح
خود بخود ذہن میں آگئی جو اس نے کسی قدر اطمینان حاصل کرنے کے لیے
چاروں طرف نظر ڈالی۔ ذیل اور کم حیثیت اسباب انٹوٹی پہوٹی اٹھی
میں کھیلایمپ انچی اور جھنگا چار پائی ایک ایک چیز مغلسی اور ناداری کی
زندہ تصویر اور ہر پچاس لاکھ کی مہوت بنا دینے والی خبر ناداری اور
تمزل، احتیاج اور استغنا، ناقابل تشبیہ جوع الضدین میں بے آپے تھا
میں بٹکا جاتا تھا، اور میں بغیر سوچے سمجھے آپ ہی آپ پوری آواز کے ساتھ
قہقہہ لگا رہا تھا۔

اندھی دولت، اندھی دولت اور اسکا اندھا نزل! میں۔ تمام دنیا کو چور
صرت میں۔ اس نعمت غیر متروکہ کے لیے اول درجہ کی ناموزویت کیساتھ
منعہ کیا گیا اس تو اب؟۔۔۔۔۔ اب میری باری ہے اقسام ہے
تمام مذاہب کے نت نئے معبودوں کی اس سوسائٹی کو۔ اس مغرور، اس اظہر
اس ناقدر شناس سوسائٹی کو۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ناک چنے چھوڑ دوں تو
ہی اقامہ، قاہ، قاہ، اپیلے کی طرح بغیر سوچے سمجھے محض اپنے آپ کو خوش
کرنے کے لیے میں نے پھر قہقہہ لگایا! مگر فوراً کسی اور نے بھی میرے
جواب میں آواز کے ساتھ قہقہہ مارا! میں نے اپنے خیالات کو روک کر سننے
کی کوشش کی! ہوا کے جھکڑ کی پریشان کرنے والی سنسنیٹ برابر آ رہی
تھی، باہر کے برآمدے پر مینہ کی بوندیاں ٹپ ٹپ پڑ رہی تھیں، اور سڑک
کے دوسری طرف والے مکان میں کوئی شخص نہایت سُری آواز میں مار بول رہا تھا

”ساقی بنور بادہ برائے سر روز جام ما“
”مطلب سر بگڑو کہ کار جہاں شد بکام ما“

خود مزے لے لیکر گارہا تھا اس، اور کوئی آواز نہ تھی اگر اب بھی میں سخت
تھکنا قسم کھانی کرتا ہوں کہ میں نے کسی کے پورے تھپتھپ کی آواز اپنے ذہن
سے ہی سنی تھی! اخیر میں اس وقت بدحواس ہی ایسے کچھ قوت تھکنا کی
کارگر رہی تھی اگر مگر معین، پیارے بھیلو! میں اس غایت بھری ادا
کا عید منوں ہوں! بہت جلد بھارے ڈھالی سو روپے مع اور ڈھالی سو کے
یعنی المضاعف، جبکہ تم سو سمجھ یا اسامندی کا اعتراف۔ بذریعہ منی آرٹو تھنا
پاس پونچھے ہیں! اور! اور بھارا وہ میٹھی اس علم اور تھول کی بوٹ جس کو
تم از حد بھردی کے ساتھ میری ادا کے پیچھے رہے ہو۔ اب محض بیکار
میرے غمخوار بھیلو! اب مجھے کسی بدو گارہی ٹھسارہی سرپرست کی ضرورت
نہیں! میں یہ سب آسانی کے ساتھ مول لے سکتا ہوں! عزت، خطابات،
پوزیشن، سب بازار میں فروخت جتے ہیں! محبت، دوستی، عشق، ہر ایک چیز
سب سے بڑی بولی پر ہر کس نام کے نام چوٹ سکتی ہے! میں سب کچھ حاصل
کر سکتا ہوں، نہایت آسانی کے ساتھ خرید سکتا ہوں! بس۔ اب کوئی وجہ

لے سیسیاس C. Cilnino Macenao آٹش

(دین شہنشاہ) کے زمانہ میں اس کے دربار کا ایک معزز ممبر تھا اس کا دروازہ
پرستی قابلیت اور ماضی یافتہ والے کیلئے رات دن کھلا رہتا تھا! ہوریس
Macenao اور جیل Macenao کا منصوبہ کے ساتھ دوست اور مہربانی
تھا! وہ ہر سال لائق اور شایع شخص کی پوری ادا اور سرپرستی کرنے کے لیے
ہر وقت تیار تھا! اپنے اسی وصف کے لیے وہ زبان زدِ خلایق ہو گیا۔
مرنے کے بعد اس نے اپنا نام زہرہ چوڑا! اب سیسیاس ہر ایسے شخص کو کہتے
ہیں جو بالفاظ دیگر علم و دستِ حاتم وقت ہوا (جوش)

نہیں کہ میں اس ذیل ناپاک گوشہ تنہائی میں مقید رہوں اس کے پیشتر مجھے
کسی اعلیٰ سے اعلیٰ ہوسیل میں کھانا کھانا چاہیے!

جوش مسرت و شہ دولت، جھوک کا غلہ اور بجایں لاکھ کی ملکیت کا حاصل
میں فوراً کمرے کے باہر تدم رکھنے کو تھا کہ وہ اکابر و نقاد جن کا مینہ کی بوچھاڑ
کئے ہوئے نہایت زور شور کے ساتھ اندر گھسا مار رہے تھے۔
کی قدر سیکر پانوں کو اور سب سے زیادہ سیکر نادل کو جو اسی نگہ پڑا تھا چلا
تھوڑے عرصہ پیشتر جو ہم بس مابعدی میں پھینک رہا تھا بگڑ گیا! میں نے
فوراً اس کو اٹھایا، جھڑا، اور دیکھنے لگا! اب اس کی کیا قیمت ہوگی؟ اب
جبکہ میں اس کو خود چھپو سکتا ہوں، چھپو اسی نہیں سکتا، نہایت بڑے پیمانہ پر
مشتمل کر سکتا ہوں! اور شہری نہیں کر سکتا، بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ سرائیڈوں تک
زبردستی پہنچا سکتا ہوں؟ میں غور کرتا تھا اور ان تمام نامقدس شناس نام کے
بندوں سے اچھی طرح بدلیٹے کا خیال خود بخود آتا تھا جنہوں نے میری
میری دماغی مست کی نافرمانی کی تھی، تو بین کی تھی ہضمیہ اڑایا تھا! اس
سوچتا تھا اور سکتا تھا، مگر کیا تھا اور نہ سکتا تھا، نہ سکتا تھا اور خوشی سے
بے نیچے ہو جاتا تھا!

منہ برابر برس جاتا تھا، ہوا کا سٹنا ٹاٹا، موجود تھا، اور رفت میں کمی
ہو جانکی وجہ سے سڑک سناں ہو گئی تھی، اور سامنے والے مکان میں سے
ماربوٹیم پر گائیو اسے کی آواز صاف آ رہی تھی۔

”ماور پیاؤ کس رخ یار دیدہ ایم“

”گے بے خبر لذت شرب مدام ما“

خلافت توقع بارش نے مجھے پر روک لیا۔ اور سچ یہ ہے کہ میری بھوک کی بھی

اب عجیب کیفیت تھی کبھی تو سٹلہ جوع یکایک بٹکر اڑتا تھا، اور کبھی میں نہیں جانتا کیوں۔ خود بخود غائب ہو جاتا تھا اس مرتبہ وہ اس آتے ہوئے میری نظر اس تیسرے خوشنما خط پر پڑی جواب تک میری یاد سے متحرک مز پر رکھا ہوا تھا میں نے اسے اٹھالیا۔ لغاتہ بہایت نفیس اور اعلیٰ درجہ کا تھا، موزوں اور سلیج نہایت خوبصورت اور عمدہ تھا، اور ہر طرح یہ ثابت ہوتا تھا کہ ہونے ہوئے ہے۔ کوئی قول اور فعل خراج ہے! میں نے کہولا اور پڑھا؛ مگر میری میں لکھا تھا: ”ڈیپسرا میں ایک خط تعارف آپ کے پڑانے کا بیخ فیلڈ سٹر میں لکھا سا کمال بیروت سے آپ کے نام لایا ہوں! انہوں نے عین عبارت کے ساتھ ایک ایسے شخص سے میری ملاقات کرانے کے ذرائع بہم کرنے میں جو میرے خیال میں دولت علم و فضل سے غیر معمولی طور پر مالا مال ہے! میں آج شام کو آپ کو آٹھ اور نو بجے کے درمیان۔ در دولت پر حاضر ہوں گا: امید ہے کہ آپ اس وقت در دولت پری میں اور سیر فرصت میں ہوں! میں اپنا کارڈ اور موجودہ پتہ ملفوظ کرتا ہوں“..... میں ہوں آپ کا صادق۔ ”حارث“

کارڈ و خط میں سے ٹکڑے مز پر گرا۔ ہاتھی دانت کی وضع کے نہایت عمدہ چلیے گئے۔ ہونے کا غڈ کا تھا، ایک چوٹا سا آماج بھی اسپر بنا تھا، پر من حارث کہنی۔ شہب جنگ ”نہایت خوبصورت چھپا ہوا تھا جس کے نیچے موجودہ تہ۔ تاج محل ٹیلہ ہنسل سے لکھا ہوا تھا!

مضمون مختصر اور سادہ، عبارت ہندب اور صاف: خط پاکیزہ اور نیچے: خواہ مخواہ میں نے اس کو دوسری مرتبہ پڑھا، پڑھا اور غور کیا، غور کیا اور خود بخود اس خط کا اثر مجھ پڑنے لگا، کوئی غیر محسوس چیز مجھے اپنی طرف کھینچنے لگی، اور میں بلاوجہ

آپ ہی آپ سمجھنے لگا کہ میں اس کے کہنے والے سے مل کر ضرور خوش ہونگا!
 ہوا اب پہلے سے زیادہ نیر ہو گئی تھی، مہینہ بھی موسلا دھار پڑ رہا تھا، گرج اور
 چمک بھی بھر بھر ہو جاتی تھی، اور نظر نہ آتا الاہار مونیم نواز رات کے شانے اور
 بارش کے غل میں اپنی پوری آواز کے ساتھ ایک نئی نزل۔

دوش از مسجد موئے سینا نہ آہ پیرا بیست یاران طریقت بعد از ان قد میرا
 گار با تھا اب پر مجھے دشت ہوئی، پھر اس کمرے سے تنگ و تاریک کچن تنائی
 سے میرا دل گھبرا یا، اور پھر میں بے چینی کے ساتھ مینہ کے ٹہرنیکا انتظار
 کرنے لگا فوراً ایک نیا خیال۔ مجھے تر مندہ کرنے والا خیال۔ میرے دماغ
 میں چمکانے لگا اگر واقعی وہ حادثہ شہاب۔ ایسا ہی ات و گت دولت
 والا ہے جیسا کہ معین نے لکھا ہے، اور اپنی تحریر کے موافق آج بلکہ ابھی
 مجھے پچاس لاکھ کی حیثیت کے شخص سے۔ اس ذیل ناپاک کمرے میں مٹنے
 آئے۔ اور وہ ضرور آتا ہوگا، تو اب؟ ۰۰۰۹۔ میرے پاس۔ مجھے
 لکھتی تھی کہ پاس۔ اس وقت اسنے پیسے نہ تھے کہ اس کو تار دیکر آنے سے
 روک دیتا! متول کی اس عجیب و غریب بکسی کے شان پر مجھے پھر ہنسی آئی
 مگر حادثہ کے آجائیکا کہنکا لگا ہوا تھا، اور میں برابر سوچ رہا تھا اس، بس
 بالکل ٹھیک ایسے وقت یہاں سے چل دینا چاہیے، وہ آئے گا اور
 مجھے نہ پائیگا، دو تین روز کے بعد اپنی حالت درست کر کے کسی اچھی جگہ
 میں اس سے ملنے کے لیے وقت معین کر لوں گا! لہذا سب سے پہلا کام
 یہی ہوتا ہے یہاں سے فوراً غائب ہو جاؤں! یکایک ہوا کے تیز جھونکے
 کے ساتھ لپ بٹکا، موم چینی سے باہر نکل گئی، اور روشنی ہیٹ سے
 نثار دایں اندھیرے میں گہر گیا۔ اور دیا سلائی کا بس۔ یا وہ نہ ملے تو

اسی حالت میں چلے جانے کے لیے اپنا کوٹ، ڈھونڈ رہے تھے لگا کر لڑ کر رہ رہ کر اپنی نہایت زور کے ساتھ چکی اور بید خوفناک آواز کے ساتھ لڑکھائی میں اپنی عظمت یہ جانی سے۔ اندھیرے میں ٹٹونے سے۔ خود بخود لڑکھائی کی آواز کے ساتھ ٹرک گیا! ہوا کا جھکڑ اور زیادہ مشتت کیساتھ چلنے لگا، بارش، ہواں دھار اور زور شر کے ساتھ ہونے لگی، اور میری قوتِ سانس نہایت سرگرمی کے ساتھ اپنا فرض انجام دینے لگی! گہوڑوں کے سر پٹ دوڑنے کی آواز اور گاڑی کی گھر گھر آٹھ دورے آتی ہوئی مسامحہ ہوئی، اور مجھے مکان کے قریب آتے ہی فوراً پٹر گئی! اب میں ذرا چونکا، میرے کان کھڑے ہوئے، اور میں اندھیرے میں پٹا پٹا ہوا کوٹے میں کھڑا کھڑا لگا گاڑی کے دروازہ کھلنے کا دھڑکا ہوا کیسے زین پر چڑھنے کی کھٹ پٹ، پھر کارخانہ دار کے باتیں کرنے کی مردانی آواز، اور؟ اور ہر خاص میرے کمرے کی طرف بڑھنے کی باتوں کی آہٹ! "کوئی شیطان ہے! ضرور کوئی شیطان ہے! اس سخت حیرت کے ساتھ میرا میری زبان سے نکلا: بالکل میری خلافت! افسوس خود بخود آجانیوں کی دولت کی طرح وہی شخص موجود ہے جس سے میں اس وقت بچنا چاہتا تھا!"

دروازہ کھلا، اور ہاتھ کو ہاتھ نہ سوچھے والے اندھیرے میں سے ایک دراز قد، سیاہ بنیات انسانی، مجھے دروازہ کے سامنے کھڑی نظر آئی! مجھے یاد ہی اور اچھی طرح یاد ہے کہ اس شخص کی نظر آنے والی بنیات انسانی کو محض اندھیرے میں دیکھنے سے ہی ایک عجیب ناقابل بیان اثر مجھ پر پڑا! پہلی ہی نظر میں اس کی شاندار طویل قامت اور اس کے دلکش انداز نے میری توجہ بالکل اپنی طرف کھینچ لی، اس شہر کھینچ لی کہ میں نے کارخانہ دار کے الفاظ بھی ابھی طرح نہیں سنے؟ جو ان بختِ صاحبِ شہر پر کہیں چلے گئے، اس نے طویل قامت شخص کی طرف

مخاطب ہو کر کہا: جناب! ابھی آدھ گھنٹہ ہوا ہو گا کہ میں نے جان بخت کو یہاں بیٹھے ہو سکے دیکھا تھا! آپ ایک دو منٹ کی تکلیف گوارا فرمائیں تو میں لیمپ لٹا ہوں! اگر وہ آپ کے لیے کچھ لکھ کر چھوڑ گئے ہوں گے تو صبر و سیر پر ہی ہو گا! کارخانہ دار لیمپ لینے گیا اور پھر چاروں طرف بکرت اور اندیرا تھا! میں جانتا تھا کہ اب مجھے روشنی آنے سے پہلے خود ہی بول اٹھنا پڑے گا! لیکن اتفاقاً صبح نے، خیالات کی کشمکش نے، غامض وجود و حیرت حالت کے احساس نے، مجھے ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالا دیا! میں اب بھی یہ چاہتا تھا کہ اس عجیب ہستی سے فی الحال کسی طرح چھپا رہوں وہ دراز قامت شکل انسانی اندھیرے میں دو تین قدم آگے بڑھی اور نہایت دلکش آوازیں اس نے پٹھارا: ”سٹر جان بخت! کیا آپ یہاں ہیں؟“

میں قطعی نہیں سمجھ سکتا کہ میں اب بھی کیوں نہیں بولا! ایک ناقابل بیان تشابہ نے۔ بلکہ یہ بد تہذیبی نے۔ اب بھی مجھے زبان نہ ہانے وہی اور میں اندھیرے میں چھپا ہوا غامض اُسی کونے میں کھڑا رہا! نہایت استقلال کے ساتھ قدم رکھتا ہوا وہ اور آگے بڑھا۔ اس فستردھیک میری سیدہ میں آگے بڑھا کہ اس کا اونچا اور شاندار قد بالکل میرے سامنے آکر اندھیرے میں مجھ پر چھا گیا! اب پھر اس نے اپنی موثر آواز کے ساتھ کسی فستردھن نامیز لہجے میں پٹھارا: ”جان بخت صاحب! کیا آپ یہاں ہیں؟“

شرم! شرم! شرم! اب میں خجالت میں ڈوب گیا، اور دیوہ صبر نہ کر سکا! پوری کوشش کے ساتھ میں نے اس بیوہ کیفیت کو اس زبان بند رہنے والے جادو کو جس نے اب تک مجھے بُروں کی طرح چھپے رہنے پر آمادہ رکھا تھا، جوں توں کر کے دور کیا اور حیرت کے ساتھ آگے بڑھتا ہوں جواب دیا: ”جی ہاں! میں یہاں ہوں“ معن سلسلہ گفتگو جاری رکھنے کے لیے

بغیر سوچے سمجھے میں کہے گی۔ غالباً آپ ہی پرس حادثہ شب جنگ میں! میں نے آپ کا خط ابھی پڑھا ہے، مگر نگہ اس وقت میں صرف اسوجہ سے خاموش رہا کہ اندھیرا کھڑا کر آشیادہ پس تشریف لجائیں، اور یہ سمجھ لیں کہ میں یہاں نہیں ہوں! آپ خود دیکھتے ہیں کہ میں کس قدر چٹھا اور صاف گو ہوں۔“

”بے حد صاف“ اس نے جواب دیا۔ اس قدر صاف گو کہ مجھے آپ کا مطلب سمجھنے میں بالکل وقت نہیں ہوئی! غالباً آپ مجھ سے ملنا نہیں چاہتے تھے۔ نہیں۔ نہیں!“ میں نے لاجواب ہو کر گھبرائے ہوئے کہا۔ ”برائے مہربانی مجھے اتنا بدتمیز نہ ہو کہ پھر نہ سمجھتا اور اصل میں ابھی آپ کی تشریف آوری کے لیے کچھ انتظام نہ کر چکا تھا کہ آپ آگے، اور آپ کے آتے آتے ٹیمپ ایک ایک گھل ہو گیا۔ اب اس اندھیرا جو جانیکا سبک بڑا تھو تو میں یہی دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا استقبال کرنا تو کیا میں آپ کے ہاتھ تک نہیں بلا سکتا۔۔۔۔۔“ وہ فوراً بات کاٹ کر اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا ”مجھے میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہوں آپ صی اپنا ہاتھ لائے، اگر آپ میں کچھ ہی محبت اور دوستی کی کشش ہوگی، تو ضرور دونوں ہاتھ خود بخود بغیر کسی رہنمائی کے جلیں گے!“

میں نے فوراً اپنا ہاتھ بغیر سوچے سمجھے۔ بغیر اس کے ہاتھ کی سمت کی طرح دریافت کیئے۔ اندھیرے میں بڑھایا، اور یقین کیجئے کہ میرا ہاتھ اس ڈائمنے والے اور مضبوط ہاتھ کی گرفت میں تھا، کا۔ خانہ دار اپنا سبک اچھا میب روشن کیئے۔ ہاتھ میں یہ اندر گھٹا، اور میری سبک پہلی نظر اس شاندار جسم پر، اس موثر شکل پر، اس حکومت کا انداز رکھنے والی ہستی پر پڑی!!

باقی آئندہ

سلطان حیدر۔ بخش دلیگ

عرضِ ستم

مضطرب خوش گلو مجھے حق صدائے ساز کر
کشتہ بختیہ ہوں میں، واقف کنہہ راز کر
تیر ہی لطف پر ہوا ب عزت شان بدلی
محرم بزم راز ہوں، غیر سے ہستی ساز کر
درد خدی بزم عیش جب غیر تھے تو پھر مجھے
کس نے کہا تھا واقف رازِ حسیم ناز کر
شیشہ دل ہو پاش پاش بوسہ وفا منتظر
اتو نگاہ ناز کو اپنے تو دل نواز کر
غیر کی تہو کریں ہیں اور سنگِ حرم ہے ترا
اوسکی شکستگی کو دیکھ دل کو ذرا گداز کر
غیر پر اعتماد ہے، کر کے ذرا جفا تو دیکھ
اوسکی وفا پہ ناز ہے اک ذرا آزما تو دیکھ

اپنی زمین نہ وہ ہی، اور نہ وہ آسمان
صوت ہزار ہے نہ وہ، گل مکان نہ وہ سماں
صوتِ لغتہ وہ نہیں، حالتِ بزم اور ہے
سازِ کراں رہا نہ وہ جامہ طلساں
خوب کیا رٹا دیا مجھ کو، وے خبر نہیں
اپنی جہیں ہی نہ جب اک تر آستان
بزم سے تیرے لے پلے آرزو فروغِ شمع
پھر بھی تجھے ستم شعاشت کو ہمجان
ہیں جو بریں لغت، وہ دادِ نوال ہیں تجھے
ہم سے تو دوست کش سدا لونی تو سرگراں
بزم سے تیرے نیک ہم ہستی بے مزہ چلے
اُسکے تھے جیسے بنوا، ویسے ہی بنوا چلے

غیر ہے معرفت ترا، ادیں گارِ وفا کہاں
دعوے انس ہے مگر لغت بے ریا کہاں
خزِ حسیم تہی خلی صدائے دردِ ناک
یہ تو سمجھ، میں گے اب ایسے تجھے گدا کہاں
داؤ تانا جب نہین، وصلے تھے بڑے ہو
غم میں اپنے اب مگر قوتِ مرجا کہاں
بچیں حقہ عدو داریِ عجب نوا زیاں
ہم وہ لطف اب کہاں، برپہ ہمتنا کہاں

ہو گئے کا ہشتاد سو سے تیرے گل بجے کون کچھے بھی میں باقوت ہمارا گمان

ہو گئیں چارہ سازیاں تیری فسانہ کہیں ،

مازہ بہت و استنانِ نعم ، قصہ حسرت و محن

خاک میں ماری مل گئیں اپنی امید واریاں تیرے نہ کچھ قصیدے یا ترانے کی بقیہ اریاں

عمر کی جبہ سیالیاں میری میں وجہ سرفرازی ہو گئیں سچ عدد کی سب جھوٹی فاش اریاں

اوروں کی خواہ میری ہی جو لائقِ آفرین رہا عجز و نیاز ہی مرا ہو گئیں ہر ترہ کا ریاں

پاس حقوق جب نہیں ، غم و غم سے کیا مقابہ ان پہ میں نہ پانیاں اونکی میں غم گساریاں

اپنی وفائیں اور ہوں اونکی مذمتیں کھلی غیر کے عیب فاش اور اونکی ہون و نہ اریاں

وہ نہ تیرے ہونے خوں آتی ہو نہ خبر نہ تھی

سہنے کو کہہ دوں با وفا ، بختہ میں وفا لگ نہ تھی

جر کا رہیں ہے ترا جلوئے تابشِ جمال آسکو عدو و برائیں اور نہ ہو بجھے خیال

خونِ بگڑے اُن ، لکھا جس نے صحیفہ وفا مٹا ہی آج اویس کا نام ، آج وہی پاؤں

کس کے پیشِ دگار ہم ، کچھ نہیں اعتنا کرتے اب تو ہر لطف کی نظر سو کہ گئے سب سال

مٹتے ہیں اک بھی نہیں ، تیرے ستم پر ہوشِ کج جاتی ہو عظمتِ اویس مٹتی ہو حرمتِ بلال

جب نہیں تجھ کو نصرتِ مردِ وفاء تو دیکھ اور جلتے ہیں تیری بزم سے ساہتیر کی ہون و بلال

مٹا ہی تیرے ہاتھوں جب بارگاہِ حجاز بھی

طاقت و بندگی ہی ہے ، روزہ ہی کے نادر بھی

نیاز محمد خاں ، نیاز ، فچھوری

لیلیٰ اور توبہ

عزہ کو اب اس بات کا پورا پورا یقین ہو گیا تھا کہ وہ لوگ جو شام
 لیلٰی اب جلتے ہوئے نظر آئے تھے، وہ لیلیٰ اور اُس کے ہمراہی تھے
 اس کے بعد عزہ نے منسی میں لیلیٰ سے پوچھا "لیلیٰ! تم میں اور
 توبہ میں کیا واقعی محبت ہے؟

لیلیٰ نے میں آپ کا مافی الضمیر نہ سمجھی۔

عزہ میرا سوال تو بالکل صاف ہے۔ یہ بات اب تک خود میری سمجھ میں
 نہ آئی کہ جب تمہارا اور توبہ کا دل ملا ہوا تھا، پھر نہ محبت میں کوئی
 امر مانع ہوا۔ یہ ازدواج کا بڑا رکن اتحاد قلبی پہلے سے موجود تھا۔

لیلیٰ "ذرا دہمی آواز سے" یہ داستان خدا جانے کیوں اپنے اس موقع کے
 لیے اٹھا رکھی تھی، جس کے ذکر سے اس وقت مجھے کوئی خوشی یا تفریح
 حاصل نہ ہوگی آپ کو بفرضِ مہمان نوازی اس وقت کوئی ایسا دھچپ
 مشغلہ چھوڑنا چاہیئے جو سفر کا تکان دور کر کے ہمیں تازہ دم کرادے
 عزہ نے اچھا لڑا تھا رہی خوشی سہی، اب یہ ذکر نہ کروں گی۔ طویس جا،
 اور اُس کمرہ سے دفن لے کر آ،

طویس یہ سنتے ہی بقول شخصیکہ "سروہبستان یا دودمانیدن" وہاں سے
 بنی کی چال گیا اور کتے کی چال دفن لے کر بات کہتے واپس آگیا،
 عزہ نے اُس کے ہاتھ سے دفن لے لیا، اور بجاکر یہ شعر
 گانے لگی:-

و کنت اذا ماجئت لیلی تبرقعت فقد رانی منها الغداه سفورها
 علی الدمان ان کان بعلمها یدلی لی ذبنا خیرانی ادورها

ابھی غزہ ان شعروں کو پورے طور سے ادا نہ کر چکی تھی کہ اس اٹنا میں لیلی
 بول اٹھی غزہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ دنیا میں تو یہ ہی کا قصہ آپ کی سیری میں
 طبع کے لیے یاد ہو گیا ہے کہ ہر بازار میں پھیر کے وہی چھٹرا جاتا ہے۔
 غزہ سننے لگی، اور کہا "کیا نہیں ایک نیلی ہو، اگر تو بہ ابن حمرے اپنے
 ان شعروں میں کسی دوسری لیلی سے ٹراور کبھی ہوتا
 لیلی! اس تجاہل کی نیلی ہی رہتی، یوں کہتے آپ اس قصہ کو سننا چاہتی
 ہیں، پس اگرچہ اس کے اعادہ سے مجھے تکلیف ہوگی مگر آپ کی خواہش
 کو بھی رد کرنا میں نہیں چاہتی اس لیے عرض کرتی ہوں سنئے، یہ تو آپ کو
 معلوم ہے۔ کہ ہم اہل بادیاہ ہیں، جن کے اخلاق، عادات، معاشرت اور
 ماز و بود وغیرہ اہل شہر سے بالکل مختلف ہیں، شہر والوں کا دستور ہے
 کہ ان کے یہاں کوئی نوجوان کسی دھیزلہ کی زلفت پیچاں کا اسیر یا چشم پرن
 کا مسح ہوتا تو ان کی فتنہ دیکھ جاتی ہے، ان کے نازک دلوں کو صدمہ سے
 محفوظ رکھنے کی کوشش ہوتی ہے۔ اور شرع و عرت کی آڑ دیاں انکو
 باہمی لطف و محبت کے قایم رکھنے کے لیے عطا کی جاتی ہیں، مگر اہل بادیاہ اس
 اصول کے بالکل خلاف ہیں، ان کے یہاں محبت کا نام و میسان
 میں آیا نہیں اور سختی و غم و محواری اہل عزام کے حواس خمسہ پر پہرہ بٹھاؤ
 گئے۔

اس عشق میں ہم بھی اس طسہ زہتم کے ہدف بنے، تو بہ سے شہر ہی
 دستور کے مطابق مرے والد کو نکلنے کا پیغام بھیجا۔ اور عشق کی خبر شہر سے

پاہی چکی تھی کہ فوراً جی ادلع میں سے میرے شوہر کو منتخب کر کے چٹ منگنی پٹ پیاہ کو دیا گیا۔ لیکن توبہ کا جرم آنا خفیہ نہ تھا کہ محض یہہ منرا اس کے حق میں کافی تصور کیجاتی۔ لہذا میرے اہل قبیلہ کی طرف سے اس کا خون ہر کیا گیا۔

ظالم اپنے اس ارادہ فاسد کی تکمیل کیلئے ایک روز اپنے اپنے بہتیا تیز کر کے کین میں بٹھیکر اسوقت کا انتظار کرنے لگے کہ جوہنی وہ جب معمول مجھ سے ملنے آئے اور اس ناکردہ گناہ کی جان لی جائے۔ بہنچے اس کی خبر پہلے سے لگ چکی تھی۔ لہذا میں اس دن اپنی روز کی عادت کے خلاف مقام ملتخ سے اور آگے جا کر اس کے آمد و رفت کے راستہ میں لے جا بیٹھی، حالانکہ اس سے پہلے کبھی میں نے اس کا بلا حجاب و نقاب کے سامنا نہیں کیا تھا، خیر اوہ اپنی عادت کے مطابق آیا، مگر اس نے آج جو چند امور خلاف معمول پائے تو دور ہی سے وہ کٹکا۔ اور قریب پہونچتے پہونچتے وہ بہانہ پ گیا۔ اور بہر مابین سے گھوڑے کو پیر کر جو اس نے ایڑ بتائی، تو اس کی گرد کا بھی وہاں تپ نہ تھا، اس واقعہ کو اس نے اپنے ایک پُرزور قصیدہ میں نظم کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے :-

فاتک بلیلی دادھلا تنزودھا وشطت نواھا واستمر مرہا
اور وہ بیت بھی اسی قصیدہ کے ہیں جن سے آپ نے تفسی کی :
درہل غزہ تو اس قصبہ سے پہلے سے واقف تھی، اسوقت تو محض ملو میں
کی خاطر اس نے اس کو چھڑ دیا تھا، چنانچہ اس نے کہا :
غزہ تہ میں اگرچہ اس سارے قصبہ سے واقف تھی۔ مگر اس وقت تمہاری زبان

اس کے سنسنے میں اور ہی مزہ ملا، میری واقفیت کا ثبوت یہ ہے کہ اگر تمھارا راز مجھ سے چھپا ہوتا تو پتہ کے محض دو شعروں سے تین پہچان مینا میرے لیے آسان امر نہ تھا، لیکن اگر تم نے اپنے پتہ کے اُن دو شعروں کی نشان دہی نہ سنائی، حق تو یہ ہے کہ جس محفت کا اُن شعروں میں مذکور ہے شہرِ دہلی اُس کی نظیر مشکل سے پیش کر سکیں گے،

یہ لیلیٰ فی الواقع محفت اور پاک نصی تو فہم اہل باد یہ ہی کا حصہ ہے جس میں اس وقت بنی امیر اور جواد مدینہ میں ہونے کی وجہ سے بڑی شہرت پائی ہے۔ میں مگر نہیں بددی قبائل میں کیا بنی امیر اور کیا کوئی سب ہی لوگ اسی درجہ کا اخلاق رکھتے ہیں، اگرچہ نسبتاً کثرت واقعات کی وجہ سے قبیل بنی امیر کو ہی شہرت نصیب ہے، خیر اودہ واقعہ یہ ہے کہ جب ہم دونوں کی ملاقات ہو چکی تھیں، ایک روز کی ملاقات میں تو یہ نے کسی امر خاص میں مجھ سے اصرار کیا تھا، اُس وقت میں نے اُس کے سامنے فی البدیہہ یہ شعر پڑھ کر اپنے تعلقات کا معیار اُسے بتلایا تھا،

ودی حاحۃ قلنا لا یتم بها فلیس الیہا ما جیت سبیل
لنا صاحب کلاینبغی ان نخونہ وانت لا خوی صاحب خلیل
حالانکہ میری اور تو بہ کے سینوں میں جیسے پاک جذبات کا دفینہ تھا، ویسی ہی

ہماری زبانیں بھی اُن جذبات کی ثقہ اور صادق ترجمان تھیں،
اسپر طو لیں قہقہہ لگا کر بولا، یہ بھی کیا مدینہ کی خوشن کی ایسی محفت
ہے اہل باد یہ کی یہ ادائیں میسر سے جیسے غرش طبع آدمی کو ہر محزن
پسند نہیں آسکتیں۔

اس کے بعد عذہ نے پھر دھڑکنے لگی، اور کچھ گانا شروع کیا، مگر گھر

فوراً ہی دلت کور کے عود کو اس خوبی سے چھڑا کر لیل اور طویس، دونوں کے دونوں مست ہو گئے، تھوڑی دیر تک یہی سماں رہا، آخر غرہ نے جب اسے ختم کیا تو کیف اور غرور و سداوشی کا طلسم ٹوٹا، جس پر سیکے لے بہت تعریف کی، اور شکریہ ادا کیا، اس کے بعد اس نے کہا "مجھے آنے ہوئے عرصہ ہوا، اس لیے اب جلد میں آپ سے رخصت ہو جاؤں گی، مگر قبل جانے کے آپ سے ایک امر خاص میں کچھ مشورہ چاہتی ہوں جس کے لیے تنہائی درکار ہے، فقط (باقی)

غالی۔ ندوی

میری قبر اور تم

(ایک انگریزی نظم کا مفہوم بیان کیا ہے)

جبکہ اس دارِ فنا سے میں سفر کر جاؤں گا تب میری چاہت تمہاری بوس چکر کھا لی
نفلے سر با چین ہو کر، آؤ گے رونے مجھے کیونکہ بے میرے طبیعت بے طبع گھبراؤ گی
یہ نلی تپلیاں ڈھونڈیں گی مجھ کو جاؤ یہ دوش پر کا کل تھا اسے سانپ سی لہرائی گی
تم جگاؤ گے کہ اہو بس بہت وحشیہ رہ گیا میں کہوں گا، اب تو سنے دو، یونہی کش جائی گی
پھول ڈالو گے تو میری روح دیگی یہ صدا اب یہ دنیا کی نمائش میرے کیا کام آئی گی
پھول لانے کی ضرورت کچھ نہیں، نہ جو پھول پھول سی صورت تمہاری پھول خود برپا آئی گی

مجھ مجید خستہ دل کو مٹ کے اب کیا چاہیے

تم چلے آئے۔ اسی پر بغفرت ہو جائے گی

محمد مجید الحسن دہلوی

سکہ ہم مانتے ہیں سیزر کا
پر عمر خالد بن مسلام الدین
وہ عمر جس نے تھی بنا ڈالی
کوئی واقف نہیں (ہوں عام کو غالب)
تھا کوئی جو حسیفہ نساں
آئے ہیں کب زباں پہ ان کے نام
کلمہ پڑھتے ہیں ہم سکندر کا
کون تھے کیا تھے جانتے ہی نہیں
کانشی میوشنل حکومت کی
کون تھے حضرت عمر بن عاص
جیسے سولن مقشن یوناں
ہم سے رسوا ہے شوکت اسلام

کس کو، یاں بہشت و دوزخ پر
حور و فلماں یہ سب میں افانے
ایسے پھندہ نہیں ہم نہیں پھنتے
تجہ کو جو تجہا تجہہ کو ہے معلوم
ہم نے مذہب کو چو پچلا سمجھا
تھا معلوم ہوتے ری غفلت
وصول سے کر جو کھنچ لی ڈوری
اب کہاں رکھتے ہیں یہ وعظ اثر
ان کو مانا کریں یہ ملائے
ان خیالات پر میں ہم سنتے
اک وجود معطل و موہوم
صفت کی سر پہ اک بلا سمجھا
اس میں پنہاں ہے راز قومیت
کھل گئی اپنی صاف کمزوری

کل محاسن کو آہ رو بیٹھے
ہم تو خن کا گناہ پہ عامل ہیں
دوسروں کو بھڑائیاں دے دیں
جمع سیات مگشتیم
منفعل ہیں نجل ہیں ناموم ہیں
اپنے عصیاں کا ہے جواب اگر
سادے قومی شعار کھو بیٹھے
اور دغ ماصدا کے قائل ہیں
آن کی ساری بُرائیاں لے لیں
تنگ ایں کائنات مگشتیم
کہتے شرم آتی ہے کہ مُسَلِّم ہیں
تو وہ تیرا کرم ہے لے داور

ہے امیدوں کا آہستہ تیا ناس
آئے فریاد لیے کے تیرے پاس
نیک کردار ہوں کہ بد کردار
کچھ ہی ہوں تیرے نام بوا میں
ہم ابھی تک ہیں (او تو ہے گواہ
وقت اسلام کی ہے دل میں ابھی
ہم میں کچھ ہے حکمت قومی
دین حق کفر سے ہے رسوا آج
کیوں ہو سلام کفر سے مغلوب
تیری مرضی ہے کیا کہ مشعل ہود
یوں پھریں کوچہ جہاں میں خوار
ہوں جو آزاد کردہ اپنے غلام

کرمے عالم سے کا عدم ہم کو

پر دکھانا نہ یہ ستم ہم کو

سنا کہ گر پیش تو بروں سر یاد
آیت شرم گرز درانی
واسطہ ہے تری خدائی کا
بندہ خوش نصیب کا صدقہ
بندہ دل شکستہ و ناشاد
بیدل از بارگاہ سلطانی
واسطہ ہے تری بڑائی کا
اپنے پیارے جیب کا صدقہ
فختمندوں کا سر بلندوں کا
صدقہ اپنے نیک بندوں کا

اپنا وہ وعدہ آج پورا کر

بھٹکا پھراپنے دیں کا ادبچا کر

سید

علم الاقتصاد

یا موجودہ تہذیب

اس علم کا جاننا جس قدر زیادہ ضروری ہے تعجب کے کہ ہندوستانی اسی قدر اس سے بے بہرہ ہیں کبھی کبھی اس مضمون پر ایک آدھ آرٹیکل لکھا بھی جاتا ہے تو عام ناظرین اس پر اتنی غور بھی نہیں کرتے جتنا شاید وہ کسی پہیلی کے تو جھننے یا کسی ہزل گو شاعر کے لایعنی اشعار کے سمجھنے میں کرتے ہوں گے۔

اگر غور سے دیکھا جاوے تو جو انسان کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس کا مطالعہ بغیر اس علم کو جانے ہوئے کامل نہیں کہا جاسکتا اور اس علم کا کامل طور پر ماہر ہونے کے لیے خود انسان اس کے عادات و خصائل، طریقہ بود و باش، ملکی رسم و راج و غیرہ کا جتنا ضروری ہے غرض انسان کے ساتھ اس علم کا تعلق بہت زیادہ ہے اور آج کل کی زندگی میں تو یہ علم ایسا لازم و لازم ہے کہ کوئی قوم بغیر اس کے جانے شایستہ و مہذب ہونے کا دعوے نہیں کر سکتی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ علم کیا ہے اور کس قدر وسیع ہے۔ اسکو انگریزی میں پرنسپل اکانومی یا اکانومکس کہتے ہیں اور اردو خواں مخلوق آج کل اسے علم الاقتصاد یا سیاست مدن کے نام سے پہچانتی ہے کیونکہ شیش اردو زبان کا لفظ ابھی تک اس کے لیے مخصوص نہیں ہوا۔ اور ہوتا کیسی طرح

ابھی تک ہم لوگوں کی توجہ ہی اس طوفان نہیں ہوئی کہ عظیم بھی کسی خاص توجہ کا مستحق ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس علم کو دھیب پیرا میں اُردو و خواں پبلک کے سامنے ظاہر کیا جائے تاکہ ان کی توجہ اس طرف ہمارے اس کے رولن عام سے ملک میں ترقی اور سیدہ سی کے آثار نمایاں ہوں۔ یہ کام ہے ان اہلِ مسلم کا جو اس علم کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ زبان اُردو و پری بھی پوری طرح قادر ہیں۔ ہم تو اس کے ماہر زبان پر قاصر صرف اس بات کا شوق کہ ہمارے اُردو اخباروں اور سالوں میں اس علم کے متعلق بکثرت مضامین لکھے جائیں اور یہ علم کبھی صرح ہندوستان میں رواج پائے ہیں ان چند سطریں لکھنے پر مجبور کرتا ہے۔

ہندوستان اور ایسے ہی دوسرے ملک جن میں قدرتی فوائد پیداوار کے بکثرت ہیں اور جہاں بلا ہاتھ پاؤں ہلائے یا بہت تھوڑی محنت سے پیٹ بھرائی جاتی ہے وہاں صنعتی بیداری کبھی نہیں ہوئی۔ کھانے کو اناج بہت۔ جانوروں کی بدولت دودھ گھی۔ گوشت وغیرہ کی کمی نہیں پکڑے ہی تن و حاکم کے لیے بہت نفیس نہیں تو خیر معمولی سہی لیکن نباتات کے ساتھ۔ پھر کس کی بلا کو غرض پڑی ہے کہ دماغ پر زور ڈال کے شیول کو ایجاد کرے۔ طرح طرح کی دستکاریوں کا رواج دے۔ دس گز روز کپڑے بننے کی بجائے کوشش کرے کہ ہزار گز روز تیار ہو۔ جب غائبی کھانوں یا بھجے کاغذ سے وہی کام نکل سکتا ہے تو نفیس چکنے کاغذ بنانے پر توجہ صرف کرنا فضول ہے۔ سٹی کے بننے کے بھجے برتن میں کھانے سے بھی دال کا مزہ وہی رہے تو تانے کا برتن بنانے پر محنت صرف کرنے سے کیا حاصل۔ آدمی بہت کام کر۔ لہذا تقسیم

دنیا میں کیا کیا کوششیں صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی سوہی میں چھپیں یہ سوال فضول معلوم ہوتے ہیں کہ ہمارے ملک کی کس کس ملک سے تجارت ہو رہی ہے اور اگر سب کو آیا در آمد زیادہ ہے یا کم یا نہ یا ہمارے ملک میں سونے یا نندی کی کس قدر تعداد ہے اور دوسرے ملکوں میں کتنی اور دوسری قومیں ہمارا سونا چاندی سونے کے باریق ہتھیار کے عوض زیادہ بھجاتی ہیں یا ہم ان سے زیادہ وصول کر لیتے ہیں وہ ترقی کی دورانی دوسری قوموں کے برابر نہیں چل سکتیں اور انجام ان کا موصوفہ کیا دولت و خوار و غلامی کی زندگی ہے جو موت سے جی تھکی میں زیادہ ہے۔

نکلیں یہ سوال پیدا ہو کہ اس قدر بیک چکڑے بعد ہی ہرانی فرما کر اسکی تشریح کر دی جائے کہ آخر علم کیا ہے لیکن دراصل اسکی تشریح ہو چکی۔ جو علم ہیں یہ سمجھنا ہے کہ دولت کس طریقوں سے پیدا ہوتی ہے کس طرح اس کی نگہداشت ہوتی ہے۔ کیونکہ ان افراد یا گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے جو اس کے پیدا کرنے میں حصہ لیتے ہیں۔ ایک قسم کی دولت کا دوسری قسم کی دولت سے کس طرح تبادلہ ہوتا ہے۔ ہر انکی ضروریات کا کھانا اس کی پیداوار کی حرکت ہوتی ہیں اور کھانا کھانا کھانا مالدیتی ہے۔ غرض ہم پھر کے جس علم کا انتشار سلطانہ دولت ہو اس کا نام سیاست مدن ہے دورِ ظاہر کہ ہماری موجودہ زندگی میں ساری شکست اسی کے لیے ہوا اور گزشتہ زمانہ میں بھی اسی وجہ سے بڑے بڑے انقلاب ہوئے ہیں لہذا جتنی توجہ اس علم کے حاصل کرنے میں کی جائے کم ہے جو عالم دولت جیسی شے سے تعلق ہو ظاہر ہے کہ قدر کسب ہوگا اور کیا کیا اہم نتیجے ہوں گے عجب غریب پیچیدگیوں میں اس علم کی بدولت پیدا ہوئی ہوئی لیکن اگرچہ اس سب کا نام تمدن ہے اور تمدنی مضامین کا عنصر غالب ہونا چاہیے اس کے مقابلہ میں اس میں اور قسم کے مضامین بھی داخل ہیں اور اس کے صفحہ اسی ایک قسم کے کیسے وقف نہیں ہیں۔ لہذا باقی بہر کہی۔

محمد نصیر الحق - قریشی۔

عالم خیال میں کالج سے مزے کی باتیں

لے وہ در دیوار جو ہو علم و حکم میں - مشہور ہے کالج
آجاو میرے پاس کہ رکھ لوں تمہیں لپس دنیا سے چھپا کر
اسلامیوں کے واسطے بیماری غم میں ایک تم ہو معالج
بچھڑنے، جو کچھ موتیں تھیں جین و چل میں تم میں کہیں لاکر

ہم رہتے تھے آزادی سے سائوس ہمارے بمعمر نہیں خوش خوش
پڑھتے تھے، گرفت نہ تھی پڑھنے کی معلوم بیہوش تھے ایسے
وہ بورڈنگ و فیلڈ کے ہر وقت نظارے ہر طرح تھے دلکش
باہر کہیں جاتے تھے تو پڑ جاتی تھی یہ دھوم "بیگروہ آئے"

تھیں کچھ کر جو چلے آئے ہیں تم سے ناراض ہو کیا تم؟
تم یہ تو ذرا سوچو اگر پاس ہمارے اب تک نہیں ہوتے
تو یہ جو نظر آتے ہیں نعم البدل اتنے غیرت وہ انجمن
امیدوں کے افلاک کے خشنود ستارے تم میں نہیں رہتے

ڈر ہے کہ ابھج جائے نہ دیوانوں کا دامن کانٹوں میں یساں
مٹ ہے کہ کہیں سنی ستائے نہ قوئے کو اور ڈالے، الم میں
لو، لیلو جوانی، ہمیں دید و وہ لکھن باز آئے ہم اس سے

لو، لیلو تانت، ہیں وہ شریاں ویدو جو پہلے عقیلم ہیں

تم غیری آنکھوں میں کھٹکنے کو نہ جاؤ ایک غار کی صورت
قدرت کے تہیں ی ہے جگہ بس میرے ہیں بس دل ہی میں آؤ
دکھلاؤ وہ فردوس کا سا جلوہ دکھاؤ بسک میری قسمت
لو آؤ بس لب شوق کے حسرت بھر دیں لے فوری بنساؤ

مرآۃ از کالج

رحمت مانی مولوی سید احمد صاحب کی پیش بانصیف جو علاوہ کچھ بونے کے
ایک نہایت سودمند کتاب ہے مصنف نے اسے نو ترجمہ کے بعد نہایت محنت کیا
کی گئی ہے بیگانی زبان قلم کشی کے محاورے قصہ کی چسپی و مختصر یہ کہ کتاب
بہتر ختم کیے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا قیمت - ایک روپیہ - (دہر)

مہر فرور کیم - یہ وہ کتاب ہے جو ڈھونڈھے نہیں ملتی تھی اور اب عصمت کینی نہایت
نہایت محنت و تیار کی ہے قصہ کی دلاؤیری زبان کی سلاست دیکھنے سے تعلق
رہتی ہے قابل مصنف مولوی سید احمد صاحب کا نام ہی اسکی خوب نئی کافی ضابطہ قیمت
لڑکیوں کی نشا اور عیالان تعلیم منوں کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی نثر لکھ کر
داسے مولوی محمد عبد الرشید صاحب انجری کی قلم سے نکلے لطف زبان کے
داسے کچھ لکھنا ہے سود ہے ہر خط ایسا موثر ہے کہ ایک ایک حرف کیچھ پر
گوناہی قیمت ایک روپیہ (دہر) ناظرین عصمت و تمدن سے آہستہ نہر (۸)

منیچر عصمت و تمدن
دہلی سے طلب کیجئے

علم الحکمت اور مسلمان

علم الحکرات کو میکانکس (Mechanics) کہتے ہیں اور یورپین زبانوں میں کلکس کے واسطے یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس کی مخارج پر جب غور کیا جاتا ہے تو یونانی زبان میں ملتا ہے۔ پروفیسر میک مارڈی (Prof. Mac Mardie) لکھتا ہے کہ مکانکس یونانی لفظ ہے۔ اور اس کی معنی علم حیل یا علم الحکمت ہیں شمس العلماء مولانا شبلی صاحب طریر فرماتی ہیں کہ یہ فن آجکل بہت ترقی کر گیا ہے لیکن اس کا وجود بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ یونان میں وہ علمی حیثیت سے حاصل کیا گیا ہے اور مسلمانوں نے جب یونان کے علوم و فنون سیکھے تو علوم پر قناعت ہی نہیں کے بلکہ اس فن سے عملی کام بھی لینے عربی میں اس کا نام علم الحیل ہے لیکن اصل لفظ سے صورت بدل کر متعل ہے یعنی منجیق۔ اس کی اشتقاق میں ہمارے علما نے سخت غلطیاں کی ہیں یہ دراصل ایک یونانی لفظ کا معرب ہے۔ سب سے پہلے ایجاد مسلمانوں نے اس فن کی باروں پر شہید کے عہد میں کی۔ یہ گھڑی ہے اور ہدیہ شہنشاہ شہنشاہ فرانس کو بھیجی گئی تھی۔

فرانس کا مشہور مورخ سیدمی یو لکھتا ہے کہ اس گھڑی میں جوڑی جہڑی بارہ دروازے تھے۔ ہر گنڈہ ختم ہونے کے بعد ایک دروازہ کھلتا تھا اور جس قدر گنڈوں کے تعداد ہوتی تھی اتنی ہی تابنے کی

گوئیاں ایک آہنی پیٹ پر گر کے آواز دیتی تیں اور جب وہ درپور ہو جاتا تھا تو بارہ سو اور دروازوں سے نکل کر گہری کے بالائی سچ پر گہرتے تھے۔
 بنجمن نے اس کے علاوہ دشت کی گہری کا حال لکھا ہے اور ڈاکٹر لیبلٹ
 نے اس بیان کی تائید کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اہل عرب
 نے لنگر دار (پنڈل) گھڑیاں بھی بنائی تیں جو پانی کی گہریوں سے مختلف
 ہیں مگر پروفیسر پامرہ ڈن ارشید دانی گہری دس بنا پر اٹھا رکرتے
 ہیں کہ عرب مورخین نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ پروفیسر صاحب کا
 یہ عذر قطعی نہیں۔ مانا جاسکتا جبکہ ہم یورپین مورخین کے مستند تصانیف
 میں اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ پاتے ہیں۔ عرب مورخین نے تو ہزاروں
 واقعات نظر انداز کر دیے ہیں یاں تک کہ شامی میں کے سفارت کا
 بھی حال انہوں نے نہیں لکھا لیکن پروفیسر سعیدی یونے اس بارہیں
 مارجنی اور ایچی نارٹ کے شہادتیں پیش کی ہیں علاوہ انہیں یہ تمام
 ہدایا فراموش کے معبد پانسی نیوان میں موجود ہیں مگر گہری ان میں نہیں
 شمس لٹا سولانا شبلی صاحب نعمانی نے علم الحركات کے ان کتابوں کی فہرست
 دی ہے جو نامی زبان سے سلسلوں نے ترجمہ کیں ہم ذیل میں اس کی
 نقل درج کرتے ہیں :-

نام کتاب

مصنف

کتاب علی الالة انقی نظرہم البنادق

ارشید سس۔

لے یہ پیش کنندہ عین فلسطین گیا تھا اور جامع مسجد دشت کی گہری کا حال ان لکھا ہے ڈاکٹر لیبلٹ
 فرانس کے مشہور عالم ہیں۔ ان کی کتاب تفہیمات بہت سوب کا ترجمہ اردو میں تھن عربک نمبر ۱۰۰
 تھ مشہور کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کی پروفیسر تھے ایچی نارٹ شامی میں کو رہا ہیں

مصنف

نام کتاب

چہل

کتاب الدوائر والدوا لیب

ایرن

کتاب فی الاشیاء المتحرکة من ذاتها۔

ایرن

کتاب الذی الزمر البوقی

ایرن

کتاب الزوالیجی

یارس

کتاب الدوا لیب

ایضاً

کتاب الاسرغنون

ایرن

کتاب فی البحر النقیض

مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ان میں سے اول و آخر کتابیں آج
بھی لندن کے کتب خانہ برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔ پہلی کتاب میں
تصویریں بھی بنی ہوئی ہیں۔

یونانی تصانیف سے مطلع ہو کر مسلمانوں نے خود اس فن میں نئے
اختراعات کیں۔ اور مستقل کتابیں لکھیں۔ بنو موسیٰ نے جو ہاموں کے
دربار کا مشہور فلاسفر تھا اس فن میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام غلطی
سے کتاب الحیل مشہور ہو گیا۔ یہ نہایت محققانہ اور ناواقفین سے
سرخ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں کئی طرح کے علموں کا بیان
ہے۔ مورخ ابن خلکان نے جو ساتویں صدی میں موجود تھا لکھا ہے
کہ میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے اس میں عجیب نادربا تیں ہیں۔ اور
اس فن کی تمام کتابوں سے افضل ہے۔ اس کے علاوہ علامہ ابن جریر
اندلسی نے جامع مسجد دمشق کے گٹھڑی کا مفضل حال لکھا ہے۔ خلیفہ
علامہ ابن جریر نے مشہور میں نام ایسا کا سفر کیا تھا اس کا سفر نامہ حجلۃ ابن حجیر۔ الدین میں چھپا

استنمبر اللہ نے اپنے نام سے بغداد میں جو درخت تنہا یہ قائم کیا تھا اس کے
صدر دروازہ پر بھی ایک بڑی گھڑی لگی تھی۔ واضح ہو کہ یہ گھڑیاں اتنی بڑی
ہوتی تھیں جیسے آجکل گرجوں کے دروازوں پر ہوتی ہیں۔ گھڑیوں کے
اوپر آلات کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ سلطان عبدالعزیز دشاہ مراکو کے پاس
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ایک قرآن مجید تھا۔ اس نے اس کے
واسطے ایک کمائی دار صند وقف طیار کرایا تھا۔

البتہ افسوس یہ ہے کہ اس فن سے مسلمانوں نے کوئی بڑا کام نہیں
لیا مگر کتابیں ضرور لکھیں اور ترجمہ کیں اور بہت ممکن ہے کہ قدیم زمانہ میں اور
ہی آلات ایجاد ہو سکتے ہوں مگر ہم ان کا پتہ بتانے سے معذوریں۔
محمد شفیع الدین خاں - مراد آبادی

ہمارے محترم مولوی محمد شفیع الدین خان صاحب - ایم - آر - اے - ایس
نے حال میں جنگ اٹلی و ترکی کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی ہے
جس میں اسس ہوناک اور قیامت خیز معاہدہ پر کافی روشنی ڈالی ہے
مختلف اخبار و رسائل سے امتباس اس قابلیت سے کیے ہیں
کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد طالب اس کی مفصل - ایچ - ڈرائی
کا سبب ایطالیہ کا قصد اور ترکی کی پولیٹیشن پوری طرح سمجھ میں
آجاتی ہے +

ہمیں ایسے کئی ناظرین ملتے ہیں ہمارے محترم دوست کی اس
اس محنت کی داد دیں گے قیمت ۵۰ صاحب مصنف سے
محلہ بٹی - مراد آباد سے مل سکتی ہے +

زلزلہ

ہم نے چند قبل برائین میں کوہاے آتش فشاں کا بیان لکھا تھا اور ان کی حقیقت اور اصلیت کو دکھلایا تھا۔ اب ہم زلزلے کا بیان لکھتے ہیں۔ زلزلہ کوفارسی میں بولہن کہتے ہیں اور زمین کو زلزلہ بھی کہتے ہیں۔ ایمر قابل بیان ہے کہ برائین اور زلزلوں میں باہمی تعلق ضرور ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ کسی بڑے برکانی التہاب کے پھوٹ پڑنے سے پہلے اس پہاڑ کے اطراف و حوالی کی زمین میں زلزلہ واقع ہوتا ہے۔ گویا وہ برکانی طاقت تڑپ کر اندر سے باہر نکل آنا چاہتی ہے۔ اور یہ بھی مشاہدہ ہوا ہے کہ کسی ضلع یا حصہ ملک میں جہاں پہلے در پہلے زلزلہ آیا کرتا ہے۔ اگر وہاں کوئی بڑا برکانی التہاب واقع ہو جائے تو ان زلزلوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس کا عکس بھی صحیح ہے۔ مثلاً امریکا جنوبی کے انڈیز پہاڑ کے سلسلہ میں جب تنگاراگوا اور کوٹوکسی چوٹیوں پر دھواں نکلنا موقوف ہو جاتا ہے تو لوگ زلزلے کے آنے کے منتظر ہوتے ہیں۔

کلیسیریا کے ۱۸۳۷ء کے مشہور زلزلوں میں اسٹرومیولی کے چھوٹے محروم کا التہاب موقوف ہو گیا۔ اور یہ ان کی تاریخی مدت میں پہلا موقع تھا۔ کیونکہ اس کے ساکن ہونے کا ذکر یہ بیان کہیں نہیں ہوا ہے۔ اسی طرح سے سلسلہ انڈیز میں لپٹو سے ۱۸۹۹ء میں سیاہ دھوئیں کا نکلنا موقوف ہو گیا جو ایک کثیف ستون کی طرح بلند ہوتا تھا۔ اور یہ امر پہلی فروری کو دفعہ واقع ہوا۔

ساتھ ہی اس کے شہر ریو بیٹا کو زلزلے نے ڈھا کر سمار کر دیا جس میں چالیس ہزار جانیں تلف ہوئیں۔

سٹر مالٹ نے جزیروں کے بہت نامی مہقق ہیں دنیا ایک نقشہ تیار کر کے اس میں اون ملکوں اور خطوں کو جن میں زلزلہ ہوا کرتے ہیں۔ بہتر سے رنگ سے دکھلایا ہے۔ اور زلزلوں کی کثرت و قلت کو اس رنگ کے ہلکا یا گہرا کرنے سے ظاہر کیا ہے۔ اس نقشہ کے دیکھنے سے پہلے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں رنگ زیادہ گہرا ہے وہ ایسے مقامات ہیں جہاں برکائی محروم بھی ساتھ ہی ساتھ نظر آتے ہیں۔ جس سے زلزلوں اور برکین کا باہمی تعلق منہم ہوتا ہے۔ کوئی آتش فشاں ایسا نہیں ہے جو گہرے رنگ کے قطعہ سے خارج واقع ہوا ہو۔ اور نہ کوئی گہرے رنگ کا قطعہ ایسا ہے جو برکین سے خالی ہو۔

زلزلوں کی کثرت۔ سٹر مالٹ نے زلزلوں کی ایک فہرست تیار کی ہے جس میں (۱۶۰۶) سال قبل مسیح سے ۱۹۰۶ء تک یعنی ساڑھے چونتیس سو برس کے مشہور زلزلے درج ہیں۔ اس کے بعد ایک فرانسیسی مہقق مرسید شیران نے ایک اور فہرست مرتب کی جو ۱۹۰۶ء تک زلزلوں کو دکھاتی ہے۔ اور (۳۴۵۶) سال میں (۶۸۳۱) ایسے زلزلے واقع ہوئے ہیں جن کا حال قلمبند ہوا ہے۔ مگر سچلہ ان کے تقریباً نصف مندرجہ اور ۱۹۰۵ء کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔ پس اگر اس پوری مدت کے زلزلوں کا داخلہ اسی احتیاط کے ساتھ درج کیا جاتا جو ان پچاس سالوں میں درج ہوا ہے۔ تو غالباً کل تعداد اس طویل مدت میں دو لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ اور ان پچاس سال میں بھی بہت سے زلزلے غالباً ایسے مقامات میں

واقع ہوئے ہوں گے جہاں متمدن انسان کا گدہ نہیں ہوا ہے۔ یا شاید متمدن کے اندر واقع ہوئے ہوں گے جن کا داخلہ ملنا محال ہے فی الواقع گذشتہ صدی سے ہی زلزلوں کی اطلاع و درود و رقعات سے آنے لگی ہے جس کے حکم و نراہ کے وقوع کی بروقت خبر مچاتی ہے۔

اگر ہم صرف بڑے زلزلوں کا ہی خیال کریں تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ سٹرٹ مالٹ نے بڑے زلزلے کی یہ تعریف لکھی ہے کہ اس کا اثر ایک ایسے دائرہ یا رقبہ میں محسوس ہو جس کا قطر ایک ہزار سے بارہ سو میل تک ہے۔ اور اگر قطر چار سو میل ہو تو اس کو انہوں نے درجہ دوم میں رکھا ہے۔ اور جن زلزلوں کا اثر صرف سو میل سے ڈیڑھ سو میل تک کے عرض و طول میں محسوس ہوا تو ان کو درجہ سوم میں قرار دیا ہے ان کی فہرست کے مطابق اس طویلانی مدت پر صرف (۲۱۶) بڑے زلزلے واقع ہوئے ہیں۔ لیکن فقط سنہ ۱۸۰۰ء سے سنہ ۱۸۵۰ء تک میں (۵۳) بڑے زلزلے واقع ہوئے۔ یعنی ان پچاس سالوں میں کل بڑے زلزلوں کا راج۔

زلزلوں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کے کسی نہ کسی حصہ میں بطور اوسط ہر سال ایک بڑا زلزلہ واقع ہوا ہے۔ اگر ہم دوسرے قابل اعتنا زلزلوں کو بھی ان میں شامل کر دیں تو فی ماہ آٹھ کا اوسط ہو گا۔ سٹرٹ مالٹ کی فہرست کے پچھلے چار سالوں میں (۴۰۶) زلزلے درج ہیں جس کا وہی اوسط نکلتا ہے۔ یعنی (۸) مہینوں میں بحساب فی ماہ ۸ ۱/۲ (۴۰۸) زلزلے۔ ان کی کثرت کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں زلزلوں کے وقوع کی اطلاعات ہر جگہ سے پہنچتی ہیں اور فوراً ان کو داخلہ

ورج کر لیا جاتا ہے۔ نہ یہ کہ اس زمانہ میں زلزلے کثرت سے ہوتے ہوں۔ بہر حال نتیجہ بدیہی ہے کہ یہ حرکت زلزالہ زمین کے کسی نہ کسی حصہ میں ضرور محسوس ہوتی ہے۔ جو کسی اندرونی قوت کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے اور بیشک یہ قوت وہی حرارت شدید اندرون کرہ ارض ہے جو زمین کے قشر پر عمل کرتی ہے۔

آیات طبعی زلزلہ مسٹر ہالٹ زلزلہ کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ زلزلہ ایک موج یا موج کا تسلسل ہے جو قشر زمین میں سے بڑی سرعت کے ساتھ گزرتا ہے۔ صدمہ کی حقیقی سرعت سیر یعنی زمین کا حرکت کو نا کسی مقام پر نسبت سرعت سیر مرکز بہت کم ہے۔ صدمہ کی سرعت سیر میں زمین کی سرعت حرکت زمین کی سطح کا نیچے اوپر ہونا ہے جو ان کے کوہنے کی حرکت سے زیادہ نہیں ہے لیکن اس موج کی سرعت سیر مرکز اور اس خطہ میں توپ کے گولے کی رفتار کی نصف ہے۔ یہ موج کی تحت الارضی مقام سے شروع ہوتی ہے جبکو غار یا شکاف مرکزی کہتے ہیں۔ اور موج اس مرکز سے ہر سمت کو مساوی تیزی کے ساتھ جاتی ہے۔ یہ موج اس سطح تک جو صریحاً اس غار مرکزی کے اوپر واقع ہے عمودی سمت میں پہنچتی ہے۔ یعنی ایک خط کی سیدہ میں جبکو اونہوں نے عمود زلزلہ سے موسوم کیا ہے۔ اور جیسے جیسے یہ موج اس عمود سے دور تر ہوتی جاتی ہے اور سکا تر چھاپاں یعنی انحراف بھی بڑھتا جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کی قوت بھی گھٹتی جائے گی۔ یہاں تک کہ بتدریج مفقود ہو جائے۔

مسٹر ہالٹ نے دکھلایا ہے کہ علامات کی درزوں اور شکافوں سے اور نیز دوسری علامتوں سے اس موج کی سمت اور اس کے زاویہ خروج کو

کیونکہ دریافت کر سکتے ہیں۔ اور اوس سے غار مرکزی کے موقع اور عمق کو یعنی جہاں سے اس موج کا آغاز ہوا ہے کس طرح سے حساب کر کے معین کر سکتے ہیں۔ ان کی کتاب اصول مشاہدات زلزلہ میں انہوں نے ان قواعد کے استقلال کا طریقہ بتلایا ہے جن کے ذریعہ سے انہوں نے ۱۸۷۰ء کے کلیبریا کے زلزلہ کے متعلق دریافت کیا تھا کہ غار مرکزی اوس زلزلے کا ایک ضلع کے نیچے تھا جو موضع کا گیان کے قریب اور تقریباً ساٹھ میل بجانب شرق و جنوب شرقی شہر نیپلز سے دور تھا۔ اور جس کا افقی طول نویل اور ارتفاع عین میل تھا۔ اور مرکز پونے چھ میل سطح زمین کے نیچے واقع ہوا تھا۔ ان کے حساب سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کی سطح کا تھوڑا سا اوپر نیچے تین چار میل سے زیادہ تھا اور اس کی سرعت بارہ فٹ ثانیہ تھی۔ مگر اس موج کی سرعت مرور ملک کے ایک طرف سے دوسری طرف بحسب اختلاف مواد ارضی و اجزاء ثانیہ سات سو فٹ سے ایک ہزار فٹ تک تھی۔

زلزلوں کے نتائج و اثرات زلزلوں کے مختلف نتائج کی تفصیل بیان کرنے کے لیے کتابیں چاہئیں۔ مٹرالٹ کی مختلف تصانیف۔ ڈاکٹر ڈائینی کی کتاب براکین۔ اور لائل کی اصول جیالوجی میں اس کے عجیب و غریب نتائج درج ہیں۔ کلیبریا کے ۱۸۷۰ء کے زلزلوں میں اکثر شہروں کی سڑکوں کے پتھر موم میں اڑ کر بالکل الٹ گئے تھے۔ عمارت کی بنیادیں اور کنوؤں کے حلقہ بعض جائے باہر پھینک دیئے گئے تھے۔ زمین میں لمبی خمدار دریں اور شکافیں پیدا ہو گئی تھیں۔ جن میں سے بعض تو ویسی ہی کھلی گئیں اور بعض دوبارہ بتدریج نوچی گئیں اور بعض تو دفعہ بند ہو گئیں۔ مگر کبھی اور شعاعی شکافیں بھی کھیں گئیں مگر وہ اس قدر کم زلزلوں کے

اثر سے اکثر بڑے بڑے قطعات اور چٹانیں بلند یوپیپر سے اُٹھ کر نیچے اتر آئیں۔ اور ایسی زمین لڑوؤں سے ندیوں کے درے اور دایاں بندہ کو ندیوں کا پانی چسٹھا جس سے لیفانی ہو کر بہت سے ملکوں پر پانی پھر گیا اور دیا بُرد ہو گئے۔

جب سمندر کے اندر زلزلہ ہوتا ہے تو کنارہ کی زمین کے موج دوزش کی ایک بہت بڑی موج زمین پر آ کر ٹوٹتی ہے۔ اور زمین کی سطح کو دھیر دھاکر جو کچھ اس کو ضخیمت میں ملتا ہے سمندر میں بہا لیتا ہے جسے سسٹم اور میں شہر لہرن یا یہ تخت پر نگال میں جو بہت بڑا زلزلہ آیا۔ اوس کا مرکز لبنان کے مغرب کی جانب سمندر کے اندر تھا جس سے زلزلہ کی موج نے زمین کو ترچھا ہلا دیا اور مکانات ایسے رتے گئے گویا تاش کے گھر دندے تھے۔ اس کا اثر بہت دور دور تک محسوس ہوا۔ اسپین۔

انجیرز۔ سویٹزر لینڈ۔ جرمنی۔ فرانس۔ ناروے۔ ڈنمارک۔ انگلینڈ۔ آئر لینڈ۔ اسکاٹ لینڈ بلکہ شمال میں آئر لینڈ میں بھی نہ صرف زمین کو زلزلہ ہوتی بلکہ ندیوں۔ دریاؤں اور سمندر کے پانی میں بھی جنبش اور غلاطم پیدا ہوا۔ اس کے وقوع کے وقت گھنٹے بعد امریکہ کے جزائر کے اطراف میں سمندر میں ایسا جوش پیدا ہوا کہ پانی اُس کا کئی فٹ تک بند۔

بوتا ہوا۔ اس کے بعد برابر دو مہینے تک پرتگال۔ اسپین۔ شمالی افریقہ اور ایتالیا میں خفیف جھٹکے برابر محسوس ہوئے رہے۔ اور شمالی امریکا۔

اور بنو مہیشیر میں چند زلزلے واقع ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ اُس رقبہ اور اُس گرد و فوار میں گئی سال تک زلزلی حسرت کا برابر جاری تھے۔

گزشتہ صدی میں میکسیکو میں بہت شدید زلزلے سی سی پی کے کتاب

اور ہندوستان و نیور لینڈ اور دنیا کے اکثر حصص میں واقع ہوئے ہیں جن کی ایک ہی سی حالت تھی کراکاس ۱۹۷۱ء کے زلزلے میں صدر کی سرپرست سیرسی شہید تھی کہ گویا کسی نے زمین کے اندر بہت بڑی سڑنگ کو آگ دیدی ہو۔ اکثر لوگوں کی لاکشیں لاکلکا کے پہاڑ پر جا پڑی تھیں جو لیکن کی پہاڑی ندی کے اوس پار واقع ہے۔ مشرقی لٹ نے اول لائوں کے ارتقاعی اچھالنے کو سوٹ تخمینہ کیا ہے یعنی ہوا میں سوٹ بلند ہو کر گرمی تھیں جس سے تنوع سطح زمین سے صدر کی تیزی فی ثانیہ اسی فٹ حساب کی جاتی ہے۔

جس زلزلہ نے کراکاس کو مہار کر کے کہنڈوں کا ڈھیر بنا دیا تھا۔ اور جنوبی امریکا کے حالی طرح اٹ کو قمرش کر دیا تھا۔ ۱۹۷۱ء کے اوایل میں واقع ہوا۔ اوس وقت آسمان کی گرج سے بھی زیادہ بلند آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ اور کراکاس کے قرب و جوار کی زمین کہوتے ہوئے نیال کی سطح نظر آتی تھی۔ پور ڈیلر کے مرتفعہ حصہ میں بہ نسبت بہت میدانوں کے زلزلہ کے صدمات کی شدت زیادہ تر تھی اور یہ یہ صدمات چند روز تک برابر جاری رہے پانچویں اپریل کو زمین کی سطح کا بہت بلند ہونا کسی گنسنو تک برابر جاری رہا۔ یہ صدمات جو ۲۶ مارچ ۱۹۷۶ء کو شروع ہوئے تھے آخر میں جب ۲۴ اپریل کو سینٹ کا کوہ آتش فشاں پہوٹ پڑا ختم ہو گئے۔ اس کا التاب سو برس بعد اب واقع ہوا تھا۔ اور اس کے پہوٹنے کی آواز کراکاس میں سنائی دی جو اس سے پانچویں دور ہے۔ ہبولڈ کا عقیدہ یہ ہے کہ آواز زمین کے ذریعہ وہاں تک پہنچی تھی یہی ایک مثال برکین دزلوں میں باہمی تعلق کی ہے کہ جہاں برکین متبہ ہو جاتا ہے

اُس کے قرب و جوار میں زلزلہ موقوف ہو جاتا ہے +

تو زلزلہ کی طاقت مشرکات نے زلزلوں کے مرکز کے تنہا علق کو (۳۵ میل یعنی ۱۰۵۰۰۰) ایک لاکھ پچاس ہزار فٹ میں کیا ہے۔ اور یہ بلا لحاظ صدہ نہ ہونے کے ہے۔ مگر اس کو ایک مافوق القوت طاقت کا اثر سمجھنا چاہیے جس سے ایسے ایسے نتائج ظاہر ہوتے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور جن سے ایسے وسیع قبائل متاثر ہوتے ہیں۔ ایک ایسی طاقت جو کئی میل ضخیم مخروط اور طبقات کو اس سطح اچھال دے۔ اعداد میں لیا تو ج پیدا کر سکے جس کا اثر پانچ چھ سو میل تک ہر طرف محسوس ہو ضرور ایسی قوت ہوگی جس کا ہم تصور اور اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ جیسے جیسے ہم مرکز قشوش سے دور ہوتے ہیں اوس کا تشوشی اثر بھی گھٹ جاتا ہے۔ یہ صدہات سطح زمین پر کیے ہی شدید اور مخرب ہوں اور انسان اور اُس کے ساکن کو کتنا بھی ضرر پہنچائیں۔ اور زمین اور پانیوں کو باوریں گویہ سب صدہات بمقابل اوس صدہہ شدیدہ کے جو مرکز قشوش کے قریب واقع ہوتا ہے۔ ایک بہت چھوٹی گہریمیں جانے گی۔ زمین کی سطح اس مہلے قشر یا پٹری کے سبب بہت کچھ محفوظ ہے۔ اور اوس صدہہ کا پورا اثر کہاں اوس کا ایک خفیف جزوی ہیہانک نہیں پہنچتا ہے زلزلہ کی ان سطحی طبعی آیات کو جن سے اس قدر صدہہ پہنچتا ہے فی الحقیقت اوس شدیدہ صدہہ کا ایک خفیف اثر سمجھنا چاہیے جو مرکز پر واقع ہوتا ہے۔

ہم اپنے آئندہ مضمون میں سطح زمین کی خفیف حرکات کا ذکر کریں گے جو خالی از حدیسی نہ ہوگا۔

میرزا مہدی خاں

دقار آباد۔

بختِ حفتہ

بامیدِ تحریفِ شب کی کیا اٹھائی ہے
سو اینزو پہ ہر خورشیدِ یورپ کی ترقی کا
خدا را قوم کو اپنی بچاؤ ہرزہ گردی سے
بارک ہو بارک بختِ حفتہ قوم کا جاگا
نورِ سوچو کہ وہ ہی تو بنی نوعِ بشر میں تھے
کمالِ کس طرح کھینچ کر ہم سے جو طعنے ملتے ہیں
اگر ہم نامحِ شفق بنے بھی تو بیتر کیسا
اس اوقات کا ٹکویا تھا اس لیے ہم نے
کہہ کر لیاؤں یا رب میں دلِ آشوبِ بستر کو
تھا قتل ہے اگر ایسا تو ہم کو قتل کر ڈالو
کوئی ہمدرد ہو تو زخمِ دل کے اسکو دکھلائیں
بہمِ اخوانِ یوسف کس طرح میں خون کے پیاتے
پٹری ہوا اگر وہ لوں سہا کر دستِ نکبت سے

چہے جو قوت سب تار تو جھکھنڈائی ہے
اٹھو لے سو نیاں وقتِ قیمتِ آدمی ہے
یہی حسنِ اخلاق اور یہ شانِ ہمنائی ہے
تصدق اس کے جس نے یہ جھنڈ جھکھنڈائی ہے
جنھوں نے شاہِ اسلام کی رونق بڑھائی ہے
دلِ ازک پہ ناوکِ ظنِ او کی کج ادائی ہے
ہمارے منہ پہ کہتے ہیں ہم کو کیا مصافحہ
کیئے دیتے ہو مصلحت جو بزرگوں کی کمائی ہے
بچھا چاروٹِ فتنہ دامنِ فریب کے دفائی ہے
مٹو بس جاو کیا ادھی سی تلوار اک لگائی ہے
تماشا دیکھنے والی تو یوں ساری خدائی ہے
نفاق و کبرے وہ آگ اس گہر میں لگائی ہے
مردے ناخنِ مہبت دمِ عقدہ کشائی ہے

جگایا ناہِ مشرط ازاد کو جو سوتا ہے

کہ اس منیلے ساتھ اب میں بھی برباد ہوتا ہے

عزیز بھٹی

ناظرینِ قلم براہِ کرم خط و کتابت میں غیبِ خریدار

کا حوالہ ضرور دین +

بیکن

لوگوں کو سخت تعجب ہوتا تھا کہ سسر کو لاس بیکن *Las Bicken* جو اس قدر زامور اور باقتدار شخص تھا، اور جس پر ملکہ الزبتھ کی چشم تعلق کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا، اس کا بیٹا ملکہ کی عنایت خسروانہ سے محروم ہے، خواہ سیر *Sir* ہزار ہی اس کی مخالفت پر کیا نہ تھے رہتے ہوں تاہم اس کی بیٹی تو اس کے باپ کی قدر و منزلت و حسن خدمات کے لحاظ سے کچھ تو جونا چاہیے تھا اس کا سبب ہماری تلاش سے کچھ دور نہیں، وہم یہ تھی کہ نوجوان بیکن سے حقوق عامہ کی حفاظت کرتے ہوئے، جو شش طبیعت میں آکر اپنی دہواں دہار تقریروں سے ہاؤس آف لارڈز (طبقہ امرے) کے دہوتیں اڑا دیے تھے اور حلقوں کی بجلیاں کو ڈاویں تھیں، مسئلہ یہ پیش تھا کہ ملکی ضرورت کے رفع کرنے کے لیے وہ پیسہ فراہم کیا جائے۔ اور بیچارے غریب غریبا کا گلہ گہڑا جائے۔ بیکن نے اسکی مخالفت میں جان تک کی لڑائی تھی، اسی بات پر زور دیا تھا کہ طبقہ نشورے اور امرائے کی کانفرنس اور باہمی صلاح و مشورہ سے اس مشکل بیچ کو حل کیا جائے۔ امر آؤ وزرا کی مخالفت اس زمانہ میں ایسے گناہ کبیرہ سمجھے جاتے تھے کہ جب تک انتہا درجہ کی عاجزانہ معذرت نہ کی جائے اور متوسلین کا بیچ میں پرانہ جایا جائے، معافی ناممکن تھی۔ بیکن اس کو خیال میں لایا اور نہ اسکی کبھی سلسلہ جینائی کی برے *Burleigh* اور سیل *Acile* نے اس موقع کو نعمت غیر مترقبہ بنایا اور خوب خوب نمک مرچ

ہذا کہ اس سریر کو ملک الزبتج کے روبرو مغربانہ شان میں دکھایا۔ ملک جو پہلے
ہی بیسے کی تحریک سے اس کی زد سے بیزار ہو گئیں تھیں، اب اُن کے شعلہ
غضب کی انتہا نہ رہی۔ اس لیے لیکن جب بھی سرکار عالیہ کی خدمت میں ترقی
وغیرہ کا اٹھاس کرتا تو اُس کا جواب یا تو کچھ جواب ہی نہیں ہوتا تھا یا مصلحت
آمینراکار +

لاڈو برے ایک پڑائی وضع کا دور اندیش مستقل مزاج شخص تھا۔ لیکن کی
کچھ تو خود ستانی اور لے بناتی سے وہ مالال تھا اور کچھ وہ اس امر کو خلاف
اصول سمجھتا تھا، بلکہ اُس نے شروع زمانہ سے عہد کر لیا تھا کہ اپنے کسی عزیز
یا شہتہ دار کی سفارش ہرزہ نہیں کروں گا، لیکن کے مزاج میں تلون ضرور تھا
لاڈو برے اس عادت سے سخت جلتا تھا اور اس کی تلون مزاجی کو پوٹھیل
بے بناتی سے تعبیر کر رکھا تھا، اور جیسیرم اس کی نگاہ میں ناقابل عذر تھا۔
لیکن نے اپنے رشتہ داروں کی رشتہ امید کے آخری قسم کو بھی
یک سخت منقطع کرنے کا عزم بالجزم کر لیا اور ارل اونٹیکسٹن کی باڈل میں چلا
آیا اور اٹلیکسٹن: رابرٹ ڈیوڈ رل اونٹیکسٹن Robert Devereux

۱۵۶۷ء میں پیدا ہوا۔ دربار میں حاضر ہونے کے تھوڑے ہی روز
بعد ملک چاکے چاہتیوں میں ہو گیا۔ اور اتنا محظوظ ہوا کہ ناقابل تسخیر آرمیڈا
کی چٹڑھائی کے زمانہ میں ملک الزبتج نے اُسے دم بہر کے لیے چنے سے جدا ہونے
دیا، حالانکہ اس نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے کہ میدان کارزار میں اُسے شریک
ہونے دیا جائے۔ اُس نے نہایت کامیابی کے ساتھ فرانس اور پرتگال کی ہمت
سرخ نام کمیں ۱۵۹۹ء میں اسپین کے خلاف فوج کا کمانڈر مقرر ہوا جہاں سے وہ
بے شاد کام پہلا کیڈر کی تسخیر سے اُس نے اپنی خدمات کو منہ دیا۔ دوسرے سال کی

یہ کہہ دینا چاہئے کہ آئندہ بیکین کا نام میرے سامنے زبان پر نہ آنے جیسے
متذکرہ بالا عمر کے بیکین کے آنکھوں کے سامنے غیروں کو دیدہ سیئے
گئے تو اس شوخ بخت کا دل اپنی بے بسی پر بہر آ یا۔ افسردگی اور مایوسی کی
گھٹا چھا گئی، ارل سے جو بڑا چہرہ شائستہ تھا اس کے غمچہ دل کی کلاٹھ
نہ دیکھی گئی۔ نہایت خلوص دل اور منت قبل سے، تو کہتا تھا کہ
میں ایک اداک جس کی حیثیت تقریباً وہ ہزار پونڈ یا تیس ہزار روپے کی
تھی۔ بیکین کی نذر کی ساری دونوں دونوں میں جذب جنسیت اور رسم نفست
اس وجہ بڑھ گئی تھی کہ ایک بان دو قالب کہنا ناموزوں نہ ہوگا۔ بیکین ایکس
ٹاؤس Essex House (نظر ارل) کی تمام نعمت امان میں
شریک رہتا تھا۔ اس زندگی کی غلط سرت نے صحبت عیش و نشاط
Conspicuous Pleasures کے عنوان سے سلسلہ معنائیں لکھوایا۔
خوش حالی اور بے فکری نے سمنہ طبع پر تازیانہ کا کام دیا، اور ایسے معرکہ آثار
معنائیں بن گئے جس پر قصر علوم "Palace of Learning" حضرت شاہ
ہے اور جیسا گیورم "Guests of Learning" کی مضمون نگاری عیاں
کرتی ہے، اُسے لوگوں کے ذاق اور طبیعت میں پورا پورا داخل تھا، جسے
اس کا مضمون سوانح بہرنا اور کامیاب ہونا کہہ سکتا تھا۔
ظاہر کرتا ہے۔ یہ مضمون سلسلہ کی جلد میں نکلا۔

Masques Masques
ساہان ہیں۔ بجلد اور ہزار ہا کیلیوں اور شوقوں کے ماسک ٹیڈ Masques
یا امر اور وسا اور انکی ٹیڈیوں کا بیس بدل کر شب کے وقت ایک جامع ہونان نہی
دیکھی رہتا ہے۔ یہ ایک امیرانہ و شانہ چوچلہ ہے۔ چارلس دوم و جارج چارم کے

لہذا ضعیف البیان خطا سے مراد یہ ہے کہ پائے گویا لحاظ سے نہایت بلند تھا، مگر اس قدر خلاقی پہلو سے گر ہوا تھا۔ شروع زمانہ میں ترقی کے خاردار پہلے طے کر لے میں اُسے بے شمار تشنگی کی سیول کا سامنا ہوا۔ ترقی اُس کے لیے حقیقی صفت ہو گئی تھی، اور اوج ہمارے زیادہ دیر حصر و طمع نے تمام لطیف مہوسات پر سیاہی کا پردہ ڈال دیا تھا۔ اب وہ جائزہ ناجائز وسائل پر نہیں دیکھتا تھا۔ ترقی کے قدم ہر عرصہ کے بڑھاتا تھا اسی زمانہ میں ارل کا طالع قسمت نصف النہار پر چمک کر برج زحل میں آ رہا تھا۔ آئر لینڈ میں ارل اوسٹن مارن کی سرزد کی میں سرکشی ہوئی۔ ارل کو اس کی سرزنش کے لیے بجا گیا۔ بناوٹ فرو کرنے میں ارل کی تمام کوششیں بے سود گئیں اور شومی اتفاق پر اتفاق، اس بچاؤ کے ذریعہ خود غصہ و پردازی و ہنگامہ بپا کرنے کا ازام لگایا گیا۔ اس صبرم کی ہیئت اقم پر بحث کرنا ہم مصلحت نہیں سمجھتے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ بیکن کو ارل کی شاہ اسکلج سے کسی قسم کے عہد و پیمان کی پوری خیر تھی، بیکن نے اعتماد راز داری کا خون کرنے اور اپنے مربی کے گرفتار کرانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ دوبار اُس نے دخل و مداخلت دیا اور عدالت کو مقید

بقیہ صفحہ ۵۵) زمانے میں اس قسم کے جلسوں کا بہت زور تھا۔ اس میں شریک ہوتوالو کی حیثیت کذالی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ٹول عجیب و غریب فریڈ سے نمودار ہوتے ہیں۔ تن پریشیائی ملک ملک کا لباس اور اس کے مطابق چہرہ پر بچا یا نقاب، قصہ سرود، ہنسی مذاق و ادنیاز کا مقصد اعلیٰ ہوتا ہے، مدتوں کے پھرے ہوئے کو ہی کلچر ٹنڈا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لباس کا پہلے سے سن سمجھتا ہو جاتا ہے۔ بیکن نے اپنے مضمون میں اس تعریف کے لطف کو شائستگی کے ساتھ حاصل کر نیک طریقہ بتایا ہے ۱۲

میں نجات تھامے ورنہ کوکس **سکس** کے منتشر اظہارات نے عدالت کو مرید شک بنادیا تھا، اور چارنغ امید میں جان پڑتی جاتی تھی، ارل کی رہائی ظلماتِ نور میں نکلتی آتی تھی۔

پروفیسر کارڈینر **Gardner** کی سب سے دو فوٹو پبلو وینر آئینہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں اس میں کلام نہیں بکین کارڈینر صریح طور پر دلائل کرتا ہے کہ وہ جس اخلاقی سے بہت کچھ معرا تھا تاہم ہمارا یہ خیال کہ ذاتی بندشوں کو امرسیا سے پرترجیح دیا جائے امرسیا سے کی اہمیت پر جھڑکتا ہے، اور ایسی صورت میں جبکہ بد نظمی اور بد امنی کے دور دورہ کے ساتھ لوگوں کی عزت و حرمت کی خاک ریزی ہو، لوٹ و غارت مچ جائے اور ملکہ کا حق انتخاب و زراعت چھین جائے شکل سے عائد ہوتا ہے۔

من جلا اور ہر دفعہ زیر ارل اوت ایکس الزام بنادت میں ماخوذ ہوا ورنہ نے ایسا ورنی الٹا کہ نام نوٹ ان تک نہ رکھا۔ یہی مخلوق انگلستان جو اس کے دستِ فاتح پر ہر راجہاں سے قرآنِ مہی، جبرائیل نے قومی ہیرو بن کر

کیڈز کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور قوم کی غفلت کو بڑھایا تھا اب بلا لحاظ حسن خدمات ایسا رنگ بدلا کہ اس کی خون کی پیاسی ہو گئی۔ ملکہ الزبتھ کے تخت کو ہلادیا۔ ملکہ مخلوق کا یہ طور دیکھ کے کانپ اٹھی اور بادشاہ خواستہ حکم نافذ کرنا پڑا کہ اذروے شستہ کاغذات بنادت تیار کیے جاویں۔ یہ کام بکین کے سپرد کیا گیا اس موقع پر بکین نے اپنے عمن و مربی کے ساتھ وہ کفرانِ نعمت اور عمن کشی کی کہ جس سے اس کا دامن صفات ایسی ظلمات

۱۔ **سکس** منکر بکین اور ایسز اوت میکاے میں مرج ہے۔ پروفیسر
۲۔ ملکہ الزبتھ نے ارل کے قتل پر اپنی ذات کو صحت نہیں کیا اور مرتے دم تک ارل کی تحو کا افسوس ظلال

آئو وہ ہو گیا جو اُس کی تمام فلسفی اور اخلاقی تصانیف کے ساتھ ملت پانی سے بھی دھویا جائے تو صاف نہیں ہو سکتا۔

مقدمہ کی کیفیت کو بکین نے ذیل کہول کے زنگھا۔ اُس کے کمزور پہلوؤں کو خوب آب و تاب سے چلا دیا، اور ہر جگہ پر ایسی سیاسی ڈالی کہ ملزم بریت کے ہزار سالانہ کرے تو ہی اس کے لیے بچنا محال ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آرل پر فرد جرم ثابت ہو گئی اور اُس نے پھانسی پر دم توڑا۔ یا تو بکین کے ضمیر نے چٹکیاں لے لے کے اُسے آویڑ دیا یا آرل کے یارو ہشتنا کے طعن و تشنیع نے اُس کا نفس تنگ کر دیا، بہر حال اُس نے چند ہی روز بعد اپنی صفائی میں ایک رسالہ موسومہ معذرت جرم *Excuse me* شائع کیا جو ذیل عقلی و نقلی کی لطیف سازی کے مزہ میں مصلحت و وقت کے اجتہاد سے بھی بچنے و بچ رہے۔ اسی بنا پر یقین کے جذبہ پر خیال کیا جاتا ہے کہ اُس کے مضمون بہ عنوان دوستی میں جو عبارت بہت سے اس قسم کے لوگ بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے اسٹیج پر ہم ہمیشہ ایک خاص ترکیب سے کارسازیاں کرتے رہیں گے، جس کا راز صرف ہمیں کو معلوم ہو گا اور کبھی اس کا پردہ فاش نہ ہو گا، لیکن یہ نہیں سمجھتے متواتر یا کاری ایک خوفنا چیز ہے، اور فی الحقیقت وہ شخص جو ہمیشہ کامیابی کا پھریرا لہراتا ہے اور فطرت انسانی کے تیر حوادث سے نا آشنا ہے، ایک خوبصورت نشی کی مثل ہے، اس کا روئے سخن ارل او فٹ سکیس کے ردیکریٹن ہے۔ یہ مضمون بکین نے ۱۶۵ء میں لکھا تھا لیکن بار دوم جو ۱۶۲ء میں شائع ہوئی اُس میں اس نے اڑا دیا۔

۱۹۱۲ء میں بکین کے صفائیں اول بار بہت چھوٹی قطع پر شائع ہوئے تھے اسکو بکین نے اپنے آکا بھائی آنتونی *Anthony* کے نام منون کیا تھا۔ اس میں دس مضمون تھے (۱) مطالبہ (۲) گفتگو (۳) آداب و اخلاق (۴) دوست اور پیرو (۵) انتخاب دوست *Switors* (۶) اخراجات (۷) تواضع (۸) اعزاز و شہرت (۹) فرقہ بندی (۱۰) معاملہ کرنا۔ یہ کتاب مضمون آفرینی، لطف محاورہ اور کمال انشا پر داری میں اپنی نظیر آپ ہی، اور ایسا قبولیت کا جامہ پہنا کر زبانِ زوفا ص و عام ہو گئی۔

ملکہ ازبک کا پُر شکوہ و دسلطنت جو یادگار زمانہ تھا قریب الانقضاء ہو چلا تھا ملکہ کا دل بے بشتی اور ریاکاری دینا سے بے زار ہو گیا تھا۔ چونکہ اُسے تحقیق ہو گیا تھا کہ وہ امراء جنہیں وہ دل و جان سے اپنا شیلہ و جان نثار سمجھتی تھی۔ اُسکے جیسے جی اسکا مینڈ کے ہلال نور و زکوہ پر وہ مراسمِ بندگی بجا لایا کرتے تھے اور لکھ سے یک گونہ کن رہ گئی کرتے جاتے تھے۔ زمانہ کی یوسفانی اور ملکہ کی جانکا تنہائی جس قدر دل سوز تھی اسیدرجہ قابلِ رحم۔ اُس کے تمام کہن سالِ انقضاء و دسا شربتِ مرگ پل پلکے تھے۔ برے جوان سب کے فائق تھے ۱۹۱۲ء میں لغد اجل بن چکا تھا اور اُس کی جگہ اس کا بیٹا مسند وزارت پر ٹھکان ہوا تھا۔

سترہویں صدی کی نئی پود عالم موجودات میں سبزہ خور و روکی طمع جوش اڑی تھی اسکا فکر و فکری تخیل و بیرون سے ہوش کے خانوس سے روشن تھا۔ زمانہ کی نئی آفت کے ساتھ کہتہ اصول سیاست کو بہت نئی چالوں سے کاغذ م فی الوجود کر دیا تھا۔ اس کی تدابیر سیاسیہ کی پاشنی میں لطف ہی اور تھا۔ اسکاٹ لنڈ کے برے کے پرستش کرنے والوں میں بکین سب سے چار قدم آگے تھا۔ یہ عالم تو ایک

۱۲۔ ہلال نور و زکوہ میں جس شاعر نے ملکہ کی اسکاٹ لنڈ ہوا۔ ۱۲

رائے سے شطرانہ چالیں چل رہی تھیں۔ ایک طرف تو ملکہ الزبتھ کی خیر خواہی میں زمین و آسمان کے قلابے بٹا رہے تھے۔ آئرلینڈ کی مصالحت پر لارڈ سیسل کو ایک ایڈریس کیا جس میں بے انتہا کروفر سے حق و فدا داری و نمک حلائی کا اظہار کیا۔ دوسری طرف انگلستان کی حسد پوری پر شاہ اسکاج پر ڈھونڈے ڈال رہے تھے۔ وروا تمیز ویریں لارہا تھا۔ جو میں کہ انگریزی سلیمان تخت انگلستان پر جلوہ افروز ہوا، لیکن دیرباری و پسندیر باتوں کے سادو سامان سے تیار ہو کر خدمت میں حاضر ہوا۔ مغربی جو ہر خداداد تھا، جو بات و مانع سے اتارنا ہو گا، وہ شربت کے گہونٹ کی طرح کانوں کی راہ سے دل میں اتر جاتی ہوگی۔ جھوٹ بھی بے معنی اور لطافت سے خالی نہ ہوگا۔ اشریہ ہوا کہ چند ہی روز سلطنت میں نائٹ ہڈ کا خطاب مع سائٹ پوٹیشن کے عطا ہوا۔ پیشین یہ صد حسن خدمات انتہونی براور لیکن عطا ہوئی جو جیمس James شاہ اسکات لینڈ کا تخت انگلستان پر سیر آرا ہوئے کا دل و جان سے خواہاں تھا اور سلطنت میں عالم جاودانی کو سدھا چکا تھا۔ سپر نہوڑے روز بعد لیکن شیر شاہ یا فریڈرک کورسٹن مقرر ہوا۔ اور اس کے صلہ میں چالیس ہزار سالانہ کا اور عطیہ ہوا۔ بادشاہ کی خوشامد نہ ہمدردی اس پیر پر یہ سب کی نہیں کہ زبان قسم سے تاج و تخت انگلستان و اسکات لینڈ کے اتحاد میں کاغذی دلائل اور براہین کے قبیلست دوڑا دیے۔ سنے اور تیغ و ہن سے تقریروں میں شراب پیدا کر دیے تھے۔ فی الحقیقت اس باب میں جیمس اول کی طرف اشارہ ہے۔

James
 نائٹ ہڈ۔ کے، سی، ایس، آئی کے خطاب کو کہتے ہیں۔

اُس کے مضامین ایک قابلانہ صفت ہیں، جس میں اُس نے "اتحاد" کو تاریخ و مشاہدہ یا عقلی و نقلی دلائل کی رو سے نہایت عالمانہ طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہتا ہے "قانون قدرت صحیح قانون مصلحت کے بالکل مطابق ہیں، ان میں کچھ نسرق نہیں، ایک نظام عالم کی باقاعدگی ہے دوسری نظام سلطنت کی سلطنت کی سچی عظمت کی داغ بیل "اتحاد" انگلستان و اسکاٹ لینڈ کے مضمون میں ڈال چکا تھا۔ اسی پر اُس نے یہ عبارت چنی۔ یہ ذکر کرنا بھی خالی از حسی نہ ہوگا کہ جب جمیس نے اکتوبر ۱۶۵۲ء میں شاہِ برطانی اعظم *King of Great Britain* کا لقب اختیار کیا تو سبک کے ہی بیجوت سے برطانی *Brittany* سے بریتینیا *Britannia* تخفیف ہوا۔ خیر بیکن نے اتحاد انگلستان اور اسکاٹ لینڈ پر یہی ساطع و قاطع دلائل پیش کیں کہ بانٹ کیسی اچھا اس مسئلہ پر غور کر کے فیے جمع ہوتی تھی۔ اُس نے اسکی تجاویز سے سربراہ اختلافات نہیں کیا۔ اور اگر جمیس اول یہ شق بیچ میں نہ نکالتا کہ ملکی اور غیر ملکی کے حقوق سلطنت میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے اور ضد سے پیش نہ آتا تو اتحاد انگلستان و اسکاٹ لینڈ کی تکمیل اس کی اصل تاریخ سے سو سال پیشتر ہو چکی ہوتی۔

باقی آئندہ

ستید شکت بھلی

سلسلہ نقاد ویر خدیوان مصر پر ہمارے محترم سید شوکت صاحب جو مضمون لکھ رہے ہیں وہ آئندہ پرچہ میں درج ہوگا۔

شکوہِ بخت

کایا ب ایک جہاں مجھ سے ہو اور میں ناکام
 بزمِ عالم میں ملی قیمت ساقی مجھ کو
 دل ہے اُلور مرا خونِ دلِ آبِ آنکھوں
 جس طرح شیشہ کہ بہ لذت سے نہ محروم
 یا، ویکش ہوں کہ پینے کا ہوتے دغن جس کو
 بلکہ وہ غلامِ میخانہ کو تجھٹ نہ ملے
 حوضِ کوثر پہ بھی پہنچوں تو ہوں تشنہ و ہن
 منحصر وہ کی لذت پہ مرا عیش اے
 بزمِ عالم یہ محورِ عشرت لیکن
 ابرو باد و سہ و خورشید و فلک رکازند
 جامِ معکوس کے مانند سہ و سہرِ نجوم
 گرچہ مصورتِ سانہو میں جاب لب جو
 اس طرح خونِ تمنا سے مرا دل معصوم
 بے بہا بدن کی صورت ہوں جہاں میں کیا
 خراب میں ہی نہیں ممکنِ فحشا و عشرت
 تلخ کامی میں بھی ہوتی ہے عداوت کچھ کچھ
 اتنا کہا نے کو نہیں خیرِ جگر بھی باقی
 سستی تقدیر کچھ پسی کہ نہ ملی پر کر دھ

میری تقدیر کی گردش ہو مگر گردشِ جام
 آپسے کی قسم سب کو پلا، مرا کام
 خود کوئی لطف ہیں اور میں سرشارِ عوام
 اور شیشے ہی میں بہ بند شرابِ گلہام
 اور آک سا سنے رکھا ہو اُس سبزِ ہوام
 اور سیراب مرے ہاتھ سے ہوں یو آشام
 نعل میں جالے پٹ آؤں میں بے نیل و مر
 ضبط گریہ پہ ہے موقوف مرا شرابِ غلام
 پینے حصے کا نہیں نکلہ دہر میں جام
 لیکن اپنا تو کسی سے بھی نکھانیں کام
 صورت کا سہ خالی فلکِ نیلی خام
 میری قیمت سے مگر وہ ہی میں اوندی ہو جام
 موزن جیسے مرا میں شرابِ گلہام
 کہنے ہی جاؤں تو بازار میں اتنے نیل و نام
 شکیا عیش کا یوں صفحہ تقدیر سے نام
 لیکن اپنے اتنی سی ہی لذتِ حرام
 صنعتِ مجھ کو بنایا ہے وہ لاغرانہ نام
 شام سے صبح ہوئی اور ہوئی صبح و شام

رات آتی ہے باغِ شبِ حبس کی طرح
 دلوں کو غم کی طاقت نہ تو ان کی ضبط
 آن بلاؤں میں گہرا ہوں کہ عیاذِ با اللہ
 قبر ہے میرے لیے خانہ تاریک مرا۔
 اک دلی زار مرا اور ہزاروں آفات
 کہ دینام نے گھلا کر مجھے کاٹا یا
 آنکلیاں میری طرف اُشتی ہیں مثلِ بد تو
 گردشِ انجم و افلاک کو مجھ سے ہی چیند
 آگ جسے جو بھی ہو بھی بارشِ طلب
 مٹی ہو جائے چوون میں جو گلا خالص
 عالمِ یاس میں کیوں جن فلک کی جانب
 شعلے دریا سے اُٹھتے شبنم ہی پر میری
 فوج کر یکوہ عید دکھائے نہ خنجر
 دل سے دل لٹنے کی تہ میرے کام حال
 در و دل زخم جگر سوزِ محبت در گور
 ضبطِ گریہ کی یہ کثرت کہ ہو دل اک دریا
 و لیں ہر جمع حسرت کہ نفس و شوار
 وصل میں مالِ دل زار کی آنکھیں غماز
 نامرادی جو یہی ہے تو خدا حافظ ہے
 زحمتِ عمر قلیل اور یہ قیصہ ہے طویل

دیر تک شب کو اسی فکر میں غرقاب تھا میں

اور گیرے گئے تھے ولی کو ہزاروں اولیاء

کبھی ناقدری دنیا سے طبیعت یوں کبھی ایک دیدہ ایس ناقص و خام
یاس و اُمید میں تاویر رہی رد و بدل آغوش عقل نے صاویجے اپنے احکام
مورخانِ دل سے ہوئی یوں برباں گویا کیوں ہے گزشتہ نیرنگِ طلسمِ اودام
بدسلوکِ زمانہ کی شکایت تا چند تنگدانیِ معذہ کو کہاں تک الزام
سخی گویا وہی محنت کی کچھ قید نہیں عرض جو ہر کامِ قرین کی کوئی ہنگام
گرچہ ہر بات میں ہے رضی خالقِ صغیر پر ہی انسان کو بنایا نہیں قسمت کا غلام
ہے بشر کیلئے تقدیرِ معب و ازل اور تدبیر ہے اک لوحِ طلسمِ ابجہ نام

پڑتی ہے رشتہ تقدیر میں جب کوئی رُہ

بیٹے ہیں اہلِ خرد ناخنِ تدبیر سے کام

خگر

یَاسِیْنُ - بر فیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم۔ اے مصنفِ خواجہ

کا یہ لاجواب نیتِ سخنِ نازد اور تمدنِ انجینی کی پہلی کتاب جس کا سروسے
دک کو انٹرنیٹ پر تیار ہو گئی ہے یہ کتاب جو در حقیقت حسن و محبت
کی زندہ تصویر ہے قابلِ مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلباء
کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث
کی ہے کہ جسے ساخنہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

یاسین جو اس تمام تقسیم کی جان ہے اور نگالہ کی ایک مشہور نازین ہے
اسکی زندگی کا ہر وقت فلسفہ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوب سے حل
کرتا ہے۔ قابلِ مصنف کا اسمِ گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت

ہے قیمت فی جلد ۷/- منیجس عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجئے

ہمیت

جلد فہم میں سے علم ہیئت کی قدسیت امر مسلم ہے علم ہیئت النجوم جس سے اجرام سماوی کی تقسیم ان کے افعال خدمات حرکات کا پتہ چلا مسلمانوں کی جانکا ہوئی ان کی تحقیق و تلاش کا سب سے زیادہ ممنون ہے۔

قدرت کے انعامات میں حشمت و تہذیب علم جہالت، افریقہ کی وحشی اقوام اور یورپ کے تمدن قبیلے قوت مشاہدہ کے اعتبار سے یکساں ہیں شب و روز کا انقلاب، موسم کا تغیر و تبدل، آفتاب کا طلوع و غروب، ماہیتاب کا عروج و زوال ہر کام کرنے والی آئینہ کے روبرو ہے، لیکن طلسم قدرت پر غور کرنے والی عقل باسانی یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ قدرت کا ہر انتظام صرف انسانی دنیا کے بقا کی ضرورت ہے اور نظام عالم حیات انسانی کی آسائشوں میں سہولتیں پیدا کر رہا ہے۔

وہ بھولا بھٹکا مسافر جو تمام رات جنگل بیا بان میں مارا مارا پہرا جس کو منزل مقصود کا پتہ تک نہیں وہ تباہ و برباد ہونیوالی کشتی جس کو بادِ مخی لٹن منزل مقصود سے دور لے گئی اور طلاح کنارہ کی صورت دیکھنے کو تڑپ رہا ہے اس بے بسی اور یکسوی کے عالم میں ستاروں کو دیکھ کر دلوں کو یہ تسکین دے رہے ہیں کہ خطرناک رات کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا کاشٹکار موسم کا پتہ آسمان سے لگا لیتا ہے اور دیکھنے والے ہوا کا رخ پہچان کر بارش سے خبردار ہو جاتے ہیں۔ المختصر قدرت کے انتظام پیش نظر ہیں اور عقل انسانی اس سے نتیجہ اخذ کر رہی ہے۔

مصری ہندی ہینی قالہی وغیرہ سب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے علم ہیت پر توجہ کی اور سائنس کو معراج کمال پر پہنچایا۔ ماس وقت ان تمام دعوؤں پر سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ چین میں ہیت کی ترقی نہایت قدیم زمانہ میں ہوئی مگر اس کا حساب ان کے ہاں پانچ ہزار برس تک پہلے کا موجود ہے جو جہنی لینے چین کا وہ مشہور شاہنشاہ جو اس سلطنت کا بانی ہے علم ہیت کا پہلا نام تھا جس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اس علم کی تحصیل میں بسر کیا جو ہینی سندھو کی سے تین ہزار برس پہلے موجود تھا اور حقیقت اس نے علم ہیت کی کج فہم فستردانی کی اس کے بعد شاہنشاہ سوگند ٹی نے ایک رصد گاہ تیار کی جس میں سال و ماہ کے حساب کی صحت کیجائے اسی کی کوشش اور تلاش کا یہ نتیجہ تھا کہ شمسی اور قمری مہینے برابر نہیں ہوتے تو انک ٹی ہیت کی تلاش میں اس قدر سرگرم اور محنت کے اعتبار سے اس قدر محنت تھا کہ اگر سی ماہر فن کی کوئی پیشین گوئی غلط ہو جاتی تو اس کا خمیازہ سزا موت تھی اس کے بعد جب بادشاہت سلطنت پر جلوہ گر ہوا تو اس نے بھی علم ہیت کی خدمت میں کسر نہ کی اور چینی سال اب تین سو پندرہ روز کا اسی کے دوران حکومت کی یادگار ہے۔

ان تینوں کے بعد جو کائنات کے زمانہ میں بھی علم ہیت نے سر زمین چین پر بہت معقول ترقی کی مگر آفسس جیو کائنات کے بعد چین سے اس علم کی فستردانی اٹھ گئی اور سن جی کائنات کی کو اس فن سے ایسی نفرت ہوئی کہ اس نے نہ صرف رصد گاہیں برباد کر دیں بلکہ تمام کتابیں ہی جلادیں مگر مسلمانوں کی خوشہ چینی سے وہ بعد میں تنفید ہوئے۔ کیونکہ اکثر علماء

مسلمانوں کے چین میں پہنچ گئے تھے۔

چین کے بعد جب ہم ہندوستان کی ہیئت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہکود مختلف خیالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ سائنس کی تمام ترقی و سرسبزی کا فخر اس سبزمین کو حاصل ہے بعض کہتے ہیں کہ جب فیشا غورس ہندوستان آیا تو اس نے اس علم کو بیاں ہی رائج کیا۔

ان دو کے علاوہ ایک تیسری رائے بھی ہے کہ نویں صدی میں مسلمانوں کے ساتھ علم ہیئت بھی ہندوستان میں آیا اور ان کے تنزل کے ساتھ یہ بھی کمال کو پہنچا۔ یاد بخیر شروع ہوا۔

ہکود اس بحث میں کہ کوئی رائے درجہ صحت کے قریب ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ فیشا غور^ش اور گوتم بدھ کا زمانہ قریب قریب ایک تھا مگر سری کرشن کا زمانہ ان دونوں سے بہت پیشتر تھا اور سری کرشن کی بابت منجموں کی پیشین گوئیاں ہو چکی تھیں جس کو ظاہر ہے کہ علم ہیئت کا وجود اس وقت بھی ہندوستان میں تھا۔

تاریخی واقعات تیسرے خیال کو بھی مسترد کرتے ہیں اور پہلا ہی خیال ہندوستان کے متعلق زیادہ صحیح معلوم ہو رہا ہے۔

یونانی مورخ قالدی اور مصری اقوام میں علم ہیئت کے قدیم نشانات کے وجود کا اعتراف کر رہے ہیں۔ ان کے سامنے کالڈایا کا صاف مطلع تھا اس نے انہوں نے اس فن کو واقعی ترقی دی۔ اور کسوف و خسوف کے دوستیں دوسرے جو اٹھارہ سال شمسی میں ختم ہوتے ہیں ان ہی کی تحقیقات کا نتیجہ ہے اسطرح ہینشی قوم کی کوشش بھی قابل تسلیم ہے مگر ان کی تمام کوششیں جہاز رانی پر منحصر ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جہاز رانی میں ان کو تارو کی پوری تحقیقات کرنی پڑی گی مگر انیسویں اوقات انکی محنت کا پتہ نہیں دیتے۔ (باقی) ایف۔ احمد

گوزنِ عریاں کی سیر

یگنائیں گوزنِ عریاں میں ایک جن حسن
 نہ تھا بتیئے کہ دفن ہی ایک بستی ہے
 بس ایک مٹی کے تودوں پر پڑی تھی لگا
 نہ بام و در نظر آیا نہ کہشتر کی و غرفہ
 بغور قبر کو دیکھا تو بڑھ گئی حیرت
 سنے خاک کے کچھ اور امتیاز نہ کھتا
 یہ وہ جگہ تھی کہ سوتے تھے ہر طرح کے لوگ
 ہزاروں ایسے کہ مشہور تھے زمانہ میں
 ہزاروں ایسے کہ قہمی جنگِ خون کی اک ہوم
 ہزاروں ایسے کہ تھے جنگجو و قندہ شکن
 ہزاروں ایسے کہ تھے خوش گلہ کچھی مشہور
 ہزاروں ایسے ہی عالم ہزاروں ایسے فقیر
 غرض کہ سب ہی اوجھے و یار میں آئے
 میں جب کہ اتنا سی کچھ میسی بخودی چھائی
 یکایک ان کی کسی سبک صدائے عجیب
 یہ کیسی تمکھو سی حیرت سمجھ تو اے غافل
 فنا ہو سب کیے اور میں پہ آنا ہے
 ہر آنکھ زاد بنا چار بائیس نو شید

او د اسی ایسی تھی چھائی کہ گم ہوئے اوساں
 مگر جو دیکھا تو پھر عقل ہو گئی حیران
 نہ آدمی کا پتہ تھا نہ تھا گھر و نشان
 نہ کوٹھا تھا نہ آثار سی صحن اور دالان
 پتہ نہ تھا کہ یہ درویش تھا یا تہا سلطان
 کہ یہ فرار ہے بڑے کا ہے یہ قبر جوان
 بنی تھی سب کے لیے صرف گور نہ و مکان
 کہ جن کا ایک نہ رہتا تھا اب لے جان
 کہ جنگی تر جمی لگائیں کال لیتی نہیں جان
 کہ جن کے پاس تھی ہر وقت تیغ و زہان
 کہ چمید واتی تھی و لکھ جن کی لاکھ تان
 مرید جن کے کلمات کا تھسا سماں
 مگر جو ڈھونڈے اذ کو تھیرے نہ سن
 کہ لکھیں تھیں عالمی ریت میں محمد بن زبان
 تھی اس طرح کی یہ تھیں تھیں تھیں تھیں
 عمارت میں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں
 نہ اس میں شہر و شہر تھیں تھیں تھیں تھیں
 نہ بام و ہر تھیں تھیں تھیں تھیں تھیں

فراق

وہ فراق تو چاہے بہت محبوب کتم

صبر ایوب کتم مگر یہ یعقوب کتم

آہ! فراق کہنے کو تو ایک چھوٹا سا چار حروفی لفظ ہے مگر معلوم نہیں کس قیاس میں
کا اثر کہتا ہے کہ اس کے ذکر سے سخت سے سخت دل بھی بھر آتے ہیں۔
یوں تو فراق چاہے کتنے ہی عرصہ کے لیے ہو بُرا ہوتا ہے مگر ہائے وہ
فراق جسے ”فراق دائمی“ کہتے ہیں کن الفاظ میں بیان کیا جائے کہ کس قدر
مصیبت ناک ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

جد کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
اور آہ جدائی بھی وہ جدائی جو ہمیشہ کے لیے ہو۔ آہ موت بڑی ظالم ہے ایک کو
لیجاتی ہے اور ایک کو چھوڑ جاتی ہے۔ اللہ اللہ جن کے لیے ہزاروں منتیں
مرادیں مانی جاتی ہیں اور جن کا سن و سفل ابھی اس بے رحم کے شکنجہ میں پھنسے
کے قابل نہ تھا وہ تو جیل بے اور ایک وہ ہیں جو رات دن موت کی آرزو کرتے
رہتے ہیں اور یہ جو ٹوں نہیں پوچھتی +

سہم کسی عسکر کی کیوں نہ ہو بڑی بیشک بری اور بہت بُری گویا ہے
جوانی کی موت نہیں نہیں کیسوں سال جوانی کیسے کہا جاتے نو جوانی کی
موت کوئی اہل دل کہے کہ اس موت کیسے کوئی ایسے الفاظ ہیں جو
استعمال کیئے جائیں اور کون ایسا بے رحم دل ہو گا جو اس عمر کی موت
پہنچڑوں نہ ہو۔

ہاں اے دل تڑپ تڑپ اپنے محبوب کے لیے تڑپ اور ایسا تڑپ کہ ہمیشہ کے لیے تیری تڑپ موتوں ہو جائے بس جاؤ اے آرزو دور ہو جاؤ۔ اے خواہشوں سٹ جاؤ۔ اے قنود برباد ہو جاؤ۔ اے جاں دے جان پیا۔ آنکھوں کا سہارا زندگی کا سہارا خست ہو گیا بس اب تجھ سے رخصت بھل نکل اے روح نفس جسم سے نکل جا آرزو رہا۔

صبر سہرہ کہنا بہت آسان کرنا شکل ہیں شکل سے نہیں ناممکن ہے بچپن کی محبت دیکھا تھی ہمیشہ کی بدالی کہیں قابل صبر و شکیبائی ہو سکتی ہے نہیں نہیں ہرگز نہیں اگر کوئی شخص ایسے ذہن میں صبر کر سکتا ہے تو وہ یا تو انسان شیرازہ فرشتہ یا دوس کے پہلو میں دل نہیں سنگ خار ہے۔ مگر ہائے انوس موت پر خستیار نہیں۔ ہائے۔

شب ہائے ہجر اگلا ندیم ورتنا ایم مارا بخت جانی خدا میں گس نبود ہائے معذم نہیں کہ اکسیریں تاسخ ذی الحجہ کی کسی مصیبت ناک تاسخ تھی کہ ایک اکسیریں سالہ نوجوان عزیز ہم سے ہمیشہ سکے کیسے جدا ہو گیا آہ آہ

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی آہ زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا۔ یا تو وہ عالم تاکہ مرموم میر صلاحیت علی سعید میں اور بدنام کنندہ نام محنت۔ یہ ہے بہر جب ہجران۔ ہلد چشیدہ ہمدی علی سعید میں وہ اخلاص تھا کہ ایک منٹ کی بدائی شاق تھی اور جسم و جان کا حال تھا بااچائی ہوئی تھی ہوئی کہ جسکی ختم کی مدت ہی معلوم نہیں اب زیادہ نہ زبان قلم میں طاقت بیان ہے نہ مجھ میں تحریر کا یا ماسا سے اس کے کہ

خدا بخت بہت سی خوبیاں تھیں مینوایا
دل بتیائے اپنے عزیز کے مرنے پر کئی ایک مادہ ہائے تاسخ کہہ تھے

جن میں سے سندھ عیسوی کے صرف دو تاریخی مصرعے تحریر کیے جاتے ہیں

رفتہ زوار فنا پسر صلابت علی

اور موئے وادریعنا صلابت علی

چونکہ مرحوم کو اس قابل قدر رسالہ تہن سے نہایت اہم تھا اور وہ اسے

ہمیشہ نہایت شوق و ذوق سے ملاحظہ کرتے تھے بلکہ مجھے آج تک کبھی یہہ

نقصیب نہوا کہ چرچہ اولن سے پیشتر دیکھنے پاتا اور شاید وہ کچھ دنوں زندہ

رہتے تو اشاعت تہن میں بہت کچھ کوشش کرتے اور میرا ہاتھ بٹاتے

مگر افسوس کہ قصا سے مہلت نہ ملی اس لیے اس مرحوم کی خوشنودی

روح کے لیے جو جو کام کیے جا رہے ہیں انہیں سے یہ بھی ہے کہ

تہن کا بھی کچھ خیال کیا جائے اس لیے اس مجبور کا ارادہ ہے کہ اون نادا

شایقین کے نام جنہیں اس بے نظیر رسالہ کے دیکھنے کا شوق تو ہے مگر خرید

کی استطاعت نہیں رکھتے مرحوم کے نام سے پانچ پرچے درجہ و دم کے

بالفعل جاری کر دیئے جائیں۔ آئندہ ہذا را اللہ تعالیٰ بشرط حیات مستعا

اس میں او ز یادتی و تافوقاً کجائے گی۔ دس پندرہ روز میں رقم بذریعہ

نئی آڈر روانہ کر دی جائے گی۔ امید کہ تہنی بیانی مرحوم کو دعائے مغفرت

سے فراموش نہ فرمائیں گے + خیر خواہ تہن

عزیز مردہ - فراق دیدہ

میر ہمدی علی شہید

تمنا۔ اپنے سردار ان کی موت پر دلی سچ کا اظہار کرتا ہے

خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے اور پس ماندگان کو صبر دے

لے تھے کوسہ باناں میں جو ہر جاؤ غیر شوق
 انہیں جب غور کی دیکھا تو زوارِ حرم نکلے
 حزنِ بیاہرے تیرا - چہا مت اب رُبعِ زیبا
 نشانہ تیر فرگاں کا لگا جلدی کو دم نکلے

اخترِ ملی - عزیز -

از حضرت رشید مدظلہ

قید ہستی سے چھٹے سائے اسیرانِ قفس
 ہم بھی دو چار گز ہی اور میں سہاں قفس
 بچے کس پیار سے کہتے ہیں نگبانِ قفس
 دل اڑے جاتے ہیں نالے نہ کرو جانِ قفس
 ہاتھ کھینچے مجھے جاتے ہیں اسیرانِ قفس
 کہ نہ داناں قفس ہے نہ گریبانِ قفس
 ہم گئے گلشنِ سنہنی سے عدم کی جانب
 آج آرام سے بیٹھیں ہیں نگبانِ قفس
 ہرگز چشمِ بامیریِ حفاظت کے لیے
 تا دمِ مرگ نہ بولو نگاہِ احسانِ قفس
 تپدیاں توڑ کے بیکار کیے جاتے ہیں
 کو تیر بعد ہمارے کوئی غلامانِ قفس -
 ہمصفرانِ چین نے نہ کیا استقبال -
 در تک اگر نبھے پہونچا گئے یارانِ قفس
 ہمصفرانِ چین کا تھا مجھے قید میں رہنا
 اب ہر گلشن میں تو یاد آتے ہیں یارانِ قفس
 بیدار جو کوئی چوٹ کے آجانا ہے
 پوچھتا ہوں کہو اپنے تو میں بارانِ قفس
 عارتی آپ کو بیکار جنابِ مدیاد
 قید ہونے سے مرے گھٹ گئی کیا شانِ قفس
 دسیان آیا کہیں اس حال سے کل دیکھ لیں
 بن گئے آہ مرے پر وہ الوانِ قفس
 کب لہو گئے اسیری کا مزا دل سے لگا
 آشیاں ہی جو بنایا تو بنوانِ قفس

دونوں عالم جنہیں کہتے ہیں یہ عالم ہیں
 صبحِ مرغانِ چینِ شامِ غریبانِ قفس

وصل حبيب

ناول نہیں دیکھنے والوں کی ہے تصور
رنگ اس میں کسی شوخ طبیعت کا بہرہ

اطلاقی اور سچا ناول سید حبیب حسن صاحب وکیل درجہ اول عدالتہائے ریاست بہاول کی تالیف
ہے جس میں عشق کی سچی تصویر پر نہایت خوبی سے دکھائی گئی ہے۔ اور راز و نیاز کے بہرہ فوٹو مال معنی
کیسے گویا میں۔ ناظرین۔ اگر پاکبازانہ عشق کی غیر متوقع کامیابی دیکھنا مقصود ہو تو اس کی زیارت
کرو مگر بغاوت مضبوطی کی تاثیر اور قوت دیکھنے کی گنا ہو تو اسکو دیکھو۔ یہ اور تعلیم نسلاں کی محتاج کو
ہو تو اسکو مطالعہ کرو۔ عقیدہ یوگان کے مقلد و پیروں کو۔ اور زن جوہر کم اگرچہ عورت
کے اصلی تعبیر و ریاضت کرنا چاہو۔ تو اسکو مشاہدہ کرو۔ سلوا فعل کی فطرتی شریعت کو در بدر کا
انجام دیکھنا ہو۔ تو اسکو پڑھو دوستی کے ذرائع اگر معلوم کرنا ہوں تو اسپرنگ ہاؤس کا مطالعہ کرو۔
کے سی سالہ بند و بست منعقد ہونے کے تاریخی واقعات کی جستجو ہو۔ تو اسکی سیر کرو۔
زبان کی نفاست۔ بیان کی سلاست۔ ترکیب کی درستی عبارت کی جستی۔ فقرات کی رنگینی۔
محاکمہ کی شوخی علم کی حفاظت۔ تہذیب کی روک تھام۔ تمناؤں کا هجوم حسرتوں کا
وہام۔ قابل دید ہے مصنف نے کمال کیا ہے۔ کہ درود کو لفظوں میں بہرہ دیا ہے
یہ خوبی کا اندازہ کہنے سننے کے متعلق نہیں۔ دیکھنے اور سمجھنے کے لائق۔ لکھائی چھاپائی
کاغذ اصلی درجہ حجم ۳۲۰ صفحہ بایں ہمہ بخیاں اشاعت قیمت ہر دو حصہ صرف
ایک۔ و پیر آئینہ علاوہ وصول ڈاک رعایتی قیمت عد علاوہ محصول ڈاک
المشتہر بہتم کتب خانہ حبیبیہ۔ ڈاک خانہ گوہر گنج ریاست بہاول

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائیں

ستائیس برس سے ہندوستان میں استعمال میں آرہی ہیں۔

(۱) دل بجے زور سے اچھلتا ہو اس دوا کے دو ایک موتا دی سے دیکھا جاتا ہے۔

(۲) نیا ہو اور اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دماغ سے بھارتا ہے۔

(۳) پھلنے والے یاجن کا وادہ کا ساقی ہو گیا ہے وہ بھی اس دوا سے بہت صحت پاتے ہیں
و مہ کی دوا کا کھدک محمول ایک شیشی تک ہر روز قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ (پچھ)

مقوی گولیاں ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دواؤں میں مشہور دوائیں خاص طور پر
اسٹکینا اور ڈونیا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں۔ مغز پر ڈرک۔ ماس مارو

خون کمرہ طاقت دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پتہ چلتا ہے عمومی کمزوری مولل
یاد رہے کہ ہونا۔ ہر پیر کا پناہ لغوہ۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہے ہیں صحت کی خوراک
تیس گولیوں کی شیشی قیمت ایک روپیہ ڈاک محمول ایک ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ۔

امراض مستورات کی دوا یہ ہر ایک قسم کے مستورات کی دوا ہے ہر طرح کا رحم کی بیماری
پر دروگ حل کی کمزوری پیٹ جانگ میں درد وغیرہ کوٹاکر

اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے ایک دفعہ اس دوا کی
بھی آزمائش کیجئے قیمت ایک شیشی ایک روپیہ (پچھ)۔ خوراک اڈاک محمول ہر
ان دواؤں کی مفصل حالت مہر ٹکفٹوں کی پوری کتاب بلایت ملتی ہے مگر گڑبڑ ہے

ڈاکٹر ایس کے۔ برمن

نمبر ۱۰۰ تاراجندوت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ آغا منصب علی کشمیری دروازہ دہلی میں ہیں۔

فرمائش کے ساتھ اخبار کا حوالہ ضرور دینا

جنگ جون ۱۹۱۲ء غزیر مکمل

معاشرتی - تمدنی - دینی - فلسفی - خلاقی - تاریخی - اور علمی مضامین کا
مجموعہ

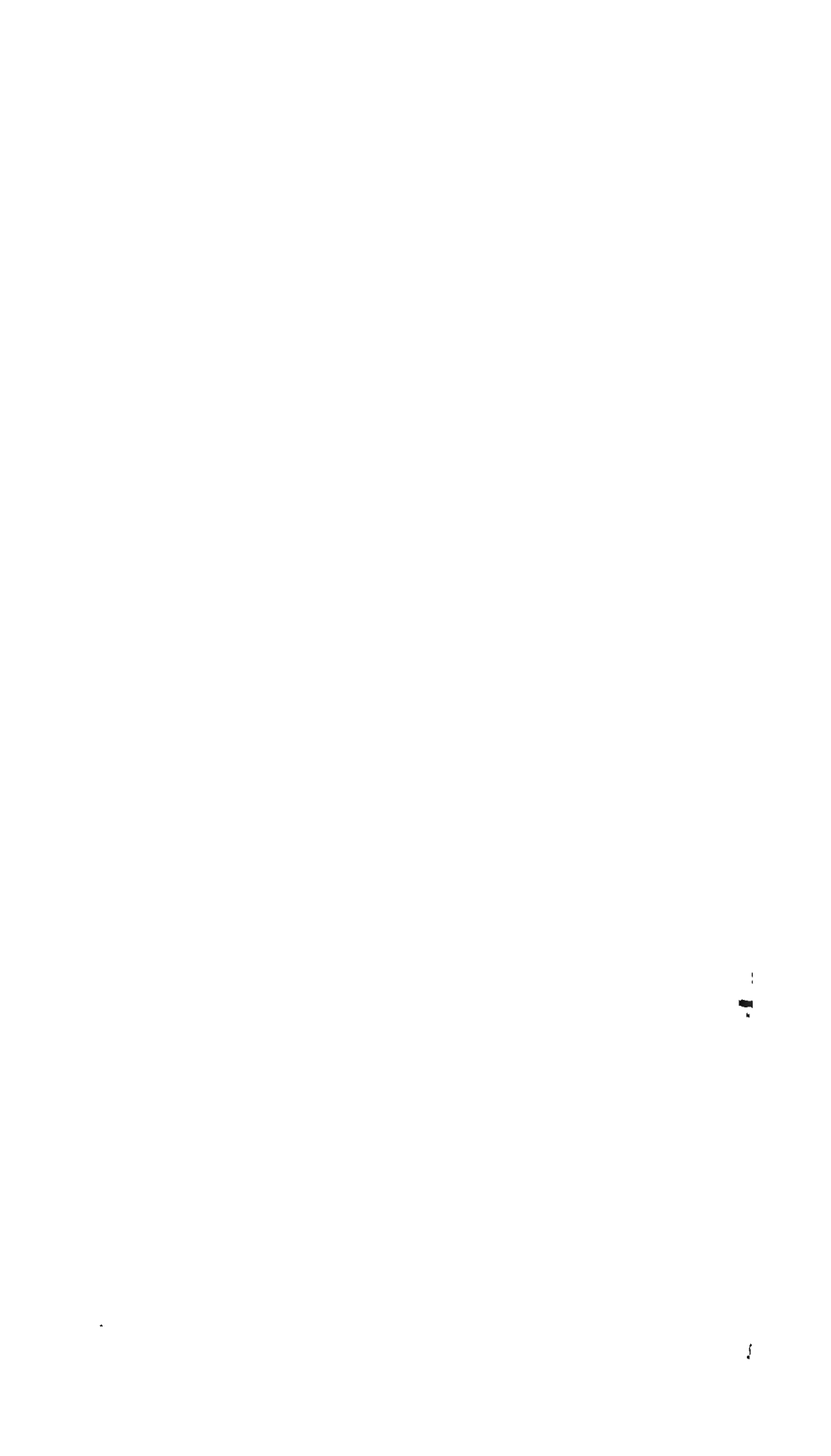
ایڈیٹرین = محمد عبدالرشید انجیری - شیخ محمد اکرام

فہرست مضامین

- | | |
|---|--|
| ۱۔ روضۂ امام رضا کی تباہی - جناب شہید - ۴۴ | ۲۔ غزیر - خدیوہ - ۴۵ |
| ۳۔ رملہ بنت زبیر - مولوی جواد علی خاصا - عالی - ۴۶ | ۴۔ اہمات الامام علیہ السلام مولوی حافظہ اصحاب محمد غفور - ۴۷ |
| ۵۔ دینائے اسلام - مولانا صاحب علوی - ۵۴ | ۶۔ خلاصہ سوال و جواب - مولانا محمد اقبال - ۵۵ |
| ۷۔ عہدہ جاد علی شاہ کے - مولوی شیخ علی شاہ - ۵۶ | ۸۔ کیا مذہب بنی نوع انسان کے - ۵۷ |
| ۹۔ نام دارشعراء - ایم - آر - ۵۸ | ۱۰۔ وسطہ مفید ثابت ہوا؟ - ۵۹ |
| ۱۱۔ گرمی کی رات - سیدہ طہمت علی بیگم - بلگرامی - ۶۰ | ۱۲۔ بافت کی صدا - آغا غلام حسین صاحب ارشد - ۶۱ |
| ۱۳۔ حسن طافی - مولوی عتیق انوار کی صاحب ایام - ۶۲ | ۱۴۔ لکھی کھانیت - محمد رفیع علی صاحب بیڑا - ۶۳ |
| ۱۵۔ محمد عبدالرشید - انجیری - ۶۴ | ۱۶۔ ایک لفظ پر جو شخص میں ہو گیا - فیضی - ۶۵ |
| ۱۷۔ غزیر میں سیدہ شوہر املاک شاہ عظیم آبادی - ۶۶ | ۱۸۔ تاریخ گزیدہ - مولوی سید شمس الدین صاحب قادری - ۶۷ |

باقیہ نامہ محل جگہ الاشد الحکومت دھوکہ

تیسرا پریم دلی میں چھپکرا لیا قیمت فی پریم ۲۰ روپے
قیمت فی پریم اول ۱۰ روپے
قیمت فی پریم دوم ۵ روپے



خاک کی چٹکی

فقیری کا کیوں یادہ خوش اور معتبر مانا گیا ہو۔ اس لیے کہ وہ یا کاری سے پاک اور علی اثرات کا منظر ہے، دنیا کو روزمرہ اس کا بھر بہے کہ فقیری خاک کی چٹکی بھی اسیر غلظت ہے چنانچہ میں بھی ایک مردِ با خدا نے نہایت الطاف کیساتھ آفتابی سرمہ کا نسخہ عنایت فرمایا اور اس سے عام فائدہ رسائی کی اجازت دی۔

تقریبی الفاظ اس کے لیے ممکن ہیں ہم طو لانی تقریر سے کام لینا چاہتے ہیں۔ اس سے متدد کہتے ہیں کہ یہ سرمہ تمام امراض چشم کا کامل اور نہایت مجرب علاج ہے اس کے استعمال سے ایک ایسی نلکس قایمہ پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی خورنک مرض میں مبتلا نہیں ہوتی۔ کم سے کم چالیس دن کا بھر یہ اچھی طرح اس کی خمیوں کا یقین لا دیتا ہے۔ اور ایک سال کا استعمال گویا زندگی بھر صحت چشم کا ضامن ہے۔ یہ سرمہ محض خاک کی چٹکی نہیں ہے بلکہ اجزاء جواہرات اور نباتات سے بنایا جاتا ہے اور سیارگان کی گردش کے موافق آفتاب کے اثرات اس میں شامل ہیں اس لیے اسکا رنگ بھی سفید ہے۔ باوجود ان تمام خمیوں کے قیمت بہت کم ہے فی شیشی چہ ماشہ والی دس، فی شیشی کیتولہ والی برلے ایک مہ نقرہ سلائی دس، چہ روپے۔

نوٹ پڑیہ بغرض آزمائش چالیس یوم۔ صرف ایک روپیہ دے۔

المشہدی
منشی جو حسین خٹک کا خا قبا بی سرمہ کیہ ورازہ میدرکھ



تمکین

اُمَمَاتُ الْأُمَمِ

اثر النسخ لکھنؤی حافظ محمد زبیر احمد صاحب ایل۔ ایل۔ ڈی۔ مرحوم و معذور
ہم تو ۶ ہر سن وقتے و ہر گتہ مکانے وارو۔ کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ایک
وقت کا ایک تقاضا ہوتا ہے خاص یعنی ہر ایک وقت کے لوگ سب نہیں تو اکثر
ایک خاص خیال کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں موسے علیہ السلام کے زمانے میں
جادو کا چہرہ تھا۔ یعنی کے طب کا ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد
زبان عربی کی فصاحت بلاغت کا ہم نے اپنے ابتدائے شباب میں
بہت چرچے دیکھے۔ لاج رنگ کے۔ گانے بجانے کے۔ شعر شاعری
کے پتنگ بازی شیر بازی۔ شطرنج بازی۔ بہتری بازیوں کے اکھاڑوں
میلے تماشوں کے۔ یا اب انگریزی عملداری۔ انگریزی تعلیم کی بدولت دیکھ رہے
ہیں۔ آزادی کے۔ رفارم (اصلاح) کے۔ اخبار اور رسالوں کے۔ انجمنوں کے
کانگریسوں اور کانفرنسوں کی کمیٹیوں اور سوسائٹیوں کے اشتہاروں اور

تعلیم لگائیں گے۔ مذہبی مناظرات کے اور بالآخر سودیشی کے بانی کارٹ کے سورج کے یہ جتنے چرچے ہیں۔ سب انٹے پنچے میں آزادی کو ان سب چرچوں میں سے ہم کو صرف اس آزادی پر کچھ لکھنا ہے۔ جو مذہبی مناظرات میں برتی جاتی ہے۔ انسان کی بناوٹ پر نظر کرتے ہیں تو وہ ایک تو جسم رکھتا ہے وہ قریب ایک طرح کا جسم اور جانوروں کے پاس بھی ہے جسم کے علاوہ ایک خاص طرح کی روح ہے وہ مختصر ہے اور جسم پوست وہ مخدوم ہے اور جسم غلام۔ وہ کارفرما ہے اور جسم کارکن وہ سوار ہے اور جسم سواری۔ وہ مثلاً بڑھئی کی جگہ ہے اور جسم کھارٹی۔ بٹوے۔ آٹے کی جگہ پہلے آدمی کے دل سے ارادہ پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ ارادہ اعضا و جوارح کے ذریعے سے عمل میں لایا جاتا ہے یعنی

۱۔ سودیشی اور سورج ہندی لفظ میں راجا شکر سے ماخوذ۔ سودیشی کے معنی ہیں کہ اپنے دین یعنی ملک کا بنا ہوا ساز و سامان زندگی استعمال کیا جائے سورج کے معنی ہیں اپنی حکومت کہ ہم آپس کے رگڑے جھگڑے انگریزی عدالتوں میں نہ لیجائیں بلکہ خود فیصلہ کر لیا کریں یعنی ہندوستان میں ہمارا راج ہو اور ہماری حکومت بانی کارٹ انگریزی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں کہ غیر ملکوں کے بنائے ہوئے ساز و سامان زندگی کے استعمال کو رکھ جائے چند روز سے یہ شورش انگریزی کی مخالفت میں بنگال سے شروع ہوئی کہ انگریزوں نے صوبہ بنگال کو تقسیم کر کے مشرقی بنگالے کا علاقہ جدا کرنا قرار دیا۔ بنگال کے بیرشروں اور وکیلوں نے تقسیم بنگال میں اپنا مالی نقصان دیکھ کر ہندوستان سے لیسکر ولایت تک اس کی مخالفت کی مگر کہیں شنوائی نہیں ہوتی اس ناکامی کے انتقام کے طور پر ہندو بنگالے سودیشی اور بانی کارٹ اور صدر کالج شورش بڑی کی اور اس شورش میں ہندوستان کے اور صوبے بھی کم و بیش شامل ہوتے گئے ادبیات تک بھی یہ شورش پکڑ پکڑتی ہے۔ انگریز بد حکومت اور حکومت سے بڑھکر بد حکومت

شورش کے دماغ میں شورش اگر بالکل فوٹ نہ ہوگی تو نوات کا رنگ آخر کار ضرور پکڑ جائے گا۔

ارادہ عمل کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے اب آزادی کے اعتبار سے دیکھتے ہیں کہ ارادہ اور عمل کہاں تک آزاد ہو سکتے ہیں تو عمل کو تو کسی طرح آزاد کہہ ہی نہیں سکتے وہ شروع ہی سے محکوم ارادہ ہے اور چونکہ اعضا و جوارح کے ذریعہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے اور اعضا و جوارح بجائے خود جسم میں بہت سے اسباب خارجی اس کے وقوع کو روک دے سکتے ہیں آدمی پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا چاہے تو اڑ نہیں سکتا چوری کرنا چاہے تو لوگ اسکو چوری نہیں کرنے دیں گے پس عمل کو صرف ایک محدود حلقے میں آزاد کہہ سکتے ہیں رہا ارادہ وہ البتہ بنظر ظاہر آزاد معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اختیار رکھتا ہے جو چاہے خیال کرے جو چاہے سوچے مگر نہیں عمل کا پیرایہ اختیار کرنے کے علاوہ وہ محکوم ہے جمعہ کا تعلیم حربیت کا آداب دھوا کا تقاضاے عمر کا مذہب کا رسم و رواج کا بڑوں کی تقلید کا غرض مطلق آزادی ارادے اور خیال کو بھی نصیب نہیں لوگ ان فیود اور شرائط کا لحاظ تو کرتے نہیں ستر باندرہ مطلق آزادی کے پیچھے پڑے ہیں اور اسی سے دنیا میں بد امنی پھیلتی ہے حاکم وقت ارادے اور خیال تک تو دست رس نہیں رکھتا ہاں نقص امن کا اندیشہ ہو تو خیال کو عملی صورت اختیار کرنے سے روک سکتا ہے اور قانون اور کچھ بایں اور عدالتیں اسی مرض کی دعا ہیں کئی برس ہوئے گوڑگانوہ کے ایک پادری صاحب مذہبی مناظرے کے پیرایے میں حیدر علی خاں سے جڑھی ہوئی آزادی عمل میں لائے کہ اپنے ایک رسالے میں پچیس سالہ صاحب آخر الزماں صلعم کی نسبت ان کی جیبوں کے بارے میں بڑی زبان درازی کی جس سے جمہور مسلمین کی بڑی دل آزاری ہوئی۔ مسلمان جبکہ جبکہ استغناء فوجداری کی طاریاں کرنے لگے اور جگہوں کا حال تو معلوم نہیں دلی سے کچھ لوگ فریاد لیکر شعلے لگے بارے پادری صاحب کی کتاب کی اشاعت

مکملاً مذکور دی گئی۔ اسی شمار میں سید احمد خاں مرحوم مغفور بھی پادری صاحب کی کتاب کا جواب لکھ رہے تھے مگر وہ پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ سید صاحب انتقال فرما گئے ہم نے تو نہ پادری صاحب کی کتاب دیکھی اور نہ سید صاحب کا ادھورا جواب مگر اتنی بات پہلے سے معلوم ہے کہ پادری صاحب نے سخت زبانی کے سوسے اعتراض میں کوئی نئی بات اپنی طبیعت سے تو ایجاب کی نہ ہوگی۔ اعتراض تو نہیں مگر جواب تو خود قرآن میں موجود ہے وَلَقَدْ اَدُسْنَا دُسْلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْدًا جَاوِذَ رِيَّةٍ جواب کا ہونا دلالت کرتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت بھی پیغمبر صاحب کی زندگی میں بعض لوگ زن و سہرزدہ کے تعلقات کو غلطیٰ شان پیغمبر سمجھتے اور ان ہی تعلقات کی وجہ سے جناب رسالت مآب کی رسالت کے منکر تھے۔ رعون پرانا اعتراض ہے اور علماء اسلام نے اس کے دندان شکن جواب بھی دیے ہیں مگر مسلمان ہو کر اپنے پیغمبر کے تقدس کی اپنے مقدور بہر اور اپنے طور پر واجبی حیات کیے بدون ہم سے نہیں رہا جاتا اور یہ بات ہی ہے کہ اعتراض کسی مسلمان کے کالی میں پڑے اور اس کو جواب نہ آتا ہو اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کی نسبتہ خیال فاسد ہو ہم سورہ اذ دل میں میٹھی جائے تو ایمان کے جاتے رہنے کا خوف ہے تو عوذ باللہ من شرور

پیغمبر صاحب کے کثیر الاذواج ہونے سے ہکو انکار نہیں۔ اس کو سب مانتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کے انتقال کے وقت بی بی عائشہؓ، سوہہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ، زینبؓ، بنت جحشؓ، ام حبیبہؓ، جویریہؓ، صفیہؓ، میمونہؓ، نوہیہؓ ان کے نکاح میں تھیں تو والد تناسل کی قوت کو لوگوں نے کچھ آج سے نہیں

۱۵ اور (بے پیغمبر) تم سے پہلے بھی ہم نے (بہترے) پیغمبر بھیجے اور ہم نے

قدیم الایام سے بُری طرح استعمال کر کے اس قدر شہر بنا کر چھڑا دیا ہے کہ جائز طو پر یہی بُری یرودہ داری کے ساتھ اس سے کام لیا جاتا ہے مالاںکہ بقائے نوع انسانی اسی قوت پر موقوف ہے جتنے آدمی ہو گئے ہیں اسی قوت سے پیدا ہوئے اور جو آئندہ ہوں گے وہ بھی اسی قوت سے پیدا ہوں گے پردہ تو اس قدر کیا جاتا ہے اور کوئی فرد بشر اس سے خالی ہی نہیں۔ لڑنا مٹائی کے جتنے تعلقات ہیں سب اسی غرض سے کیے جاتے ہیں اور پرے کی پوچھ تو وحشی سے وحشی قومیں ہی آگیا چھپا چھپائے رکھتی ہیں کپڑا میسر نہیں تو پتے ہی اسی پردہ تو اس وقت سے ہی کہ مذہبی روایت کی رو سے جب خدا آدم اور خوا کو بہشت سے نکالا تو ان کی اس وقت کی حالت کا بیان قرآن میں ہے بَدَلَتْ لَهَا سَوَاقِهَا وَطَفَعَهَا يُخْصِفُ عَلَيْهَا مِنْ دَقِّ الْجَنَّةِ بَایں ہمہ تو الدنسل کی قوت فی حد ذاتہ ہرگز بری نہیں اور جو اس کو بُرا سمجھے وہ حکمت بالغہ الہی پر عتراض کرتا ہے خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اِنَّ مِثْلَ حَنْدِ اللَّهِ مِثْلُ آدَمَ خَلْقًا مِنْ تَرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ خَدَا چاہتا تو مرد اور عورت کو ایسی قابلیت دیتا کہ مرد کھانا اور مونہ سے بیٹے اگل دینے عورت پھینکی اوزناک سے بیٹیاں بھڑڑیں مگر اس نے جو تو الدنسل کا قاعدہ جاری کیا ہے تو اسکی مصلحت کو وہی خوب جانتا ہے۔ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللطیف الخبیر پس مناکحہ حقیقہ میں خدا نے تعالیٰ کے ارادے کا نافذ کرنا اور

۱۰ جن ہی آدم و حوا نے دخت منع کے چل کو کچا تو دونوں کی پردہ کرنے کی چیزیں انکو دکھائی دینے لگیں اور لگے بہشت کے پتوں کو اپنے اوپر چھپانے ۱۱ اللہ کے ہاں جیسے آدم دیکھے دیکھنے مٹی ہی آدم (آدم کے پتلے کو بنا کر ہسکو حکم کیا کہ آدمی بن اور وہ آدم بن گیا ۱۲ پہلا ہو سکتا ہے کہ خدا جو پیدا کرے وہی مخلوق اس کے حال سے ناواقف ہو مالاںکہ وہ برابر یک ہی باوجود ۱۳

اس کی مرضی کی تکمیل ہو اور اسی سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا دُخَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ اور الْكِنَاحُ مَنْ سَلَّتْ فَمَنْ رُغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي اور جو لوگ اس سے اعراض کرتے یا اس کو فعل قبیح سمجھتے وہ ابطل حکمہ الہی کے درپے ہیں اور چاہتے ہیں تو والد تامل موقوف ہو کر دنیا آخر کو اُجڑ جائے۔ بانگی دیکھ کر اناج کے ڈھیر کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ اچھا ہے بُرا نہ ہے بھی احکام کا انبار ہے اور رہبانیت بانگی۔ اسلام اور عیسائیت میں محاکمہ کرنے کا اچھا ذریعہ اچھا پھر ایسی ضروری اور عالمگیر قوت کو جو جہ سے شر مناک قرار پائی اور اس میں کیا بُرائی دیکھی کہ لوگ چاروں اچار اس سے کام بھی لیتے ہیں اور بتی کے ... کی طرح چھپاتے بھی ہیں آؤ خدا اس قوت کی تشریح کریں جس سے فہم نہ عا میں سہولہ ہو پہلی بات یہ ہے کہ خلاق عالم نے یہ قوت زو مادہ مردوزن و لون میں دیتے رکھی ہے مردوں میں شکل قوت فاعلہ اور عورتوں میں بصورتہ منفعلہ یعنی مردوزن دونوں اس قوت سے متمتع ہونے کے حق دار ہیں پس آزادی ستیا قوت میں پاس حق فریق ثانی کی ایک ضروری قید بڑھی اور اَلْإِنْسَانُ حَرِيصٌ عَلَى مَنَافِعِهِ کی رو سے فتنہ فساد کی حبستہ قائم ہوئی مشارکہ ایسی بد چہر ہے کہ خدا تک کو گوارا نہیں جتنے رگڑے جھگڑے لوگوں میں ہوتے ہیں تمیل کر کے دیکھو تو مشارکہ پر جا کر منہتی ہوں گے زید خالد کے گھر میں چوری کرتا ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ زید زبردستی خالد کے مال میں شریک بننا چاہتا ہے خالد اس کو جائز نہیں رکھتا۔ زید نے خالد سے میعادِ قرض

۳۔ آدمی جس چیز سے روکا جاتا ہو اس کا کرنے پر زیادہ حریص ہوتا ہے ۱۲

لیا اور وقت پر ادا نہ کیا خالد نے عدالت میں جاو عوی دار کیا اس صورت میں یہ خالد کے مال سے اس کے متمتع میں ناجائز طور پر شریعت کوئی چاہتا تھا جو ہم مخاصمہ قرار پائی اسی طرح مرد اور عورت کے معاملے میں خدا نے اس متمتع میں جو توالد تناسل کی قوت سے حاصل ہوتا ہے مرد اور عورت دونوں کو شریعت یکدگر ٹھہرا دیا ہے مرد عورت کو اس کے متمتع سے محروم کرنا چاہے یا عورت مرد کو متمتع نہ ہونے دے تو اس کا ضروری نتیجہ بگاڑ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ دنیا میں کروڑوں مرد ہیں اور کروڑوں ہی عورتیں ہیں تو پہلی ضروری شرط اس قوت میں سا جہا کرنے کی رعنائے فریقین لینے ایجاب و قبول یعنی نکاح۔ متعارف ہے۔ اب ہماری زمین ہے کہ اس میں کروڑوں بیگہ جو تنے بونے کے قابل ہے اور کروڑوں ہی کاشتکار ہیں تو لوگوں نے زمین کو آپس میں بانٹ رکھا ہے زمینداروں نے گانوں گانوں کی حد بندی کر رکھی ہے اور ان کے ذیل میں کاشتکاروں نے کھیت کھیت کی۔ اس باہمی تقسیم کی بدولت ملک آباد ہے نہ دھلکا ہے نہ فساد ہے یہی مثال خدا نے قرآن میں عورتوں کی بھی دی ہے۔

نِسَاءٌ وَكُلُّ حَرْثٍ لِّكَ فَاتُوا حَرْثَكُمْ اِنَّ شَتْلَهُ دِیَاہِرُ کی عورتیں مردوں میں تقسیم ہیں کھیتوں کی جتنی بوائی ہو رہی ہے پندرھویں بیسویں مرد شمار کی جاتی ہے پیدا اور آبادی سوائی ڈیڑھ بیڑھتی جاتی ہے تمام جان کے لوگ اس قاعدے کے تو پابند ہیں کہ جو عورت جس مرد کے نکاح میں ہے کوئی دوسرا اس میں سا جہا نہیں کر سکتا یعنی عورت ایک وقت میں ایک مرد سے زیادہ کی جو رد ہو نہیں سکتی مگر مسلمانوں میں ایک مرد

۱۲۔ لہ تمہاری بیبیاں دگوائتمہاری ہلتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں سطح چاہو اؤ ۱۲۔

وقت واحد میں چار تک کر سکتا ہے بظاہر اس قاعدے میں مردوں کے ساتھ بے جارحانہ ہی اور مقررین کہہ چکتا ہے کہ جب مرد اور عورت دونوں توالد تناسل کی قوت سے متمتع ہوتے ہیں یعنی قوت میں دونوں حصے دار ہیں تو کیوں مرد کو وقت واحد میں چار بیبیوں کے جمع کرنے کا اختیار دیا جائے اور عورت کو نہ بجز ضعیف ایک ہی کی ہو کر رہے۔ جن لوگوں کی نظر غائر نہیں ہے اس اعتراض کو سن کر بخلیں جھلکنے لگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ متمتع ہونے کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں توالد تناسل کی قوت میں فی الواقع ایک دوسرے کے شریک تو ہیں مگر برابر شریک نہیں مرد کا حصہ غالب ہی اور وہ زیادہ کا حصہ دار ہے اور اسی لیے اس کے ساتھ بجا رعایت کی گئی ہے اور وہ اس کا حق ہے اور معاوضہ ہے اس کے حصہ زائد کا جس طرح کاشتکاروں کو تعاونی دیگر کاشتکاری کی ترغیب دی جاتی ہے تاکہ کوئی قابل زراعت زمین افتادہ نہ رہے اور جس قدر پیداوار کا زمین سے حاصل کرنا ممکن ہے حاصل کی جائے اس طرح اس حکیم علی الاطلاق نے تمتع کو موجب ترغیب نکل قرار دیا کاشتکاری سے مقصود اصلی پیداوار ارضی کا حاصل کرنا ہے نکل سے اولاد کا۔ لوگوں نے کوتاہ نظری سے تمتع ہی کو نکل کی عوض وغایت سمجھ لیا ہے تو یہ خود انکی غلطی ہے جس طرح غذا سے مقصود تغذیہ جسم ہے اور ذائقہ بیش بریں نیست کہ ترغیب ہی تمتع میں جو ہم نے مرد کو شریک غالب کہا اسکی وجہ یہ ہے کہ عورت کے پیچھے مل ادا رضاع وغیرہ کے عوارض ہی لگے ہیں اور وہ ان وقتوں میں فطرۃ تمتع سے محروم رہتی ہے اور اسکو خود تمتع کی خواہش نہیں ہوتی۔

خلاصہ نظم اقبال

ملکات حق سے یک ملت کی آنکھیں کھل گئیں
 رہنمائی بہت ہوا ذوق تن آسانی ترا
 اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی
 زندگی قسط کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات
 پھر کہیں سے اس کو پیدا کر بڑی دولت ہے
 آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سی تھی
 سرِ چشمِ ہشت میں گردِ زم آسہ ہوا
 بحرِ تھا صحرا میں تو گلشن میں آیا جو ہوا
 چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ نوبہ ہوا
 کبھی گوہر کبھی شبنم کبھی آفسوس ہوا
 زندگی کسی جو دل بیگانہ پہلہ ہوا
 جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا
 فردِ قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

محو ہر دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

پروہ دل میں محبت کو ابھی مستور رکھ
 خیمہ زن ہو وادی سینا میں مانند کلیم
 شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
 ٹوٹا اگر خود وار ہے منت کش ساتی نہ ہو
 یعنی اپنی لئے کو رسموا صورتِ بنانا کر
 شعلہ تحقیق کو غارت گر کا شانہ کر
 صرف تعمیرِ سرخا کسیر پر دانہ کر
 عین دریا میں جاب آسانگوں چمانہ کر
 ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرا نہ کر
 تو عصا افتاد سے پیدا اشالِ دانہ کر
 اہل گلشن کا شہیدِ نغمہ سستانہ کر
 یا سراپا نادر بن جایا نذا بستانہ کر
 اس چمن میں بیرونِ بلبل ہوا بلبلِ گل
 کیوں چمن میں بے صدِ اہلِ رزمِ شبنم ہو تو
 لب کشا ہو جاسرودِ ربطِ عالم ہے تو

اقبال

کیا مذہب نبی نوع انسان کے لیے

مُفید ثابت ہوا؟ ایک مغربی کا خیال

ہم اپنے معزز گریجویٹ دوست کے اس مضمون پر سُرست کوئی رائے دینی نہیں چاہتے اور بسکو نہایت خوشی سے اس لیے دریغ کرتے ہیں کہ تمدن کے معزز نامہ نگاروں میں سے کوئی صاحب اس سلسلہ پر قلم اُٹائیں تاکہ مذہب کے متعلق جو خیالات آج کل کے نوجوانوں میں رائج ہوتے جلتے ہیں ان کی روک تھام ہو۔

اس سلسلہ میں بہترین مضمون پر تمدن ایک اشرفی نذر کرے گا۔
مذہب کے متعلق عام طور پر دو خیال ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب صرف ایک فضول چیز ہے بلکہ اس سے انسان کو سخت نقصان پہنچا۔ برخلاف اس کے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے دنیا کو بے انتہا فائدہ پہنچا۔ اور اگر مذہب نہ ہوتا تو نہ دنیا میں امن قائم رہتا اور نہ نیکی و بھلائی کا نام باقی رہتا ان لوگوں کے خیال کے موافق انسان کو بُرے کام سے روکنے کے لیے سوائے مذہب کے اور کوئی طاقت نہیں ہے۔ اس بات کو وہ لوگ بھی مانتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مذہب دماغ کا سیدراہ ہوا۔ ساتھ ہی اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں یا یہ کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی وصفت ضرور ہے اور خدا نے جو چیز بھی پیدا کی ہے انسان کے فائدے کے لیے کی ہے۔

چنانچہ زہر جہاں قاتل ثابت ہوتا ہے وہیں تریاق کا بھی کام دیتا ہے۔ بہت سی چیزیں پہلے از قسم خس و خاشاک معلوم ہوتی تھیں لیکن تجربے سے انسان کے مفید مطلب ثابت ہوئیں حتیٰ کہ ہڈیگ و دبا بھی اس خیال سے مفید ہیں کہ بہت سے آدمیوں کے مرنے سے آبادی اس قدر نہیں بڑھنے پاتی کہ دنیا میں انسان کے رہنے کو جگہ ہی باقی نہ رہے بہت سے لوگ جمالت میں بھی ایک بات نکالتے ہیں اور یہ جاہل رہنے کی بڑی مشدود مد سے طرف ماری کرتے ہیں تو اگر اس قسم کی دلیل کو نظر سے رکھا جائے تو مذہب کے متعلق بھی بغیر بحث کیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی انسان کے فائدے ہی کی ایک چیز ہوگی کیونکہ ہر شے میں انسان کا فائدہ متصور ہے جس طرح صوفی سے ہمہ اوست کے مسئلہ پر بحث کرنی عبث ہے اسی طرح اس خیال والوں کے سامنے مذہب کے خلاف دلائل پیش کرنے فضول ہیں۔ جہاں ثبوت وار و مدار قیاس پر ہو وہاں بحث کرنی لا حاصل ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ مذہب نے اپنی مختلف صورتوں میں انسان سے کیا کیا کار نمایاں کرائے۔ اول ہم کو وحشی قوموں کے مذاہب کا تماشہ دیکھنا چاہیے۔ ایشیاء اور افریقہ میں مذہب کے بدولت ہزاروں لوگوں کا خون ہوتا ہے۔ اے۔ جی۔ لیونزڈ صاحب اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ مغربی افریقہ میں دریا سے نا بچر کے دبانے کے قریب جب کسی قبیلے کا کوئی سردار مرجانا ہے تو وہاں کے مذہب کا یہ حکم ہے کہ اس سردار کے ساتھ چار اور آدمیوں کو مار کر دفن کیا جاتا ہے تاکہ قیامت کے دن یہ لوگ اس کو قبر سے اٹھائیں جب وہاں کے بادشاہ ایامبونے وفات پائی تو اس کے ساتھ تیس انیاں جلادی گئیں اور کئی سو مردوں کو قتل کیا گیا تاکہ دوسری دنیا میں

جنا۔۔۔ تو ستم و غصہ دم کے ساتھ عزت و احترام سے جاسے ورنہ وہاں روحیں سکہ
حقارت کی نگاہ سے دیکھتیں اور یہ کہتیں کہ یہ کوئی بڑا ہی غریب شخص ہوگا کہ جو اس کے
ساتھ ایک غلام بھی نہیں

بجے۔ میکڈنلڈ صاحب اپنی کتب ریلیجن اینڈ متحہ میں لکھتے ہیں کہ افریقہ میں
جب کسی بزرگوں کے قدیم مکان کی مرمت کی جاتی ہے تو بعض مہتمموں پر دو ہزار آدمیوں
تک کی قربانی کی جاتی ہے۔ ایک یہ بھی مذہبی رسم ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے تو یہ
خیال کیا جاتا ہے کہ سپر کسی نے جادو کر دیا چنانچہ جن لوگوں پر شبہ ہوتا ہے
ان کو ایک قسم کا پڑھا ہوا زہر دیا جاتا ہے اور اعتقاد یہ ہے کہ اگر انہوں نے
جادو نہیں کیا ہوگا تو ان پر زہر کا اثر ہوگا۔ اس میں ہمیشہ ایک شخص کے ساتھ
اور کئی آدمیوں کی جانیں جاتی ہیں چنانچہ ڈیوک ٹاؤن کے سردار کے مرنے کے
موقعہ پر پچاس غلاموں اور ملازموں کو پڑھا ہوا زہر دیا گیا۔ جس میں سے چالیس
مر گئے (بقول میونارڈ صاحب) اس جگہ اس بات کی تصریح کی چنداں ضرورت نہیں
کہ ان کی قربانی قدیم زمانے سے چلی آتی ہے اور اس کا دار و مدار محض مذہبی
احکام پر ہے۔ قدیم مصر میں پہلوئی کے بیٹے کی قربانی ہوتی تھی اس سے پہلے
زمانے میں انسان کی قربانی مصر میں عام تھی۔ ہندوستان میں بھی مختلف صورتوں
میں پالی جاتی تھی۔ چنانچہ سستی کی رسم اب تک موجود ہے۔

یونانیوں۔ یہودیوں۔ عیسائیوں مسلمانوں غرضیکہ جدت قدیم اور جدید
مذہب میں انسان کی قربانی ایک نہایت شکل میں موجود رہی۔ صرف اتنا فرق ہو گیا
کہ جدید مذاہب نے قربانی کی صورت بدل دی۔ مسلمانوں کے ہاں اگرچہ حضرت
اسحق کے باپ نے اپنے بیٹے کی قربانی کرنی چاہی اور اپنی طرف سے کی یہ کہیں
مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا نے حضرت اسحق کو بچا لیا اور ان کی بجائے

ایک بھڑکی ترانی منظور نہ رہی۔ اس کے علاوہ بعض قومیں ایسے مملک جانوروں کی پرستش کرتے ہیں جو اپنی نوع انسان کے دشمن ہیں۔ مثلاً افریقہ اور ہندوستان میں سانپ کی پوجا کی جاتی ہے۔ ہندوؤں کے مذہب میں کسی جانور کا مارنا بھی گناہ ہے خواہ وہ شیر ہی کیوں نہ ہو۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا انسان کی جان لینا خاص کر بے گناہ کی جان لینا اپنی نوع انسان کے لیے فائدے کی چیز ہے۔

مندرجہ بالا امثال سے یہ ظاہر ہے کہ بہت سے مذاہب نے بے گناہ جانوں کی جان لینے کی تلقین کی۔ تو گویا مذہب انسان کو بچانے پناہ دینے کے اسکی جان کا سامنے والا ثابت ہوا۔

یہ تو خیر نیچے طبقے کے مذاہب کا ذکر ہے۔ اب ترقی یافتہ مذاہب پر غور کیجئے۔ مذہب عیسوی کو یہ سمجھے۔ اس مذہب کے پیرو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسے دنیا کو بے حد فائدہ ہوا۔ لیکن تاریخی واقعات اس دعوے کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ انگلستان کا مشہور مورخ لیکل نکمٹا ہے کہ سینٹ گرے گری کے زمانے میں عراق و شام۔ فسط و فجور کا بلحاظ ماوا تھا۔ یورپ میں مذہب کا زور ۴۲۲ء سے لیکر ۱۰۶۶ء تک بہت رہا۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جو تاریخ نمونہ یورپ کی گمراہی کا زمانہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس زمانے کی توہم پرستی اور مذہبی مظالم کا اگر ذکر کیا جائے تو آسانی سے یقین نہ آئے گا۔ مذہبی خانقاہوں میں جو بدکاریاں ہوتی تھیں اور مذہبی پیشوا جن حرام کاریوں کی مذہبی احکام کی رو سے اجازت دیتے تھے ان کا خیال کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مذہبی مظالم کی کوئی حد نہ تھی اگر کوئی شخص لٹ (عیسائیوں کا مصنان) کے سینے میں گوشت کھانے تو اس کے لیے نہایت موت کا حکم ہوتا تھا۔ ہزاروں

مرد و عورت اس شبہ میں زندہ بلا دیئے گئے کہ وہ جاو کرتے تھے۔ ایک پندرہ برس کے لڑکے نے ایک سیلب کو توڑ دیا۔ تو بغیر تحقیقات کے اسکو قتل کر ڈالا گیا۔ فرانس میں دو پادری۔ یکے بعد دیگرے وزیر اعظم بنے اور انہوں نے اس قسم کی حکومت کی کہ ان کے بعد آخر ایک ایسی زبردست طوائف الملک کی اور شہر ہوئی کہ جس میں کروڑوں بے گنا ہوں کا برسوں خون ہوتا رہا اور سارے یورپ میں ایک تہلکا مچ گیا۔ صیہبی جنگ میں ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ سینیکرلو عورتیں بیوہ ہو گئیں اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے مگر مذہبی خونیوں کی پیاس نہ بجھی پر نہ بجھی۔ عیسائی مسلمانوں کو قتل کرنا باعث نجات خیال کرتے تھے اور مسلمان عیسائیوں کی جان لینے میں جنت کے خواب دیکھتے تھے۔ غرضیکہ جن جن دنیا میں مذہب کا خیال ترقی کرتا گیا بجائے بنی نوع انسان میں آپس میں محبت و اتحاد برپا کرنے کے محنت و کشت و خون کا بازار گرم ہوتا گیا۔ اگر کسی طرح یہ ممکن ہو کہ مذہب کے رد و انج سے ماقبل و مابعد کے اقبال کا حساب ہو سکے تو امید ہے کہ مذہب کے زمانے کے خون کا سنہ زرخیز مذہبی زمانے کے مقابلے میں ناپیدا کن ثابت ہوگا اور پھر داعیان مذہب بڑی شد و مد سے دن رات یہی راگنی الاپتے رہتے ہیں کہ مذہب نے دنیا میں اس قیام کیا مذہب غصے غضب کی آگ پر پانی ڈالنے والا ہے مذہب جذبات انسانی کا محافظ ہے۔ اور اگر مذہب نہ تو آدمی آدمی کو کچا چبا جائے اور ایک دوسرے کو زندہ نہ رہنے دے اور کسی قسم کا دنیوی کاروبار صلاحت و سہولت سے بے ہونا مانگن ہو جائے اب یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مذہب کے رائج ہونے سے پہلے دنیا کا کیا ایسا ہی حال تھا۔ جیسا کہ عایمان مذہب بیان کرتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت تک دنیا کے ترقی کا چکر اچھی طرح گردش میں نہ آیا تھا لیکن جانک

معلوم ہوا ہے مذہب کے بے بہرہ انسان اُن انسانی صفات سے جنہیں محبت رحم و عدل سے تعبیر کرتے ہیں بالکل معرّض تھانہ ہر وقت اُس کے سر پر خون سوار رہتا تھا۔ انسانی جذبات کا دورہ دورہ مذہبی زمانے سے کبھی طسرح زیادہ نہ تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بطل و کذب کا راج ہوتا۔ مکر و منہرب و غا غضب قتل وغیرہ وغیرہ دنیا پر کے عیوب کی شک کشتی ہوتی۔ نہ کہیں شہر ہوتے نہ کہیں آبادی ہوتی۔ نہ کبھی قسم کا تدن ہوتا۔ نہ کوئی تہذیب ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

گزشتہ زمانے کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت کی تاریخ معلوم نہیں۔ لیکن اب بھی بعض بعض جتنے دنیا کے ایسے موجود ہیں جہاں کے باشندے ابھی تک مذہب سے نابالہ ہیں چنانچہ مٹر ہواٹ اپنی سفر نامہ اسٹریلیا میں لکھتے ہیں کہ یہاں کے اصلی باشندے کسی قسم کے غذا یا دیوتا کو نہیں مانتے نہ کسی قسم کی پرستش کرتے ہیں۔ ایک اور سیل لکھتا ہے کہ اس ملک میں کشت و خون کی افراط نہیں ہے۔ ڈاکٹر گرے گری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ یہاں کے لوگ بہت فیاض طبیعت کے ہیں سٹریل صاحب اکیمو قوم کا حال تحریر فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ وہاں کے باشندے چوری اور قتل کے نام تک سے واقف نہیں۔ ریمک صاحب اسی قوم کو متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی زبان میں گالی دینے یا کوسنے کے کوئی الفاظ نہیں۔

اسی طرح قدیم زمانے میں سویٹزر لینڈ کے جھیل میں رہنے والے باشندے اگرچہ مذہب بالکل بے بہرہ تھے تاہم بل بل کر گاؤں میں رہتے تھے کاتے اور بننے کے فن سے واقف تھے اور کلبہ رانی کرتے تھے۔

انسان کو چوڑے دیکھے حیوان کو لیجئے۔ یہ ظاہر ہے کہ حیوان مذہب متبع نہیں ہو سکتے۔ تاہم بہت سی قسم کے جانور ایسے ہیں جو آپس میں مل جل کر رہتے ہیں اپنی قوم والے کی مدد کرتے ہیں چنانچہ ایک تیندوے کا قبضہ شہو ہے کہ اس نے لنگوروں کی بستی پر حملہ کیا اور ایک لنگور کو پکڑ لیا۔ اسکی بیچ پکارے اور بہت لنگور جمع ہو گئے اور سب نے مل کر تیندوے پر یورش کر دی آخر تیندوے کو لنگور چھوڑتے ہی بن پڑی اور اپنی جان بچا کر بھاگا۔ ایک کوٹے کو مار کر لٹکا دوپہر دیکھو کتنے کوٹے کائیں کائیں کئے منڈلانے لگتے ہیں اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں ایک کو اچکڑا گیا اور اس نے ایک آواز لگائی کہ نہراؤں کو تے جمع ہو جاتے ہیں اس حیوان کے ایکے کا نام کچھ ہی رکھو اور اسکی وجہ کچھ ہی سترار دی جائے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس اتفاق اور آپس میں مل جل کر رہنے کی وجہ مذہب ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ بغیر مذہب کے بھی انسان آپس میں مل جل کر اتفاق سے رہ سکتے ہیں اور تمام وہ خوبیاں جو حیوان مطلق میں پائی جاتی ہیں ان میں بغیر کسی مذہب کی پیروی کئے بھی قائم رہ سکتی ہیں لہذا حایمان مذہب کا یہ دعوے صحیح نہیں ہے کہ بغیر مذہب کے انسان انسان ہی نہیں رہ سکتا۔

اسیہی دیکھنا چاہیے کہ کیا مذہب کسی اور صورت میں انسان کے لیے مفید ہوا۔

اکثر یہ مغالطہ ہو جایا کرتا ہے کہ ہم سبب اور سبب میں غلطی کرتے ہیں ایک شخص سگاری پیتا ہوا بالکل پر جا رہا ہے۔ دوسرا شخص جس نے آج تک بالکل نہیں دیکھی ہے مگر انجن دیکھ چکا ہے یہ قیاس کرتا ہے کہ بالکل اس

دہویں کی وجہ سے چل رہی ہے جو اصل میں سگار سے نکل رہا ہے یا بعض وقت یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ابجھان آدمی موٹر کار کی خاک اڑاتے ہوئے تیسرے رفتار سے کو اس خاک کے اڑنے پر محمول کرے۔ یہی قسم کی رائے لوگ مذہب کے متعلق بناتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جس طرح ایک مشین کے چلنے کا نمل اس کے چلنے کی وجہ سے ہے نہ کہ مشین اس غل کی وجہ سے چل رہی ہے۔ اسی طرح مذہب نتیجہ ہونا کے دن بدن ترقی کرنے کا برخلاف اس غلط اندام خیال کے کہ دنیا کی ترقی نتیجہ ہے مذہب کا۔ مثلاً خیال کرنا چاہیے کہ مذہب کی بنا کس طرح ہوئی۔ نامعلوم کے معلوم کرنے کی خواہش کا نام مذہب ہوا۔ جانور و دخت و بیا پہاڑ آسمان بادل بجلی آگ چاند سورج وغیرہ وغیرہ دیکھنا مانے گئے ہیں۔ مگر کس زمانے میں۔ اس زمانے میں جب کہ انسان ان کی ماہیت سے واقف نہ تھا جوں جوں ان کی صلیبت معلوم ہوتی گئی ان کی تقدس کم ہوتا گیا۔ غرضیکہ اس نامعلوم کے معلوم کرنے کی تلاش تو انسان کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی لیکن انسان اس تلاش میں غلط راستے پر چلا یعنی انسان نے شروع میں مشکل سے مشکل مسائل کو حل کرنا چاہا جس کے لیے اس کا دماغ تیار نہ تھا لہذا اس تلاش کی بدولت انسان نے بہت سی غلطیاں کیں جی جی ٹھوکر کھائی۔ ایک آدمی کچڑ میں پسپا پسپا کر گرتا جاتا ہے۔ پاؤں رکھتا کہیں ہے اور پھسل کر پہنچتا کہیں ہے۔ اس کا یہ گناہ اس کی کشمکش کے لیے کسی طرح مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے نقش قدم سے یہ معلوم ہو گا کہ یہ آدمی آگے ہی بڑھتا چلا گیا یعنی اس نے ترقی کی مالانچہ وہ اپنے پاؤں پر سیدھا کھڑا ہی نہ ہو سکا۔ یہی حال مذہب کی کچڑ میں پھسلنے والوں کا ہے ہر نیا مذہب پڑنے مذہب کی خرابیاں

بتاتا ہے اور اکثر ٹیک بتاتا ہے۔ تو گویا انسان کا وقت گزشتہ غلیظوں کے ٹیک کرنے ہی میں صرف ہوتا رہا۔ جو شخص پہلی غلیظوں کے درست کرنے میں لگا رہے وہ ترقی کیا کر سکیگا۔ اور جب مذہب ہم کو کچھ المٹ پھیر میں پہنسانے والا ثابت ہوا تو کس طرح انسان کے لیے مفید ہو سکتا ہے +

لیکن ہاں مذہب کا ایک فائدہ ہے۔ ہماری بہت سی خوشی کا دار و دار خیال پر ہے۔ خیال ایک لامتناہی چیز ہے یہی وجہ ہے کہ جھوٹی امید سے بھی انسان کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ اسی قسم کی جھوٹی امیدوں پر عقائد و عقائد مذہب کی بنیاد ہے اور اس سے قدرتا بعض صورتوں میں انسان کو رحمت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ مذہبی خیال کا آدمی بعض تکالیف میں بھی رحمت پاتا ہے۔ اگرچہ یہ راحت خیالی ہی ہوتی ہے۔ لیکن یہ خیال راحت سچائی کا میخانہ نہیں ہے۔ شراب پینے کی خیالی تعریف قدیم آریہ لوگوں کے زمانے سے عرصہ خیاں تک برابر گائی جاتی رہی۔ لیکن اس سے شراب کا مفید ہونا عائد نہیں ہوتا۔

یہ خیال ہی غلط ہے کہ مذہب کا اثر ہمارے اخلاق پر اچھا ہوا۔ ازمنہ وسطیٰ میں مذہب کا زور تھا۔ مگر اخلاق میں بجائے ترقی کے تنزل ہی پیدا ہوا۔ دوزخ کی دہکی اور جہنم کی رشتہ اخلاق پیدا کرنے میں بیکار ثابت ہوئی۔ یہ ایک معمولی تجربے کی بات ہے۔ کہ جس زمانے میں چوری کی سزا موت تھی اس زمانے میں ہی چوری نہ بند ہوئی۔ تو جب ایسی سزا برائی کو نہ روک سکی تو محض دوزخ کی دہکی کیا کارگر ہوگی۔ مذہب نے سب بڑا نقصان یہ پہنچایا کہ برائی کو ہمیشہ بُرائی کے نہ سمجھنے دیا جس طرح ایک بچے کو بلی شادی یا بچا سے ڈرانا اسکے بچے

مضر ہے اسی طرح مذہب کی دھمکی نے انسان کو نیندہ ترقی کے راستے پر پڑنے سے روک دیا۔ جس چیز کا نام کیرکٹور ہے وہ نہ بٹے دیا۔ کوئی نیکی نیکی کے لیے نہیں کیجاتی تھی بلکہ خدا کے خوش کرنے کے لیے بہرہ ور اپنے اوپر کو نہ سکھایا جاتا تھا۔ بلکہ ایک نامعلوم چیز پر غرضیکہ انسان کی اپنی ذاتی قوتوں کو بڑھانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کبھی مذہب نے تعلیم نہ دی بلکہ ہمیشہ اس کے خلاف عمل رہا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ انسان کی دماغی ترقی میں مذہب کا ساتھ رہا ہے تاہم انسان کی اخلاقی اور سوشل ترقی کا سبب مذہب کبھی نہیں ہوا۔

زحرہ

یاسمین - پروفیسر سید محمد سعید صاحب ایم۔ اے مصنف خواب ہے کا یہ لاجواب و نتیجہ خیز ناول اور تمدن انجینی کی پہلی کتاب جس کا مزمعہ سے ملک کو انتظار غایت رہ گئی ہے یہ کتاب جو حقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے۔ قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلباء کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت بحث کی ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے۔

یاسمین جو اس تمام قصہ کی جان اور ہنگامہ کی ایک مشہور نازنین ہے۔ ہر کسی زندگی کا ہر ورق فلسفہ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے۔ قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کی کالی ضمانت ہے قیمت صرف ۵۰ پیسے صنیعہ عصمت تمدن دہلی سے طلب کیجئے

ہاتف کی صدا

سوزنے لائے اٹھ کھڑا ہوا دوق راحت کبتک
خود فراموشی کہاں تک خوان غائب کبتک
دل تازہ بگائے دروس بیت کب تک
روئیلی بالیں پہ بچھو تیری قسمت تک
نہ سستی میں ہے کی سستی کب تک
بے خبر انا آشنا سے از سستی کب تک

خواب عشرت میں تیرے دلی تمنا اور ہے
اور سی جمانہ ساقی اور مینا اور ہے
ہوش میں آنہول اکھیں دیکھ دینا اور ہے
بزم شب کچھ اور بنگا بجے سر کا اور ہے

بھگو ڈری۔ ہونہ مہوشی سی رسوائی تیری

صبح کے جتنے ہی خلقت ہوتا شانی تیری

مجھے بید انقلاب چرخ کج رستا روکھ
چال چلتا ہے زمانہ کسی ایہ رستا روکھ
سمت مغرب طلوع شمس کے آثار روکھ
دیکھ شوق کا دوا اڑا ہوا گلزار دیکھ

ہم صغیرانِ چین کی غور سے گفتار سن

نالہ قمری۔ فغانِ عندلیب زار سن

کارواںِ نچت گلشنِ رواں ہونے کو ہے
دشمن اب میثا دیکھیں بانجھاں مجھے کو ہے

غنچہ خاموش کی پیدا زباں مجھے کو ہے
ہمنوے بلبل بے خانماں مجھے کو ہے

بے زبانی کو تو فریاد و فغان کا جوش ہے

تو گرفتارِ مصیبت مجھے ہی خاموش ہے

زمب دلا ہے چن نے گل کہلانے کے لیے
چھائیں کالی گٹائیں غمِ رُلانے کے لیے

آسمان گردش میں ہے تیرے شانے کیلئے
برق پہنچی آتیاں تیرا جلانے کے لیے

جل اٹھا جب گہرا تو پھر خاشاک ہے

جب ہوا گلزار صحرا۔ زندگانی خاک ہے

فائدہ ہستی کا تیری کیا جو دیراں ہو گیا تنگ ہو گا اور ہی جبرم پریشاں ہو گیا
کیوں ہے غافل بقدر کیا تجھ کو نال ہو گیا؟ تیری آسائش کا سامان فتنہ جاں ہو گیا

خواب میں آگرانا بہ کا لہونا چھوڑ دے

جان من کسیر نیتا ہے تو سونا چھوڑ دے

انقلاب بہت ہے شورشیں محشر یا شمع کے شعلے نے پڑانے کو خاکستر کیا
تیرے بلاؤں کے ہاتھ میں خنجر یا و بدم آتش دل ہی آتی ہر نالفت کی صدا

بے تیری ہستی کا دینا ہے سفر ہیشیا رہو

سر پہ آپونجی قیامت خبر! ہیشیا رہو!!

آغا غلام حسین۔ ارشد

عِصْمَت جس طے یہ امر علم البتوت ہے کہ قوم کی ترقی کا انحصار تعلیم النساء

پر ہے اس طرح اس میں بھی کلام نہیں کر سکتے عِصْمَت لڑکیوں کے واسطے ایک نکتہ

نعمت ہے جس میں غازی تعلیم و تربیت مذہب غیر و مخرب اہل قلم کے مفاد

نکل رہے ہیں

عِصْمَت کو ادبی لڑکیوں کو فرمانبردار بنایا۔ اور بیویوں کو سلیقہ شعار گہرا

اور گہرا میں نابل کے واسطے ایک جواب چیر ہے جو بیش قیمت اعلیٰ درجہ کی

لکھائی چھاپائی زمین ٹائیل سنہری پیل اور تصویر سے مزین ہو کہ ہر مینہ

شائع ہوتا ہے قیمت لائے پتے۔

منشی عِصْمَت و تقدیر اہل۔

ملکی کفایت

متھید

دنیا میں کوئی ایسا سر ہوتا ہے کوئی غریب! میردوں کے پاس جمال و دولت ہوتی ہے وہ بالعموم یا تو اپنی ذاتی محنت یا سلیقہ شکاری اور عقلمندی کا نتیجہ ہوتی ہے اور یا ان کو دہائے میں ملتی ہے اور اس حالت میں وہ درحقیقت اُن کے باپ دادا کی کمائی ہوتی ہے جبکہ وہ اپنا خون پسینا ایک ککے جمع کرتے ہیں اور دور اندیشی کو مد نظر رکھ کر اپنی اولاد کی بیہودی کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے دوتند نہیں پیدا ہوتا مگر عموماً غریب آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کی دین ہے جبکہ چاہتا ہے دیتا ہے کچھ محنت اور عقل کی رسائی پر منحصر نہیں اور سوچ کہ کد خدائے ہماری قسمت ہی میں غریبی لکھی ہے وہ اپنی حالت بہتر کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنی ساری زندگی بے نیکی تشدد ستی میں رد و گزرار دیتے ہیں بلکہ اس ناگوار ہستی پر قناعت کر لیں کہ ایک ملکی اور ذلیلہ بھارت تصور کرتے ہیں۔ بر خلاف اسکے امیر آدمی کے پاس جو دولت موجود ہوتی ہے وہ اس پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دینی بدی اور دولت جمع کرنے کی آرزو اس کے دل میں بٹھتی جاتی ہے اور ہمیشہ تانوسے کے پیر میں رہتا ہے یہی حال دنیا کی مختلف قوموں کا ہے مثلاً برصغیر عظیم ایشیا میں جو لوگ آباد ہیں ان میں

اکثر بحیثیت مجموعی اپنی موجودہ حالت پر قانع اور یہ سمجھتے ہوئے
 ہیں کہ ہماری زندگی کافی کامیاب ہے اور مقصد اپنے موجودہ سرنامے پر
 قناعت کے ساتھ بسر اوقات کرنا ہے۔ اس کے برعکس سرنگی
 قومیں جو اس وقت دنیا کے بڑے حصے پر قابض و حکمران ہیں بڑے
 ترقی کر رہی ہیں اور حالانکہ مینظارات و طاقت اور قیام آن کا
 مقابلہ نہیں کر سکتیں مگر ان کو اپنی موجودہ دولت و ثروت پر اکتفا
 نہیں بلکہ ہر لمحہ اضافہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ چنانچہ اس کوشش
 میں کہ ہم اور زیادہ اقبال مند ہوں انہوں نے علوم و فنون کے
 ہر شعبے میں نہایت حیرت انگیز ایجادیں کیں اور ان کے ذریعے
 سے قدرتی عناصر کو اپنے زیر نگین کیا۔ وہ علوم و فنون زمانے
 میں محض ابتدائی درجہ کہتے تھے ان کو کمال پر پہنچایا۔ مثلاً علم کیمیا
 جو حقیقت عربوں کی ایجاد ہے اس میں اہل فرنگ نے ایسی
 نمایاں ترقی کر لی ہے کہ انسان کو عربوں کی موجودہ تہذیب کی فکر
 یقین کرنے میں آئل ہوتا ہے کہ علم کیمیا کے موجب ایسے لوگ
 تھے جو اب تک پستی کے گڑھے میں بے خبر سو رہے ہیں اور اپنے
 ایجاد کردہ علم کا مقصد یہ سمجھتے ہیں کہ رائگاں اور قتل سے پانڈی
 سونا بن سکتا ہے۔ اہل فرنگ نے اسکا اصلی مفہوم سمجھ کر کالے کوٹے
 کوٹوں میں سے خوبصورت خوبصورت رنگ نکالے۔ کوٹے
 کوٹ میں سے جو ہر پیدا کیے۔ بدبودار چیزوں میں سے
 خوشبوئیں نکھینیں اور اس طرح اپنی پانڈی بنائی۔ یہی حال علم ہند
 کا ہے کہ اگرچہ اس نے ہمارے ملک ہندوستان میں جنم لیا اور

دنیا نے ہمارے ملک سے فائدہ اٹھایا اور فرنگی زمین پر اس نے وہ شہر
 پائی کہ آج میدانِ ترقی میں اہل فرنگ کے تیرہ ہفت کا وسیلہ بنا ہوا ہے۔
 قدیم علوم کو زمانہ حال کے سانچے میں ڈھالنے کے علاوہ یورپ والوں نے
 زمانے کی ضرورت کے مطابق اور ایسے نئے سلم ایجاد کیے اور جن کا
 متقدمین کے دہسٹان گمان ہی نہ گزرا تھا۔ ان میں سے نہایت اہم اور
 پیچیدہ ملکی کفایت کا علم ہے جسکی بنا انگلستان میں ایک انگریز آدم سمیت
 "دولتِ اقوام" کتاب لکھ کر شہداء میں ڈالی۔ ادوں اول لوگوں نے
 اس سلم کی بڑی مخالفت کی کسی نے کہا کہ یہ ہرگز اس قابل نہیں
 کہ معقول آدمی اس کے مطابق اپنا قیمتی وقت صرف کریں دنیا
 میں مال و ندر کے علاوہ اور بہت سے ایسے اعلیٰ مضامین ہیں مثلاً علمِ انصاف
 علمِ دین علمِ فلسفہ۔ جو ہم کو نکلی سکتے ہیں اور بڑائی سے بچنے کی طرف
 مائل کرتے ہیں اس لیے اسکی بجائے انکو پڑھنا چاہیے کسی نے
 یہ اعتراض کیا کہ اس علم کا فقط یہ مقصد ہے کہ امیروں کے پاس
 اور دولت آئے اور غریب بچارے بہو کے مرے۔ غرض سطح
 اور سینکڑوں قسم کے اعتراضات کیے گئے جن کی اصل بنیاد تھی
 کہ اسکی رُود سے عالموں نے دنیا میں پہلی مرتبہ یہ ثابت کر دیا کہ بجا
 خیرات کرنی یعنی ہر ایک فقیر کو جس نے سوال کیا بغیر اس کا اتنی
 دریافت کیے خیرات دینے سے نہ تو اس کا پہلا ہوتا ہے اور نہ
 وہ مقصد پورا ہوتا ہے جس کے لیے خیرات محض ایک ذریعہ
 ہے یعنی خلافتِ عامہ کی بہبودی۔ بلکہ اسکا اٹا اثر پڑتا ہے یہ جو
 ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں بیک منگوں کی تعداد دروہرو

بڑھتی جاتی ہے اور ہنسلاں اور فاقہ مستی عوام الناس میں زیادہ ہوتی جاتی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے سبے جا خیرات کر کے آبادی کے ایک بڑے حصے کو کابل وجود اور بننے کی رہنمائی دی ہے جن میں دوسروں کی کمائی پر اپنا پیٹ پاس لینے کا مدخل یہ ہو گیا ہے اور چونکہ اب تک اس قسم کی نامعقول خیرات کا سلسلہ جاری ہے بلکہ روز فرسندوں سے اس لیے ان لوگوں کو بھی یہ ایک مانگنے کا چسکا پڑ گیا ہے جبکہ اگر یہ خیرات دہندگان اس بے غیرت پیشے کی طرف اپنی بے جا دریا دلی سے ترغیب نہ دلاتے تو نہ محنت کو کے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکتے ملکی کفایت کی تعلیم ان عیوب کا کافی اہندہ کرتا جاتی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں کو تعلیم دینا ان کے فائدے کے لیے کتب خانے کھولنا اور رفاه عام کی خاطر صنعت و حرفت کے مدرسے جاری کرنا سب سے بہتر خیرات ہے اور ایک فقیر کو پیسہ دو پیسے دینے کے بجائے اگر اس کو روزی کمانے کا طریقہ سکھا دیا جائے تو نہ صرف اس کے حق میں مفید ہو گا بلکہ ملک کی اخلاقی اور مالی حالت پر اچھا اثر پڑے گا۔

اگرچہ مسلمان کی عمر بمقابلہ دیگر علوم بہت تھوڑی ہے لیکن اس چھوٹی عمر میں اس کی تعجب انگیز ترقی کر لی ہے اور اس کا جاناں ہر مذہب ملک کے باشندوں کے لیے ضروری ہو گیا ہے چونکہ اس مضمون کا تعلق ان باتوں سے ہے جو ہماری روزمرہ کے تجربے میں آتی ہیں اور سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ دولت کی ماسیت

اسکی پیداوار استعمال اور تقسیم کے اصولوں کی تشریح
 ملی پیرایے میں کرے اس لیے ظاہر ہے کہ موجودہ زمانے میں
 جبکہ تجارت کا بازار گرم ہے ہر تاجر اور کام پیشہ شخص کو اس سے
 واقفیت پیدا کرنی لازمی ہے تاکہ اپنے کاروبار میں ایسی غلطیاں
 نہ کرے جو نقصان کا باعث ہوں۔ علاوہ تجارت پیشہ اشخاص کے
 اس علم کا جاننا ان نوجوان پڑھی فرض ہے جو اپنی قومی بہتری کے
 وسائل پہنچنے میں اپنے قیمتی وقت کا بہت سا حصہ صرف کرتے ہیں
 اور جنہیں سے اکثر کہ آئندہ زندگی میں غالباً استنباط کا موقع ملے گا کہ قوم
 کے تمدنی معاملات پر اپنی رائے سے خاطر خواہ اثر ڈال سکیں اس
 اگر انکی سیاسی اصول سے بے بہرہ رہی تو بہت سی ایسی غلطیوں
 کے مرتکب ہوں گے جن کا اثر انکی ذات تک محدود نہیں ہوگا
 بلکہ ملک کی عام حالت میں خلل انداز ہوگا اور جن کے درست کرنے
 کے واسطے آئندہ الی نسلوں کو محنت شاقہ اٹھانی پڑے گی لہذا اس
 علم سے واقف ہونے کی جتنی محنت ضرورت اہل ہند کو ہے اس کا
 بیان کرنا احاطہ امکان سے باہر ہے۔ ہندوستان کی موجودہ روش
 میں ہمارے مستقبل کا راز پنہاں ہے اور ہماری قومی تاریخ میں
 زمانہ حال ایک ایسا درجہ ہے جسکو جبہ انقلاب کہیں تو بے جا نہ ہوگا
 اگر اسوقت سیاسی عمارت کی بنیاد ملکی کنایت کے سچے اور مستطاب اصولوں
 پر ڈھکی تو نتیجہ پائیدار ثابت ہونے کے علاوہ خوش آئند ہوگا۔ لیکن اگر کو
 مدنی علوم سے تیار کی میں رہے تو ان کی جمالیات و معرفت ان کے حق
 میں مضرب ہوگی بلکہ خود اس علم کے مقابل میں ایک ایسا طاقتور

مخالفت کٹر کر دیگی کہ جس کا زیر کرنا مشکل ہو جائیگا کیونکہ یہ بالکل سچا ہندو
ہے کہ اگر لوگ تمدن کے اسی علوم سے اداقت رہیں گے تو وہ ضرور اپنے
اپنے ملکی کفایت شناری کا ایک جوٹا علم گہر کر آئیں پیروی کریں گے
اور اخیر میں اس جوٹے علم کا عوام کے دلوں سے دور کرنا ایک کام
اور دشوار کام ثابت ہوگا۔ برعکس اس کے اگر اول سے خاص کام
میں اس کے سچے اصولوں کی تعلیم تلقین کی جائے گی تو آئندہ کے
بے بہتت مرٹے طے ہو جائیں گے بہت سی اور موجودہ غلطیاں
رفع ہو جائیں گی مزید بڑھیں کہ جو یہ معلوم کرنے میں مدد ملے گی کہ قومی
عروج کی سترال مقصود ملک پونچھے کا کوئی آسان اور بہترین
راستہ ہے اور ہم کو کیا طریقے اختیار کرنے چاہئیں جن سے
قوم میں خوشحالی برپا ہو دولت زیادہ ہو اور ہمارے مفلس بھی
فاقد کشی کی تکلیف سے نجات پائیں۔

پہلا باب

دولت

تمہید میں ہم کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ ملکی کفایت کا علم دولت سے بحث کرتا
ہے اب ہم کو یہ دریافت کرنا ہے کہ حقیقت دولت کس کو کہتے ہیں اس کا
جواب غالباً بہت سے اشخاص یہ دیں گے کہ مایاں دولت کے معنی تو ہم
خوب جانتے ہیں مگر ساری وقت تو اس کے مائل کرنے میں ہے مگر ان کا
یہ خیال غلط ہے کیونکہ دولت ایسی چیز نہیں جس کی ہم جلدی سے تعریف

کر سکیں۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روپے پیسے کو دولت کہتے ہیں۔ جس کے پاس بہت سے روپے اور اشرفیاں ہوں وہی دولت مند ہے۔ چنانچہ ہمارے ملک میں اس غلط خیال نے لوگوں کے دلوں میں ایسی جڑ بکڑی ہوئی ہے۔ کہ ایک بعض مالدار آدمی تجارتی کاروبار میں روپیہ لگانے کے بجائے روپوں کی تھیلیاں اپنے گہروں میں بند کر کے رکھ چھوڑتے ہیں۔ اور پہلے زمانے میں تو یہ قاعدہ عام تھا کہ عرب سے عرب کے پاس بھی اگر دس بیس روپے جمع ہوئے تو اس نے کوئی چاندی کی چیز بنوا کر بیوی کے گلے میں ڈال دی۔ اسی طرح امیر لوگ سمجھنے جو اہر کے زیورات بنوا کر اپنی دولت کو جمع رکھتے تھے مگر اس زمانے میں سنہنگی ممالک کے امیر باشندوں کے پاس بہت کم نقدی ہوتی ہے۔ اشرفیوں کی تھیلیوں کے بجائے وہ اپنے بنک میں خزانوں لاکھوں روپے کا حساب رکھتے ہیں۔ مگر اس سے ہلکویہ تہ نہیں چلتا کہ بوت کیا چیز ہے۔ اگر نوجوان مرزا کو دولت کہیں تو سعدی کی حکایت کا خیال کر کے اس کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سعدی اٹھائے سفر میں ایک جنگل بیا بان میں جا نکلے ز اور راہ ان کے پاس ختم ہو چکی تھی اور ہوک کے مارے بڑا حال تھا۔ خوراک کی تلاش میں انکی نظر ایک تھیلی پر پڑی جس میں کچھ دانے سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کو اُمید بندھی کہ شاید چنے ہوں اس لیے پاس جا کر اٹھالیا۔ مگر کھول کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ تھیلی میں موتی ہیں۔ اس پر سخت نا اُمیدی ہوئی اور حقیقت کھلی کہ موتی اور پتا اگر قیمتی چیزیں ہیں مگر ایسے وقت پر کسی کام کی نہیں۔ اس حکایت سے صاف پایا جاتا ہے کہ اصل دولت کی تعریف فقط سونا چاندی یا ہیرے جواہر نہیں۔ کوئی یہ کہے گا کہ جس کے پاس بہت سی زمین ہو وہ نہایت امیر آدمی ہو گا مگر اس کا انحصار زمین کے

موقع اور محل پر ہے۔ مثلاً ایک زمیندار ہے جس کے پاس ایک بہت بڑا گاؤں موجود ہے۔ گروہ نہر سے بہت فاصلہ پر واقع ہے اور اس لیے پانی سے نہ نہیں اٹھا سکتا اس سے وہ زمیندار جس کے قبضے میں نہر کے قریب کی زمین ہے زیادہ مالدار ہو گا اگرچہ وسعت میں اس بڑے گاؤں سے قطعہ زمین میں چھوٹا ہو۔ علاوہ ان میں ہمارے ملک میں آریاؤں کے حملے سے پہلے نیم وحشی آباد تھے اور اگرچہ ان کے قبضے میں ہندوستان کے نہایت زرغین خطے تھے، لیکن وہ خود زرعی فلس اور قلعہ بناتے اور اپنا گڑا بڑی مشکل سے کرتے تھے اس لیے زمین کے بڑے بڑے قطعوں پر قابض ہو سیکے۔ خود تمدنی کی نشانی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم فقط اپنے ہی ملک کی متدیم حالتیں یہ نہیں دیکھتے بلکہ فی زمانہ اور ملکوں میں جہاں وحشی آباد ہیں وہاں افلاس بدترین صورت میں نظر آتا ہے۔ آریاؤں نے ہند کے ان خطوں کو لے کر تدرت کے پوشیدہ خزانوں سے پورا فائدہ حاصل کیا اور اپنی بقیہ لمبدری کے زمانے میں ایک تہذیب کی بنیاد ڈالی جو باوجود کئی ہزار برس گزرنے کے اب تک قائم ہے۔ اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلا ہے کہ ایسا ملک جہاں کی زمین زرغین ہو۔ دریاؤں میں بیشما بھری ہوں۔ جنگلوں میں اوپنچے اوپنچے درختوں کی اسطرط ہو جن میں سے اچھی لکڑی نکل سکے۔ زمین کے اندر کوئلے لوہے۔ تانبے سونے اور چاندی کی کانیں ہوں اور اس کے ساتھ ہی آب ہوا خوشگوار ہو اور پانی کی کیابی نہ تو وہ ملک بیشک مالدار کہا جائیگا۔ لیکن یہ ساری خوبیاں از خود دوستانہ نہیں کہی جاسکتیں۔ کیونکہ ایسے ملک کے باشندے سالہا سال تک اس میں بود و باش رکھیں لیکن اگر وہ ان تدرتی خزانوں کو اپنے کام میں لانے کی قیادت

نہیں کہتے تو ساری عمر غریب اور محتاج رہیں گے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دولت پیدا کرنے کے لیے محنت۔ ہنر اور علم کی ضرورت ہے۔ بلکہ اچھی زر خیز زمین کے مقابلہ میں حصول دولت کے لیے ان تین باتوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ لہذا وہ نويس جیہ چاہتی ہیں کہ ہم اہل فرنگ کی طرح دو تہند ہو جائیں اُن کو محنت اور ہنر کے ساتھ علم کا ہی پورا استعمال کرنا چاہیے۔ یہاں علم سے مراد فقط جاننے سے نہیں بلکہ کسی چیز کے معلول اور اسباب کی واقفیت سے ہے۔ مثلاً ہم ایک گنوار کو عالم نہیں کہتے اگرچہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر ہوا بچھو ہوگی تو اُسکا ایک خاص اثر ہوگا۔ اور اگر پودا تو اُس کے برعکس مگر اُسکو یہ خبر نہیں ہوتی کہ بچھو اُڑنے سے وہ خاص اثر کیوں پیدا ہوتا ہے اور وہ کون سے استنباط میں جو ہر کا رخ بدل کر اُس کی تاثیر ہی بدل دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس مفہوم میں ہم اُسکو عالم نہیں کہتے مگر وہ شخص جو منظر ہر قسم کے تغیر و تبدل کی وجوہات سے واقف ہے اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ اُسکی مہولی واقفیت کو علم کہا جائے۔ لہذا دولت کی، ہیئت دریافت کرنے اور اُس کے پیدا کرنے کے لیے ہم کو صرف سطحی باتوں کا جاننا ضروری نہیں بلکہ اُس کے متعلق ہر ایک شے کی علت غائی کا علم ہونا لازمی ہے چنانچہ ملکی کفایت کے علم میں ہی اول مہکودولت کی علمی رُو سے تعریف کرنی ہے جس طرح حکمائے فرنگ نے اسکی تعریف کی ہے اگر اُس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کریں تو یہ ہوگا کہ اصطلاح دولت میں تمام وہ اشیاء مشتمل ہیں جو منتقل ہو سکیں جن کی فراہمی محدود ہو اور جو براہِ دست یا بالواسطہ انسانی خوشی کا باعث ہوتی ہیں یا تکلیف کو رفع کرتی ہیں۔ لیکن یہاں ہم مختصر الفاظ میں یوں کہیں گے کہ وہ چیزیں جو منتقل ہو سکیں جن کی فراہمی محدود ہو اور جو ہمارے کام کی ہوں اُن کو

اصطلاح میں دولت کہتے ہیں۔ اب اگر دولت کی یہ تعریف صحیح ہے تو ہر ایک شے جس میں یہ تین باتیں پائی جائیں دولت کا جسٹہ ہوئی چاہئیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو وہ دولت نہیں و نہ یہ تعریف ٹیک نہیں۔ مگر ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ دولت صرف وہی چیز ہوسکتی ہے جس میں یہ تینوں باتیں موجود ہوں۔ فی الحال اس تعریف کے اچھی طرح متنی سمجھنے کے لیے ہم ایک ایک صفت کو لے کر یہ دیکھتے ہیں کہ کہاں تک درست ہے۔

محمد زون علی بیبر سٹریٹ لا

الْحَمْدُ لِلَّهِ { مولوی سید محمد صاحب کی یہ بیش بہا تصنیف جو علاوہ چھپ گئے ایک نہایت بڑے و مند کتاب ہے مصنف کے از سر نو ترجمہ کے بعد نہایت مست تیار کی گئی ہے یہ گیارہ زبانوں میں مٹل کے علاوہ قصہ کی دھپی مختصر یہ کہ کتاب بغیر ختم کئے چھوڑ دینا کو جی نہیں چاہتا قیمت ایک روپیہ (دعہ)

مہر فرزندیکم { یہ وہ کتاب آج بڑھ ہوٹے نہیں ملتی ہے اور بحیثیت کینیسی نے نہایت محنت صرف تیار کی ہو قصہ کی دلاؤ ویری زبان کی سلائی کے سے تعلق رکھتی ہے قابل مصنف مولوی سید محمد صاحب کا نام ہی اسکی فرمیوں کی کافی ضمانت ہے قیمت فی جلد ۸ روپے آنہ

لڑکیوں کی نشا { حامیان نسیم نسوان کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی انشا لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبداللہ صاحب انجیری کی قلم سے نکلے لطیف زبان کے واسطے کچھ لکھتا با سود ہے ہر خط ایسا موثر ہے کہ ایک ایک حرف کلیمہ پڑھتا ہے قیمت ایک روپیہ (دعہ) ناظرین بحیثیت و تمدن صرف آٹھ آنہ (۸ روپے)

منیجر عرصت تمدن دہلی سے طلب کیجئے

ایک گولڈ فینچ پر جونس مین بھوک سے مر گیا

اک زمانہ تھا کہ بس تنہا شاو میں
تھمھانے تھمھل تھے میری غذا
تھے ملائم بیج وہ کچھ اس قدر
مجھ کی ششہم کے قطرے پیتا تھا
دادی و صخرائیں اڑتا پرتا تھا۔
خوشنما ہونے میں جھکنا نہ تھا
پرہے چلیے اور خوش رنگ تھے
خوش گھوٹی سے میں گاتا پرتا تھا
گیت گاتا تھا ہمیشہ میں نے
لیکن افسوس سپہ آتا ہے مجھے
خوبصورت خوشنما جہاز دہتے
میرا رنگ اور روپ اور لہجہ شباب
آئی آفت مجھے ٹوٹا کوہ خشم
آن کپڑا جھکواک صیاد نے
کچھ نہ کی کرا ب دانہ کی مری
گر پڑی نیچے مے جھڑ جھڑ کے پر
زندگی اک بار مجھ کو ہو گئی
موت ہی نے آخرش ہی تو یہ بات

جوں جہاں ہر خطہ تھا آزاد میں
جن سے غبت تھی بیچے بڑھتا
گویا تبے چھاتی کے میری چند پر
تھے مری حق میں وہی آپ بقا
ہر شجر کی شاخ پر جاسکتا تھا
پانے ہم جذبہ میں ممتاز تھا
میرے بازو سے سنہری رنگ کے
ہر شجر پر چھپتا پھر تانا تھا
دل بھانے والی خوش آواز کو
میرے پر جو تھے زلے رنگ کے
ہائے وہ کیسے کہ گویا کچھ شہتے
آوٹا چند روزہ مانند جباب
اس فلک اک نیا ڈھایا ستم
بند پنجرے میں کیا کیتا دے
یوں ہی غم کہا کہا کے لذتی زندگی
توڑ ڈالی میری صدیوں نے کمر
تبی تن مجھ کو ہر موت کی
مجھ کو اس لذت و غم سے دی نجات

کلفتیں بن غیر محسوس ہو گئیں جتنی تکلفیں تھیں ماری شکلیں
غم کے طوفان کی بجایا ہونے قید تھی سے چڑیا موت نے
بائی ظلم و ستم جو روحہا شکر کرتا ہوں نہایت میں ادا
تو نہ کرتا مجھ پر گریہ غمگینیاں مجھ سے کب جتن قفس کی تیلیاں
کب مجھے آتی ہل یوں ہلے عمل کب مجھ کو آنسوں سے جتنی کھل

میں ہمیشہ تیرا رہتا صید میں راج محمد صاحب
زندگی بزرگ قفس کی قید میں فیض علی گڑھی

غزل

چشمہ ابرہہ ہند قنادہم، خبرش مہیا میں آورد
کہ ساندش بہ مراد او کجی از مراد باغیاں ؟
ز لطیفین گراز و سخن اید شنیدہ ام
سخنے بغیر مریش آوزد و فعل ابل دل
شدہ خلوت ہمہ سخن از محرم شوق تصوریں
ہوئے مصر جمال او شد مالک دل میں چاہیں
من استر از بنار سے کہ نسیم ترزن آورد
چہ عجب کہ بلبل خستہ از تصدی حسین آورد
من مشوق ادبی غوبے کہ بہ غم از دل آورد
ز ملاوتش شے چو مخمور سے سخن آورد
مرد و صحبت کس کا کہ مرا بہ انجمن آورد
کہ جو کوئی بیرون رسد، بدرم ز پر برن آورد

میری شکوہ مجلس بے باطیم تنکشاں
غم عشق و حشمت ترا جو باری سخن آورد

رضا علی وحشت

تاریخ گزیدہ

تصنیف ملاحمد الله مستوفی تفسیری

آٹھویں صدی کے اوائل میں محمد الله مستوفی زبان فارسی کا ایک مشہور و معروف مصنف اور مورخ گذرا ہے۔ مرحوم ڈاکٹر چارلس ریو-پی-لیج۔ ڈی۔ سی۔ Dr. Charles Lewis نے برٹش میوزیم کے فارسی کتابوں کی فہرست میں اس کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ جن کا محصل یہ ہے کہ محمد الله شہر خرزین کا باشندہ تھا، اور اس کے آباؤ اجداد سلطین ایران کے دربار میں صاحبِ عز و جاہ مانے جاتے تھے اور انہیں سلطنت کیون سے مختلف ولایات میں ستوفیت کا عہدہ تفویض تھا۔ اسی وجہ سے وہ اور اس کے تمام اہل خانہ ”مستوفی“ کہلاتے تھے۔

محمد الله نے تاریخ و جغرافیہ میں تین مفید اور کارآمد کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں تاریخ گزیدہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس کے بعد ظفر نامہ لکھا اور اس میں شاہنامہ کی طرز پر ظہور اسلام سے لیکر اپنے زمانہ (۱۳۳۰ء) تک شاہان عرب و ایران کے تمام و کمال واقعات درج کیے تیسری کتاب نثرۃ القلوب ۱۳۳۰ء میں تصنیف اور اس میں مسالک و ممالک (علم جغرافیہ) کے متعلق ہر قسم کے معلومات جمع کر دیے۔

ساتویں صدی کے خاتمہ پر اقوام مغول کی تاخت و تاراج سے وسط ایشیا میں جو بد امنی پھیلی ہوئی تھی اس کی وجہ سے علم و فن کا چراغ گل ہونے کے

قریب ہو گیا تھا۔ مگر اس آپر شوب زمانہ میں فارسی زبان میں چند تاریخیں ایسی تصنیف ہوئی ہیں کہ ان پر اہل عجم حسرت درخیز و ناز کریں جیسا کہ مشہور ہے۔ وزیر عطاء الملک ملا عطاء الدین جوینی نے تاریخ جہاں کشانی تصنیف کی جس میں اقوام غول کی اصل و نسل اور اودن کے خراج کے فصل حالات درج ہیں۔ شاہ محمد میرزا رشید الدین بن فضل اللہ نے جو کہ قازان خاں کا وزیر تھا جامع التواریخ قلم بند کیا۔ اس کے اٹھارہ سال بعد شاہ محمد بن ملا عبد اللہ بن فضل اللہ شیرازی نے تجزیۃ الامصار و ترجمۃ الاعصار لکھی جو تاریخ و مصاف کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اصل میں تاریخ جہاں کشانی کا تکملہ ہے کیونکہ اس میں صرف مغولینہ سترواح کے حالات نہ کو رہیں۔ جامع التواریخ عام تاریخ ہے اور اس میں ابتداء از تخلیق عالم و آدم سے لیکر مصنف نے اپنے زمانہ تک تمام سلاطین عالم اور خلفاء اسلام کے حالات فراہم کیے ہیں۔ ان تینوں کتابوں سے صرف تاریخ و مصاف ۱۲۷۱ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے۔ باقی دونوں کتابیں سلسلہ اوقات مشرب میں چھپ رہی ہیں +

تاریخ گزیدہ و مصاف کے دو سال بعد یہ سلسلہ میں تصنیف ہوئی ہے مصنف نے اس کتاب کو اگرچہ جامع التواریخ سے انتخاب کیا ہے لیکن دیگر کتابوں سے احسن ذکر کے بعض متفرق معلومات ایسی ہی جمع کر دی ہیں کہ انکی وجہ سے تاریخ ایران اور واقعات سلاطین عہد اسلام کے متعلق بہت عمدہ اور کار آمد کتاب ہو گئی ہے +

تاریخ گزیدہ کے دیا چہ میں ان کتابوں کی بھی فہرست درج ہے جنکی اسکی تصنیف میں امداد ملی گئی ہے اور ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) سیر النبی لابن شام

- ۲- قصص الانبیاء للثعلبی۔
- ۳- رسالہ امام شیرازی۔
- ۴- تذکرۃ الاولیاء مصنفہ شیخ فرید الدین عطار۔
- ۵- روضۃ الیامین للیافعی۔
- ۶- تجارب الامم لابن مسکویہ۔
- ۷- مشارب التجارب رکشف المظنون نمبر ۳۴۰۱۲۰
- ۸- دیوان نسب۔
- ۹- تاریخ طبری۔
- ۱۰- تاریخ حمزہ صفہانی۔
- ۱۱- تاریخ ابن ایسر۔
- ۱۲- زبدۃ التواریخ مصنفہ ابولقاسم جمال کاشانی۔
- ۱۳- نظام التواریخ مصنفہ امام بیضاوی۔
- ۱۴- عیون التواریخ لابوطالب علی الخازن البغدادی۔
- ۱۵- کتاب المعارف لابن قتیبہ۔
- ۱۶- تاریخ جہاں کشا مصنفہ علاء الدین جوینی۔
- ۱۷- تاریخ بھینی ترجمہ ابی شرف جربادقانی۔
- ۱۸- سیر الملوک نظام الملک طوسی (جس کا دوسرا نام یاسر نامہ ہے دیکھو
Journal of the Royal
Asiatic Society،
- ۱۹- شاہنامہ خسرووی۔
- ۲۰- سلجوق نامہ طبری۔ نیشاپوری۔

۲۱۔ مجمع ارباب الملوك مصنفه قاضی رکن الدین کوہی۔

۲۲۔ انتظار الاجار مصنفه قاضی احمد دہلوی

۲۳۔ جامع التواریخ مصنفه ملا رشید الدین۔

تاریخ حمزیدہ میں مفصلہ ذیل ابواب و فصول میں :-

مقدمہ

باب اول۔ در ذکر پیغبران و حکما کہ قبل از اسلام بودند۔

فصل اول۔ در ذکر انبیاء و پیغبران و مرسلان و احوال العزم

فصل دوم۔ در ذکر علماء۔

باب دوم۔ در ذکر بادشاہان پیش از اسلام۔

فصل اول۔ در ذکر پیشدادیان۔

فصل دوم۔ در ذکر کیانیان۔

فصل سوم۔ در ذکر احوال ملوک الطوائف۔

فصل چارم۔ در احوال ساسانیان

باب سوم۔ در ذکر محمد مصطفیٰ و خلفائے او۔

فصل اول۔ نسب پیغمبر و کیفیت او۔

فصل دوم۔ خلفائے راشدین۔

فصل سوم۔ آئمہ اثنا عشر۔

فصل چارم۔ بعضی از صحابہ تابعین

فصل پنجم۔ خلفائے بنی امیہ۔

فصل ششم۔ خلفائے بنی عباس۔

باب چارم۔ بادشاہان بعد از اسلام۔

فصل اول - در ذکر صفایان ۲۵۳ - ۲۸۶ -

فصل دوم - در ذکر سامانیان ۲۸۶ - ۳۸۹ -

فصل سوم - در ذکر نزنویان ۳۸۹ - ۴۰۹ -

فصل چهارم - در ذکر غوریان ۴۰۹ - ۴۲۹ -

فصل پنجم - در ذکر آل بویه ۴۲۹ - ۴۴۹ -

فصل ششم - در ذکر سلجوقیان -

(۱) - سلجوقیان ایران ۴۲۹ - ۴۵۹ -

(۲) - سلجوقیان کرمان ۴۳۳ - ۴۸۳ -

(۳) - سلجوقیان روم ۴۵۹ - ۶۶۹ -

فصل هفتم - در ذکر خوارزم شاهیان ۴۵۹ - ۴۷۹ -

فصل هشتم - در ذکر آتابکان -

(۱) آتابکان دیار بکر و شام ۴۸۱ - ۶۰۱ -

(۲) آتابکان فارس ۵۴۳ - ۶۶۳ -

فصل نهم - در ذکر اسمعیلیان -

(۱) اسمعیلیان مصر و مغرب ۴۹۶ - ۵۵۶ -

(۲) اسمعیلیان ایران ۴۸۳ - ۵۵۶ -

فصل دهم - در ذکر قراختانیان کرمان ۶۶۲ - ۷۰۲ -

فصل یازدهم - در ذکر آتابکان - مرستان -

(۱) آتابکان مرز بزرگ ۵۵۰ - ۶۰۳ -

(۲) آتابکان لریک و یک ۵۸۰ - ۶۰۳ -

فصل دوازدهم - باو شاهان مغول ایران ۵۹۹ - ۶۰۳ -

باب پنجم - در ذکر آئمہ و قرار و مشائخ و علماء اسلام -

فصل اول - در احوال آئمہ و مجتہدین -

فصل دوم - در احوال قراء

فصل سوم - در احوال محدثان -

فصل چہارم - در احوال مشائخ -

فصل پنجم - در احوال علماء -

فصل ششم - در احوال شعراء

(۱) شعراء عرب -

(۲) شعراء عجم -

باب ششم - در ذکر شہر قزوین کہ مولد و منشأ مولف است -

فصل اول - کیفیت نام قزوین -

فصل دوم - عبارات و انبیینہ قزوین -

فصل سوم - فتح شہر قزوین و اہل اسلام آن -

فصل چہارم - فواجی و دروغا بنا و قنات و مساجد و مقابر آل -

فصل پنجم - صحابہ و تابعین و آئمہ و خلفاء و علماء و باشاہان کہ بہ قزوین سیدہ

فصل ششم - حکام قزوین -

فصل ہفتم - قبائل و خانوادہائے قزوین -

تاریخ گزیدہ کما مختلف حصوں کو یورپ کے بعض مستشرقین نے

فرانسیسی اور انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ باب چہارم کو جس میں شامان

ایران کا تذکرہ ہے موسیو یولس گانتن Mr. J. Ganton

نے فرینچ میں ترجمہ کر کے سنہ ۱۹۰۳ء میں بمقام پیرس چھپوایا۔ موسیو باری وی میاڈ

رسالہ ایشیا *Journal Asiatique* *In Barbier de Cynaud* نے فرانس کے مشہور
 میں بائیس شتم کا ترجمہ شائع کرایا جس میں شہر سنروین کی تاریخ اور وہاں کے آثار
 و انبیہ وغیرہ کے حالات مذکور ہیں۔ مسٹر۔ لے۔ جی۔ برون۔ ایم۔ لے۔ *Broome*
 نے انگریزی میں فارسی شعراء کے حالات ترجمہ کیے جو بائیس
 کی فصل ششم میں شامل ہیں اور وہ اکتوبر سن ۱۹۱۰ء اور جنوری سن ۱۹۱۱ء کے رسالہ
 رائل ایشیاٹک سوسائٹی *Royal Asiatic Society*
 میں شائع ہوئے ہیں۔ *

تاریخ گزیدہ کے قلمی نسخے دنیا میں بہت موجود ہیں۔ یورپ کے مشرقی
 کتب خانوں میں (۴۱) نفیس نسخوں کا پتہ چلتا ہے (۱) ایک قدیم نسخہ جس کی
 سن ۱۵۰۰ء میں کتابت ہوئی تھی ایران میں معتمد والدہ حاجی فرہاد میرزا مصنف
 جام جم کے یہاں موجود تھا۔ مشہور عالم شرقیات مسٹر۔ لے۔ جی۔ برن۔ *Broome*
 نے اس نسخہ کو حاجی میرزا عبد
 کاشانی کے توسط سے منگوا یا اور عکس میں چھپوا کر اوقات مشرکب «کیطرت»
 سن ۱۹۱۰ء میں شائع کرایا۔
 اب ہم کتاب مذکور کے چند صفحات ذیل میں بطور نمونہ درج کرتے ہیں۔

بادشاہان نبی صفاً

فصل اول از باب چہارم

لیث کریم سیتانی بود۔ و در خود سخوتی میدید و ذکر تلفت فدا از صلاح

در آنکے بیماری و زہنی افتادہ - اما دکان را طبعاً بقا و مال کسی
 بیکبار نہ بروی و بودی کہ از بردہ بعضی باز دادی بخشی خزانہ در ہم بن نصر بن لیث
 بن سیار کہ وال سیستان بود بریدہ مال بے قیاس بیرون بردہ این چیزے شہادت
 یافت تصور گوہری کردیر داشت و زبان امتحان بر آوردہ نمک بودہ چون حق نمک
 پیش او بر قبض مال غالب آمد - مالاً گنبدہ داشت و برقت شنگیر خازن از امانی محبوب
 شدہ بدہ ہم بن نصر باز نمودہ و ہم منادی کرد و در دوران داد و تا حاضر شود لیث صفاء
 پیش او رفت و ہم پرسید کہ چون بر اموال قادر شدی - موجود نہ بروی چہ بڑ
 لیث حکایت نمک و حق آن یاد کردہ - در ہم را پسندیدہ آمد او را ہر در گاہ خیر راہ چاوشی
 و او پیش او مرتبہ جاہ و یافت و امیر شکر شد بعد از و ہر شش یعقوب بن لیث صفاء
 پس از وفات در ہم بن نصر پرستش خروج کرد - از ۳۳۰ سح و ثلثین یاتین بر کا
 او ترقی گرفت امرار و ارکان دولت در ہم بن نصر باو متفق شد نہ تا ۳۵۰
 ثلث و خمیسین یاتین بر تمامت ولایت سیستان مستولی شد نصر و صالح بہر گز نغیند
 و پناہ بہ بادشاہان کابل بروند - بعد و ایشان باہمی ہزار مرد بہ جنگ یعقوب
 آمد یعقوب با سہ ہزار مرد برابر رفت یعقوب از حیلت باقتبل بادشاہ کابل
 نکر کرد و او را بہ فریفت و پیغام داد کہ از کردہ پیشیمان است و از روی محمد دم زادگان
 شرم ساد اگر عذر در پذیرد و چون در اظہار امیدانان یا ہم و عہد و میثاق آید
 و مطاعت آیم و ملک بسپارم - بتبل این فریب بخورد و محبت تمہید عمد و
 میثاق بالنصر و صالح در رؤیت - و نئی احمد سوار از شکر بہ گوشہ و در رفت
 یعقوب نیز با ہمیں مرد مر بر رفت و برایشان غلا کرد و تمامت شکر را بہ کشت
 و با شکر بر سر کابلان تاخت و از ایشان شش ہزار آدمی بہ تیغ گز را بند و کا
 سیستان با قرار گرفت بعد از دو سال بر ملک ہری مستولی شد - محمد بن احمد

بن طاهر بن عبد الصمد طاهر بن وهب بن حکم خراسان بود و در خود قدرت و مقاومت
 زیادت - خواست که به حیل و با وجود شد - آن معنی خود بسبب شکوهی دولت یعقوب
 بن لیث گشت بدوستی پیغام فرستاد و حکومت کرمان را داد - تا در غیبت
 یعقوب مکرستان متخلص کند - یعقوب از این معنی خورم شد چه اندیش
 ناک بود که اگر قصد خراسان کند لشکر کرمان از پشت رود آینه برفت کرمان
 متخلص گردد - محمد طاهر و عیبت یعقوب امیر قاسم نام با سپاهی
 کرمان با متخلص سیان فرستاد - غلام یعقوب بخیان نام ایشان حرب کرد
 قاسم شسته شد و لشکرش شکسته گشت - یعقوب به لطف و مهربانی خراسان
 را پیغامها فرستاد و به بیم و امید ایشان را طبع خود گردانید - محمد طاهر و شرار
 افتاد و ملک بگذشت و به بغداد رفت - یعقوب به تمامت خراسان مستولی شد
 و غریت فارس کرد - علی بن ستمین به جنگ او با مردم شهر بمرز رفت
 و طوق بن قیس - را اسیر کرد و به شیراز رفت و بعد از محاربه اسیر شد و
 ملک فارس به دست یعقوب آمد - معتر خلیفه او را با و شاه داد و منشور و خلعت
 فرستاد تا علی بن ستمین و طوق بن قیس از و خلاص شدند - یعقوب لیث
 مدت دو سال کوشش ماه با و شاهی کرد - هر جا که نشان مال یافت به و ظلم بستند
 ما لها بهان با و گریه و جوس عواق کرد و ما زندان به جنگ الداعی الی الحق حسین و یک
 الباقی رفت و ظفر شد - پس از این هواست بغداد کرد و در و س به جنگ محمد
 خلیفه بناد - خلیفه برادر خود موقوف را به جنگ او فرستاد - و در حلوان جنگ کردند
 یعقوب شکسته به خودستان رفت باز معاودت کرد و در رابع عشر شوال
 ۲۵۰ هجری قمری و ستمین و یاتین انجاد رگدشت چنانکه ذکر رفت +

عمر بن لیث الصفا - بعد از برادر با و شاهی باز تعلق با و گرفت و

بیست و دو سال حکم کرومکار اور عروج تمام یافت برخلاسان و عراق و فارس
 کرمان و سیستان و قہستان و ماثر نذران و غزنہ مستولی شد۔ رافع بن ہرثمہ باد
 مخالفت کرد و با حکام طبرستان و ماثر نذران اما بوقت حرب مخالفت نمودند و معاویہ
 رافع نکر دند۔ رافع منہزم شد و بہ باور گیر محنت آہنگ تحشب کرد۔ عمرو لیث راہش
 گرفت بشیر لشکر بنہینہ را عمرو لیث رفتند۔ رافع پناہ بہ بادشاہ خوارزم۔ برو
 او بر رافع عذر کرد و بہ کشت و سرش بہ عمرو لیث فرستاد۔ کار عمرو لیث قوی
 شد و طبع و زورستان و عراق عرب کرد با معتمد خلیفہ طبرق مخالف سپرد
 و خلیفہ اسماعیل سامانی را بالفرمود با آواز جنگ کند۔ در ربیع الاخر سنہ سبع و ثمان
 و یاتین باد و از دہ ہزار مرد جنگی بہ جنگ عمرو لیث رفت گذر بر ہری داشت
 در کوچہ باغی درختی سیب سر بر راہ داشت۔ اسماعیل غلامی را نہاں برو گماشت
 تا خود کسے ازان نصر بخواد کہ دیانہ ہمہ لشکر براں گذشتند و بہ یک سیب
 تھن نہ کردند۔ اسماعیل خدا کے تعالیٰ را بجدہ شکر گزارد کہ سیاست و عدل
 او در لشکر بدین مرتبہ رسیدہ است و امید و ظفر بہست۔ عمرو لیث باہشت و
 ہزار مرد برابر آمد چون فریقین صفت بیاہستند و طبل فرو کوشند اسب عمرو لیث
 نشاط کرد و او را در ر بود و بہ میان لشکر اسماعیلیاں آورد تا بہ جنگ گرفتار
 شد و آن ہمہ بہ باہگ طبلے منہزم شدند۔ عمرو لیث را در خزانہ مجوس کردند
 از فراشاں او یکے آنجا نیکہ گذشت عمرو را در انجواند و گفت جبست من چیز
 خور دنی ترتیب کن فراشی پارہ گوشت بدست آورد و در نیلاوے
 قلید ساخت و در خواجی رفت سگے سرور نیلاوے کرد و استخوانی برگرفت
 و دہانش بسوخت سر تعمیل سپرد و آورد۔ حلقہ نیلاوے بہ گردش افتاد
 و مید وید و نیلاوے میبرد۔ عمرو بخندید موکلاں کہ ملازم ہبود نہ سوال کردند

کہ موجب خندہ چسپت گفت ہم امر و زبانا دوا الیکم شکایت میسکو کہ
مطبخ نمی صد شتر بہ شوری سے بر نہ زیادت سے باید کہ شب ہنگام مشاہدہ یکم
کہ سگے با سالی میسر و۔

سمعیل۔ انا حاجب را پیش عمر لیث فرستاد و استالت داد کہ انشا اللہ
ترا از خشم خلیفہ خلاص کنم و با سمعیل آخرین کرد و گفت میداغم کہ مرا از خلیفہ روئے
خلاص نخواہد بود اما سیر اسمعیل اپنے طریقہ مروی بود و گفت باز و بندی بران حاجب
داد و گفت این منعمائے گنجائے سن و برادر من است ہماں بتر کہ این مال
بہندگان تو مایہ گرد و تا ایشان را ازین اسبتہ باشد از بندگی امیر توقع آن ست کہ
کہ در موافق گفتار فرمائے و از خون من دست کو تہ کنی و مرا بہ حضرت خلیفہ فرستی
حاجب تصور آنکو جہت امیر اسمعیل تحفہ آوردہ بنشائے آمد حال باز گفت
اسمعیل بانگ بر و زد و گفت بر و و این شمعہ باز دہ و بگوئے اسمعیل سے گوید ان
خایت دانش میخوای کہ بر خود فرونی جوئی تو و برادر است راجع کجا بود ہم جہا
معلوم است کہ شمار و زگر بچکانید و کسہ روزی سوادتی کہ حقیقت عین ثبات
ست۔ مساعد شکست و در جان استیلا یافتند۔ بز و ظلم و جبر احوال حاصل
گردید ظلمہ کہ ازاں احوال در گردن شماست می خواہی کہ صیغوت و گردن
من کنی و امن از آنہا نیست و اپنے گفتہ ام قصد خویش نہ کنم چوں مرا با حق
خون نیست چرا دست بخویش بیا لایم و اپنے گفتہ او را بہ خلیفہ فرستم بہر ازین مجبوز
توان کرد۔ حاجب برفت و گنج نامہ با و رسانید با جواب بہر از آفرین بر و راں
و اعتقاد سمعیل باد۔ امر و زبانی افتادہ ایم کہ برادر خون برادر جہت اندک فائدہ
ردا میدارد و غنیمت می شمارد۔ اسمعیل سامانی عمر لیث را بحضرت خلیفہ فرستاد
چون چشم خلیفہ بہ عمر لیث آمد گفت الحمد للہ الذی کفنی مشک و کفی شنگ

اور اجموس کرو۔ در عہد معتقد دو سال مجوس بود۔ بوقت وفات معتقد براتی
خاومی بہ فرستادنا اور ایکشت اور افراموش کردند۔ و خوردنی نداشتند از گشتی
بجو کار او را اعتبار جهانیان ست با آنکہ از باد شامان بچکیس اچوان اوسفر نمود از
گرسنگی مرو۔ از آثار غرولیت جامع عتیق شدہ است۔

طاہر بن محل بن عمرو لیت الصفا کہ چون بدش اگیرشت
در کان دولت اورا بہ باد شاہی بہ نشاندہ یک سال و چند ماہ کرد و فری کرد۔ و نیز
اسمیل سامانی با و غلبہ کرد و باد شاہی بستہ بعد از مدتی حکومت سیستان بنیرہ
اش احمد داد و از وہ پسرش رسید بعد از وہ بنیرہ او نصر بن احمد بن طاہر
بن خلف حاکم شد و تا ۵۵۵ شمان و حسین و سخامہ حکم کرد و عمرش از صد سال
گزرشتہ بود۔ این زمان نسل بہ نسل حکومت ایشان سیستان تعلق دارد۔
(از صفحہ ۳۴ تا ۳۷۸)

حکیم شمس الدین آقاوی۔ آرییری سکریری

آرکیولوجیکل رسائی

یاسمین۔ پرنسپل موزیم صیغہ صیغہ۔ ایم۔ ہے مصنف خرابستی کا یہ لاجواب
و نتیجہ خیز ناول اور تمدن بخشی کی پہلی کتاب جس کا بصری ملک کو منتظر تھا تیار
ہوئی ہے۔ یہ کتاب جو حقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے۔ قابل مصنف نے خصوصیت
نوجوان طلباء کی واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے
کہ بے ساختہ داؤدینی پڑتی ہے۔ یاسمی جو اس تمام قصہ کی جان ہے اور بنگالہ کی ایک
مشہور نازنین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفہ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت بنی
سے حل کر رہا ہے۔ قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت
ہے قیمت فی جلد ۵ روپے ایک روپیہ منیجر عصمت و تمدن دہلی۔

روضہ امام رضاؑ کی تباہی

دومرقد جس کے گنبد کی اٹلا کاری سکھائی ہو
قسم امون عباسی نے کھائی جس کی حرکت کی
جان مارو بکاش بکس ہوئی ہیں بکھلا ہوئی
ادب کے چوستے ہیں جس کو ایرانی و تورانی
فلک پر قمر صخرہ خورشید و زحان کو زرافسانی
نگہاں جس کی قیاسیں اعظم کی جہاں بانی

اُسی مرقہ کو ڈھانے آئے ہیں ماحتراروی
بکھلا شینا کا شکر آیا ہے جہنم سے
جوان پر مغفل وزن بچے سب قتل مشہد ہیں
دور و روضہ جس کے خادم تو ملائک و اول شہید
فنا گستر ہے جنگی توپ کے گولوں کی غلطانی
ہے نہر قی سسکیاں ایران میں مسلم کی گرا بھانی
کہ گداز اس کے کل سن علیہا فتن کا پانی
سپر دلیس کے ہوتی ہے اس کی آج دہانی

مراد و رد آپ کو اسلامیوں کی کیوں نہیں دلا
مسلمان ایک ہیں اسوہ و غم ایک ہو ان کا
لگایا روس نے پہلو جو مسلم میں مان چسپس کا
پریشان کیوں نہیں کرتی تھیں انکی پریشانی
حقیقت کس کو اب تک نہیں تم نے یہ بھلائی
یہاں لائی ہو رنگ اس غم کی خن برفشانی

ضعیفوں پر نہیں جو رحم کرتا بر ملائیں لے
عجب دلوں میں جنگ ہو عجب تاج سلطانی
یہ نگہ جس میں مخم ہے حقیقت ایک نیر لانی
فلک بال ہما کو پل میں بخشو ہے گس ان

شہید ۱۔

رملہ نبت زبیر

نمبر

طوئیں تنہائی کا نام آتے ہی وہاں سے بلا کسی انتظار کے کسک آیا اور آتے ہوئے دروازہ ہی بند کر دیا، اس کے بعد یحییٰ اسد سے اُٹھ کے عزمہ کے پہلو میں جا بیٹھی اور خفیت آواز میں عزمہ سے پوچھنے لگی ”رملہ نبت زبیر سے تو آپ واقف ہوں گی:

عزمہ۔ رملہ سے کون واقف نہیں۔ جو عبد اللہ ابن زبیر کی بہن ہے، وہ عبد اللہ حوا سے وقت شریعت اسلام کا سچا حامی اور جان نثار ہے اور اُمویوں نے جسے عبد الملک خلیفہ دمشق کی بیعت کا انکار کرنے سے محصور فی الکعبہ کر رکھا ہے۔

یہ سلی۔ اسی اجمال کی ذرا تفصیل کیجئے۔

عزمہ۔ یہ تو ایک مشہور واقعہ ہے کہ بعد وفات امیر معاویہ عبد اللہ ابن زبیر نے حرمین کو مستقر قرار دیکر اپنی بیعت طلبی کا اعلان کیا تھا، جس میں انہیں سید الشہداء کی شہادت، کے بعد کچھ آثار کا یہابی نظر آئے اور یزید کے مرنے سے اُن کے دعوئے کو خاطر خواہ، تقویت، اور اُن کے گروہ میں معتد بہ اضافہ ہوا تھا، مگر یہ عبد الملک کے تیراقبال نے اُن کے طلع بخت کو ماند کر دیا، اور آجکل اسی اپنے دعوئے پر قائم رہنے، اور عبد الملک سے مصالحت پر راضی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اور اس کی جماعت عبد الملک کے لشکر کے محاصرہ میں گہری رہی۔

لیلیٰ۔ اس کا علم تو مجھے بھی ہے کہ اہل حجاز نے عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسی مصیبت کی وجہ سے بنی امیہ اُس کے قتل کی اور اُس کی بیعت کا رخ اپنی طرف پھرنے کی گھات میں عرصہ سے لگ رہے تھے۔ مگر میرا سوال محض اُس نازک معاملہ کی تفصیل کے متعلق تھا، جو آجکل عبداللہ ابن زبیر کو درپیش ہے۔

عزہ۔ کیا تمہیں اس کی خبر نہیں کہ حجاج ابن یوسف ثقفی جب فران عبدالملک سے لشکر کے مکہ پر آکر اس لیے خیمہ زن ہوا ہے کہ عبداللہ ابن زبیر کو قتل کر کے حجاز میں ہی عبدالملک کا پورا تسلط بٹھا دے۔

لیلیٰ۔ مجھے ضرور کچھ یاد پڑتا ہے کہ شام سے نکلتے ہوئے خیمہ میرا گوشگزار ہوئی تھی،

عزہ۔ حجاج کے ظلم و ستم کی یوں ہی کیا کم دیا کہ تھی، مگر آجکل تو اُس نے عبداللہ ابن زبیر پر عرصہ دینا تنگ کر رکھا ہے،

یسنکر لیلیٰ چپ ہو گئی، اور فکر و حیرت کے آثار اُس کے چہرہ سے نمایاں ہونے لگے، مگر عزہ نے فوری ہی اُس سے پوچھا، انہوں خاموشی کی وجہ سے تھا؟ میں جو کچھ ہے اُسے تو کہہ۔

لیلیٰ۔ میں مدینہ سے ایک ایسے کام کے لیے نکلی تھی جس کا تعلق رتہ سے تھا، لیکن عبداللہ ابن زبیر کے مصائب اور شدائد کو نہایت ہوئے اب اس کا موقع ہی کیا ہے کہ اُن اغواض کا ذکر زبان پر لایا جائے۔ تاہم یہ تو کیئے کہ رتہ کیا عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ کہہ رہی ہیں؟

عزہ۔ بے شک کہہ ہی میں ہے۔ اور کمی قوت وغیرہ کی وجہ سے وہ شب

اس وقت ناقابل برداشت مصائب کا شکار بن رہے ہیں،
 پیسنکر بھر پوری بجز تفکر میں غوطہ زن ہوئی اور اُس کی نظریں سامنے کے
 حصّہ مسند پر اس طرح گر گئیں، گویا اُس کے سوزن کاری، اور بناوٹ کے
 تار تار وہ علحدہ کر رہی ہے،

غزہ نے پھر کہا، لیلیٰ! تمھارا مافی الضمیر کیا تھا؟ اُسے تم نے اب تک نہ ظاہر
 کیا تمھارے سکوت سے مجھے سخت بے چینی ہو رہی ہے، آخر وہ معاملہ کیا
 ہے جس کا تعلق رملہ اور عبداللہ ابن زبیر سے ہے؟

لیلیٰ آپ کے پوشیدہ رکھنے کی کوئی بات نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ ہمارا
 امیر کا جو خاندان بنی امیہ کا ایک ممتاز رکن ہے رملہ کو خطبہ دینے کا
 فہم ہے اس لیے اُس نے مجھے رملہ کے صحیح حالات کی اطلاع
 اور خبر لانے کے لیے بھیجا ہے۔ آپ تو کہتے کہ رملہ کے بارہ میں آپ کی
 رائے کیا ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ رملہ سے آپ کا سابقہ بہت رہ
 چکا ہے۔ ایسی صورت میں آپ کے بہتر اُس کے حالات کی صحیح اور معتبر
 اطلاع دینے والا ہی سمجھے کوئی نہیں نظر آتا۔

غزہ۔ سبحان اللہ! رملہ کیا بحیثیت اپنے حسن و جمال ظاہری کے کیا اپنے خلق
 خصال کی خوبیوں کے اعتبار سے، اور کیا فہم و فراست شائستگی اور
 سنجیدگی میں زمان کہ کے لیے سرمایہ صد نازش و انخار ہے۔ لیکن
 مجھے تمھارے امیر کے اس طرف آرزو پر تعجب ہی نہیں بلکہ حیرت ہے
 کہ بنی امیہ اور رملہ کے بہائی عبداللہ ابن زبیر میں کہاں تو یہ کشمکش
 اور معرکہ آرائیاں درپیش ہیں، اور کہاں ایک امیر خاندان جو
 بنی امیہ سے رملہ بنت زبیر کو خطبہ دینے کا خیال قائم کر رہا ہے۔

اسپرلی تھوڑی دیر تو ساکت رہی، پھر بولی ”یہ عقدہ نام کے ظاہر ہو جانے پر بہ آسانی حل ہو سکتا ہے۔ مگر نام کے اظہار میں مجھے صرف یہ خیال مانع ہے کہ بات دوسرے کانوں میں کہیں نہ جا رہے، اور مجھے پر قانون امانت اور راز داری کی خلاف ورزی کی سنگین دفعہ عائد نہ کی جائے۔“

عزیزہ تمیں میری ذات سے مطلق اس کی امید نہ رکھنی چاہیئے، کیا جو سینہ ایمان و شرافت مدینہ کے اسرار کا حامل ہے، وہ ایک تھارے راز کا متحمل نہ ہو گا اپنی تنگ ظرفی کا ثبوت دیدے گا،

یہ لیلیٰ۔ رملہ کو خطبہ دینے کا خواہشمند وہ امیر ابن امیر ہے، جہاں اپنی خاص ذاتی اعتبار سے خاندان بنی امیہ میں آفتاب ہے، جس کی عقل و فراست جسکی تحقیق اور وسعت معلومات، جس کی قدرت کلام اور فصاحت، اور خاص کر جس کی کیا دانی کا اس وقت شہرہ ہے۔

چھوٹے بی عزہ نے کہا ”میں سمجھ گئی خالد ابن نیرید کہو کیا سمجھی!“

یہ لیلیٰ۔ بے شک باغوب سمجھیں، پھر اب کیا مشورہ ہے۔

عزیزہ کی بھوڑوں پر غور و فکر کے بل پڑ گئے، اور تھوڑی دیر کے بعد بولی کہ اب میں اس بات کی تہ کو پائی کہ خالد کو رملہ کے خطبہ دینے پر آمادہ کرنے والے اسباب کیا ہیں؟۔

یہ لیلیٰ۔ بے شک آپ کا ذہن اکی کنہ کو پہنچا ہو گا، مگر مناسب ہے کہ دل کی

بات دل ہی میں رہے، اور لیجئے تحفۂ خالد نے اس مسئلہ کی تکمیل کے لیے آپ کو بھیجا ہے، یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنی آستین سے

ایک ابدار موتیوں کا ہار دالا، نکالا لکڑا اس کی طرف بڑھایا، جسے عزیزہ نے لیکر کہہ دیا۔ سلسلہ کلام میں رملہ کی اوصاف اور خوبیوں کا

ذکر بہت تفصیل سے آیا، جس پر عذہ نے اپنے ذاتی تجربہ اور سابقہ سہ بہت کچھ روشنی ڈالی۔ اس کے بعد یلیٰ نے پہر ان سب باتوں کی رازداری کے اہتمام کے متعلق مکر عذہ سے کہا۔ عذہ نے کہا: یلیٰ! تم ہنڈے دل رہو۔ تمہارا راز میرے سر اور آنکھوں پر یا انخار راز کا عہد لینے کی یلیٰ نے خست چا جی عذہ نے، میں شب گزاری کی اُس سے درخواست کی، یلیٰ نے معذرت کی کہ اُس کے دوسرے رشتہی سفر اُس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اور اب اُس نکاحیاں زیادہ تھیرنا ضرورت کے لحاظ سے نامناسب ہوگا۔

عذہ کو تسلیم کرنا پڑا، اور وہ خست ہوئی۔ جاتے ہوئے رستہ میں باغ کے اندر ٹلوئیس ملا۔ اور اُس کا سلام لیتی ہوئی وہ وہاں سے روانہ ہوئی یہ بات اوپر بیان ہو چکی ہے کہ یلیٰ عرب کی نامور شاعرہ عورتوں میں شمار ہوتی تھی اکثر امراء اور سلاطین کے درباروں میں بطریقِ قدیم حاضر ہوتی مدد قصائد ان کی شان میں پڑھتی اور صلہ و بیاترہ چاہل کیا کرتی تھی۔ اسی حالت کے مطابق اس سال وہ عید الملک ابن مروان کی خدمت میں باریاب ہوئی نئی اور اُس کی شان میں تھیبہ ہی پیش کیا تھا۔ اس کے بعد وہ خالد کے یہاں بھی حاضر ہوئی جہاں رملہ کا ذکر ہوا تھا۔ جب یہ گئی تو عذہ کے توسط سے رملہ کے حالات وغیرہ کی دریافت کی خدمت اس کے سپرد کی گئی۔ اور جب وہ وہاں سے اس مرحلہ کے لیے روانہ ہوئی تو حُسن نامی ایک جھیلہ جوان سال شخص بطور امداد اُس کے ساتھ کیا گیا۔ جو خاص خالد کا انیس صحبت تھا۔

حُسن کی شان نزد دل یہ ہے کہ عبد الملک عراق میں مصعب بن زید عبد اللہ ابن زبیر کو قتل کر کے اُس کے لشکر کو نہر حمیت دے چکا۔ اور عراق

میر، اپنا پورا تسلط بٹھا کے اپنے دار الخلافہ شام کو واپس آیا تو حسن بھی قیدیلا
جنگ کے زمرہ میں اس کے ساتھ آیا تھا۔

حسن عراق میں عبداللہ ابن زبیر کی خلافت کے نقیبوں میں سے تھا۔ سیوہ
مختار ابن عبیدہ ثقفی سے مصعب کو جو صفت آرائی عراق کی مہم کے متعلق
کرنی پڑی تھی اس میں حسن نے بڑی جانبازی کے جہر دکھائے تھے جس کا
انجام یہ ہوا تھا کہ مختار قتل ہوا۔ اور مصعب کو عراق کی نمایاں فتح حاصل ہوئی
مگر اس جنگ کے چچے عبدالملک کے مقابلہ کی جنگ میں مصعب کو
جگہ بن کی لڑائی پیش آئی اس میں بھی اگرچہ حسن نے اپنی مردانہ شجاعت
کی خوب داد دی، مگر عبدالملک کے لشکر کے سامنے مصعب اور اس کے
ساتھیوں کی بساط ہی کیا تھی۔ نتیجہ وہی ہوا جو یہ واقعہ پرچوٹی فوجوں کو بڑے
اور آراستہ لشکروں کے مقابلہ میں پیش آتا ہے

اس جنگ میں حسن کا باپ کام آیا۔ اور وہ خود بطور ایک قیدی
کی فوج شام میں گرفتار ہوا۔ فوج کی واپسی پر خالد نے اسے دیکھا تو پسند
کیا اور اپنے ہمراہیوں میں لے لیا، اس کے بعد حسن کے حسن و الفت
رہنما جوی اور آقا پرستی نے قدر شناس خالد پر جواثر کیا اسی کا یہ طور تھا
کہ وہ خالد کے تمام جزئی و کلی اسرار کا مالک، اور اس کا مشیر خاص بن گیا
اس کے تمام اسرار کا حتیٰ کہ عبدالملک اور اس کے درمیان رنجش اور کشیدگی
کے سبب بھر راز کا باب بھی اس کے لیے مفتوح تھا۔

خالد رملہ کے اوصاف و حسن کا شہرہ سنکر عرصہ سے اس کے حسن کا دفتر
ہو رہا تھا۔ اور رملہ کے خطبہ دینے کی آرزو نے پنہاں اس کے دل میں تھی۔ اب یہاں
اس کی مجلس میں گئی تو بخیال و کیفیت اس سے رملہ کے حالات پوچھے گئے۔ مگر اس کی

جب اپنی ناقصیت محض کا اظہار کیا تو غزہ کے توسط سے دریافت حال کی منت تو اس کے سپرد ہوئی اور عبداللہ ابن زبیر کے نام ایک خط لکھا گیا جس میں رملہ کا پیام اُن کو دیا گیا تھا اور وہ خط حسن کے حوالہ ہوا کہ مدینہ سے لیلٰی کے استخراج کر کے روکہ جا۔ لے خط عبداللہ ابن زبیر کو پہنچا گئے۔ اور اس کے بموجب کرنے اور موافق بنانے میں اپنی شخصی بخش جادوئے تفریر کو پوری طبیعت کام میں لائے۔ حُسنِ حسن کا شریعتِ دلِ خالہ کے حُسنِ سلوک کا مفتون تھا، اور جو ہمیشہ جانِ نثاری پر تلمارتا تھا ظاہر ہے کہ جب اس مقصد کے لیے وہ نالہ کے پاس سے روانہ ہوا ہوگا کوشش اور سعی کے کیسے کیسے بلند عزائم اور اراکے کر کے نہ چلا ہوگا۔ لیکن چلنے کے وقت اسکی متبلی کیفیات اور اندرونی جذبات کا یہ وفور تھا کہ بے ساختہ سرت اور بشت اوس کے چہرے سے پھوٹی نکلتی تھی یہ کہنا کہ اوس کا ظاہری مقصد سفر اُس کی ان بے اعتباریوں کا محک تھا۔ گویا تلاشِ جستجو سے جی چا رہا ہے۔ کیونکہ سفر کا آغاز تھا انجام نہ تھا۔

واقفانِ اسرارِ قلوب، اور قیافہ شناسانِ علاماتِ الوجہ لیں نکشتِ حسا زہ کرتے ہیں کہ حُسن کو ذوق و شوق کی بے چینیِ محبت کی وارفتگی تھی اُسکی قیافہ بولتا تھا کہ عشقِ صادق کو حسن و نفوذ کا شوقِ نظارہ باعثِ حیرانی ہے۔ غرض عبدطمن زل جب مدینہ لیلٰی کے ساتھ گذشتہ روز شام کو مدینہ پہنچا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ تو حُسن ایتقام پر غزہ کے مکان سے لیلٰی کی دہپی کو انتظار میں ٹھہر گیا لیلٰی نے غزہ کے یہاں سے دہپی میں لازم کو تو حکم دیا کہ اونٹ وغیرہ... کے مکان کو لیجائے اور خود حُسن کے پاس گئی۔ جہاں اُسکو انتظار کرتے ہوئے پایا اپنی اور غزہ کی درمیانی گفتگو اوس سے نقل کی۔ پھر اسے سفر مکہ میں تعیل کرنے کی صلاح دی اور کامیابی کو دعائیہ الفاظ کبک خود وہاں سے روانہ ہو گئی فقط (باقی) (عالی)

دنیا ئے اسلام

لہو روتا ہوا نقشہ دیکھ کر دنیا ئے ملت کا
نہال آرزو نہ شک ہے اس باغ میں لیکن
خلیٰ اب محاذِ سیوان اپنے ہوئے بھالوں کا
کمان تک کھلی روئے، ہر گھڑی ہر ایک جانب سے

جدھر دیکھو اودھر چھائی ہوئی ہر ایک گٹھن کی
گلبل بل کے شائیں وہی ہیں نخلِ ماتم کی
کہ سفاکانہ بیتی ہیں گاہیں ایک عالم کی
چلی آتیں ہیں چھاریں صہبتائے پیہم کی

بہت کچھ سن ہے تم غلغلہ تہذیبِ یورپ کا
ہوا اٹلی کے کر تو توں سے اندھیر عالم میں
ہزاروں عورتیں ہیں لاکھوں بیزیاں بچتے

حقیقت کھل گئی پر دشمنی سے صرف مودم کی
کہ تہ قصیر لاکھوں کٹ گئی اولاد آدم کی
ہئے نذر اجل جب سر پر شمشیر ستم چکی

کیجا مونہہ کو آتا ہے خیالِ مالِ ایراں سے
اودھر گلیٹیں بستے ہیں لہو ایمانِ دولت کے
نہ کوئی عورتوں کو من بیتا ہے نہ بچوں کو

کہاں تک دئے، بابتہرہ حالت چشمِ پریم کی
ادھر شکر کون لاشیں ہیں رگابنِ مکرم کی
ہے قتل عام کا بازار، بکری گردن خم کی

دہائی ہر دہائی ہر اخیر لویا رسول اللہ
کمانی لٹ رہی ہے حضرت خارقِ عظم کی

تنائے عبادتِ سیلواری عظیم آبادی

۷۷ دوم سے مراد دوم اور ایران میں - ۱۲ - تنائے عبادتِ غفران

عہدِ عبد علی شاہ کے نامدار شعراء

حضرت بادشاہ سلامت خود بہت بڑے شاعر تھے۔ آخرتِ تخلص تھا اور وقت کا زیادہ حصہ مضامین آفرینی ہی میں گزرتا تھا۔ دروانی کی وجہ سے دارِ سلطنت لکھنؤ میں شمس کے نامازک خیال و سخنوران شیریں مقال ہر جگہ سے اکٹھا آئے تو ذیل میں ان حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس وقت میں، نامدار شعراء کہلاتے تھے اور دربار شاہی میں اکھاوتا رہا۔

بطور تبرک حضرت بادشاہ کے چند شعراء لکھے جاتے ہیں بعد ازاں اور حضرات کا کلام درج ہوگا۔ فرماتے ہیں۔

جب کبھی بڑت کی فصل آگئی یاں گستاخت کی دہر جھانگی
خضر دل تو چھوڑ دی نفث کی را اے طبیعت عشق سے گنہگار گئی

دیگر

شرابِ عشق سے بھول بکھام کی رونق کر جیسے شعر و سخن سے کلام کی رونق۔
اسی طرح صفتِ عشاق کی نمائش ہے نازِ جمعہ میں جیسے امام کی رونق

نواب سید محمد خان ندائے خلیفہ نواب سراج الدین غیاث الدین محمد خاں بہادر
نصرت جنگ نیشاپوری تلمیذ رشید حضرت
آتش فصیح و بلیغ صاحب کلام تھے فرماتے ہیں۔

کھلی ہے گنجِ قفس میں مری زبانِ صیفا میں باجئے چن کیا کروں بیانِ صیفا
اُجاڑا موسمِ گل ہی میں آشاں میرا اُبی ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماںِ صیفا
رند کے دیوان میں شکوہ صیفا نہایت پرورد اور نصیبِ نظم ہے اسی کے

چند اشعار یہ ہیں۔ ایک غزل کے اشعار میں کس قدر منہما ہوا کلام ہے۔
 زیبا میں جو گیسوئے خمدار کیے ہیں بیچ و غم ازل سے بنے مار کیے
 تسبیح کے لیے ہے نہ زئثار کے لیے گردوں ہے میرا ارج خمدار کے لیے
 قطرے عرق کے ابرو پہ مین پونچھ ڈائیے چھالوں کا ہونا عجب کتوار کے لیے
 ایک مرتبہ مشاعرہ میں نواب صاحب نے غزل پڑھی جس کے ایک شعر پر
 عجب منرا ہوا۔ وہ یہ ہے۔

راستہ روک کے کہہ لو گجا کھنہ ہو مجھو کیا ملو گے نہ کہیں ماہ میں آتے جاتے
 غالباً پنڈت رتن ناتھ صاحب رسام مرحوم نے اس وقت بہوتا ہوں انے فرما
 کہ نواب صاحب مصرعہ دویم کو یوں پڑھ دیجئے۔

کیا ملو گی نہ کبھی راہ میں آتی جاتی
 اس میں کنا یہ ہے کہ نواب صاحب عاشق مزاج بزرگ تھی۔ پنڈت صاحب پر بہت ناراض ہوئے
 تہذیبی لٹریچر منشی مظفر علی خان بہادر سیالکوٹی کے تلمیذ رشید مصحفی حضرت بلو شاہ سکتا
 کے دیبا میں منشی تھے۔ عالم وصال
 اور بڑے پایہ کے شاعر گزے ہیں۔ نہر ہائی ٹس نواب یوسف علی خان صاحب الی
 رام پور دہر ہا ٹس نواب علی خاں صاحب والی رامپور نے بہت دنوں تک
 جلب اسیر سے استفادہ حاصل کیا۔ ملک الشعراء منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی
 لکھنوی اس کے شاعر گزے تھے۔ آپ کا خاندان اب تک لکھنوی میں موجود ہے۔

کلام

ہوں میں خمی تیغ ابرے تم اچاؤ چاہیے زخموں کو ہر دم ہفتہ فلوکا
 چشم سب یا میری فکر سے غافل نہ ہو الخدر مرغ دل نہ خواب بھیتا کا
 آفتاب لدولہ خواجہ سعد علی خاں شاعر و خواجہ وزیر لکھنوی کے ہمیشہ زاد اور

اور شاگرد ہیں۔ ان کی شہنوی طلسم لغت بہت شہور معروف ہی۔ سلطان عالم داری علیشاہ کی
کے مصاحبوں اور مقررین میں سے تھے۔ میرزا دل عہد بہادر کے جشن شادی
میں جب حسب معمول ان کو یہی خلعت ملا تو فی البدیہہ یہ شعر پڑھا
خلعت و ریشہ تو سب کچھ میں نوازا جاوے ایسی شادی میں تعلق کہہ کے پکارا جاوے
بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے اور خطاب آفتاب الدور مرحمت فرمایا۔

فتح الدلہ میرزا محمد رضا خاں برفی { سلطان عالم داری علیشاہ کے معزز مصنفین
میں سے تھے اور بخشی الملک کے عہد پر سر فرما
تھے۔ انتراع سلطنت کے وقت میں بادشاہ سلامت کے ساتھ رہے اور ۱۰۵۵ھ میں متیام
ٹیابرج کلکتہ انتقال کیا۔ میرزا برفی کا کلام بہت پر مغز و بلیغ ہے فرماتے ہیں
قیس کا نام نہ لو ذکر جنوں جانے دو دیکھ لینا مجھے تم موسم گل آنے دو
دیگر

ہم تو اپنوں سبھی بیکانہ ہوئے لفظی { تم جو غیروں کی ٹکونہ غیرت تہی
بادشاہ کے ہاں بعدہ نظامت مامور تھے۔ ملک اشعار
مشرقت علی خلیل { خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد رشید اور اہل
شعرا میں سے تھے۔ فرماتے ہیں۔
توں کا سبزو خطا خال کا نہیں محتاج بغیر میرزا خط اعتبار کہتا ہے

رہنے پہ بانہ بے جویری چشم ترکہ { گویا فلک میں پہ پٹنی مکر کر
میرزا علی صبیح { مشہور استاد ملک اشعار آتش کے شاگرد رشید ہیں
کلام فصیح اور نازک ہے۔ فرماتے ہیں۔
خدا کے فضل سے یوسف جمال برصا اب اور چاہئے کیا ہو پیمیری ہو جائے

کلام

ظلمت جہاں جہاں تھی وہاں نور ہو گیا پھر مشک شب جل سے کاغور ہو گیا
 گویا کہ زنگ آئینہ سے دور ہو گیا باطل پرالہ شب و بجور ہو گیا
 کیا نچتہ روشنائی تھی قدرت کے خانہ میں
 مضمون تھا آفتاب کا دروں کے خانہ میں
 کھوٹے ہوا میں طائر زریں نے بال پر بیٹھا وہ آسے چرخ چہارم کے بام پر
 دانے تاروں کے جوڑے تہا در ہر نقار زر سے جن لیے اس نے وہ سہر
 پھر مہمان چشمہ متاب ہو گیا
 چشمہ تو خشک اور وہ سیراب ہو گیا



میر میر علی انیس { تین چارپست سے میر صاحب کے خاندان میں مرتبہ
 گوئی و شاعری موجود تھی۔ خیر حسن آپ کے والد
 بڑے مشہور شاعر اور مثنوی گلزار ارم و بے نظیر کے مصنف ہیں حقیقت میں
 میر انیس خسرو سی اردو تھے جس طرح فارسی میں شاہنامہ لاجواب کی سی
 اسی طرح اردو میں میر صاحب کی مرثیہ میرزا دبیر اگر بلاغت کے بادشاہ
 ہیں تو میر صاحب فصاحت کے شہنشاہ۔

میر انیس و میرزا دبیر کی شہرت ہندوستان سے نکل کر یورپ تک پہنچی
 پونچھ گئی ہے۔ اور ہندوستان میں بھی تین قابل اشخاص نے دونوں صاحبان

کے تذکرے کئے ہیں۔ سب سے پہلے اس میدان میں الصلح علیہ السلام شیل بنحانی مدظلہ
آئے اور موازنہ انہیں دبیر کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی مگر مجھے تعجب ہے
کہ علامہ محمد وح نے میرزا دبیر کے کلام میں سوا اشعار بھی ایسے نہ پائے جو
میر انیس کی برابر ہی کرتے۔ خیر یہ اپنا اپنا خیال ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے
کہ میرزا دبیر کا ذہن میر صاحب سے دوسرا ضرور ہے اور یہ ضد ادابات ہے کہ تلبیت
میر صاحب کو حاصل ہو گئی البتہ یہ بالکل بے انصافی ہے کہ میرزا دبیر کے کلام
کو کلیتہً میر صاحب کے مقابلہ میں پامال بنا یا جائے۔

دوسری کتاب جلیت انیس مولوی سید محمد علی صاحب اشہری مرحوم نے لکھی ہے۔ یہ کتاب کوئی
معقول سوانح عمری و تنقید نہیں ہے۔ معمولی ہی میری اقلت انیس کے نام سے سید محمد حسن صاحب
احسن نے تالیف کی ہے۔ میں نے اس کو دیکھا نہیں۔ البتہ شک ہے کہ انہیں دیکھنا مگر خیال ہے
کہ جناب احسن نے جو لکھا ہو گا اچھا ہو گا۔ وہ تمام حالات واقعات اور ان کے ذرائع
معلومات وسیع ہیں۔ میر صاحب کا خاندان لکھنؤ میں ایک جمہوری اور لوگ ان افراد کو سر
آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔

کلام
بار بچین نظم کو گلزار ارام کو
توفیق کا پیدا ہے توجہ کوئی دم کو
لے ابر کرم خشک نہ اعت پر کرم کو
گنہگار کو اچھا زبانوں میں قسم کو
جب تک یہ چمک مہر کی پر تو سجھائے
اسلم غن میری قلم سے نہ جائے

اس باغ میں چشمی میں ترغیض کجاری
ہر نقل بردمند ہے یا حضرت باری
بلبل کی زباں چہ بہتری شکر گزاری
پہل ہلکوی ہجائے ریاضت کھماری
وہ گل ہوں عنایت چمن طبع شکو کو
بلبل نے بھی سو گناہوں جن پہلوں کے ہو کو

گرمی کی رت

گرمی کی طرف سے دُعا ہے
 اعطش اعطش دباں پر ہے
 دھوپے ہو گئے ہرن کا لے
 طوطوں کی ہو گئی ٹیں میں فیش
 شیر بھی جا گئے کچھاروں میں
 پانی پر چکشی اور بکھیر و سب
 ہے منوں اڑتی دھول ٹکر کو پیر
 تھلے دیتی ہے منہ کو بادِ مہموم
 جس نے اس تند خو لپٹ سو ذرا
 آندھیوں کے ہیں اٹھ رہی طوفاں
 مے جاتے ہیں پلنی بھر بھر کر
 پٹکی پڑتی ہے رال شربت پر
 ہیں پسینہ میں تڑ تڑ کرے
 اٹھ رہا ہے دھواں سمند سے
 میلہ سال لگا ہے دریا پر
 کچھ بناتے ہیں لوگ بل جل کر
 دن بڑا ہو گیا ہے چوٹی رات
 دن تو میں جیسے تیسے کر کے کٹا

جان عالم بونہ آئی ہے
 سبے رٹ ایک ہی لگائی ہے
 اور ٹیری پہ شامت آئی ہے
 چیل ہی انڈے چوڑا آئی ہے
 اک ذرا واں جو ٹنڈ پائی ہے
 ایک خلقت اُڑ کے آئی ہے
 راہ گیروں نے خاک کھائی ہے
 ایسی تیزی سے تلسلانی ہے
 منہ ملایا تو منہ کی کھاتی ہے
 خنک خاشاک کی چڑھائی ہے
 سقوں کی جان پر بن آئی ہے
 برف کی آب بہا آئی ہے
 دل میں اک آگ سی سمائی ہے
 آگ پانی میں کیا لگائی ہے
 پانی بھرے کو خلقت آئی ہے
 ہوتی اسپیں ہاتھ پائی ہے
 واہ کیا شان کسب پائی ہے
 رات اک اور تحفہ لائی ہے

نگار

حسنِ تلافی

ایک دن جنگل میں دو سپہ سالار کے وقت جب سورج آفتابِ معشر کی گریبان کھا رہا تھا۔ اور گواہِ مسموم کا مڑا چکھا رہی تھی۔ ایک ہرنی بچے کو ایسے ایک ہرے بھرے جھوٹے کے دخت کے نیچے بیٹھی تھی۔ اسی دخت کی شاخوں میں ایک کبوتر نے بھی آفتاب کی جلائے والی کرنوں سے پناہ لی تھی۔ اور وہیں اس کے سر پر ہرے ہرے پتروں کی ٹہنڈی ٹہنڈی پھاؤں میں ٹھیک خوشی سے غوغاؤں کر رہا تھا۔ ہرنی نے سر اٹھایا اور ایک حسرت بھری نظر سے کبوتر کو دیکھ کر کھائی واہ واہ کیا خوش نصیب پرند ہے۔ ہوا اسکو ورٹے میں ملی ہے کہ جہاں جی چاہے جائے۔ اور جب ہرجی میں آئے اڑے۔ اس کی سرعت پر واز نسیم اور مہر کے جھڑکوں کو گرد کی طرح پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔ اور اس کی قوت بازو اسے دوڑتے ہوئے بادلوں کے اوپر لیجا کر آسمانوں کی سیر کراتی ہے۔ ایک میں ہوں کہ اس تو وہ خاک سے وابستہ ہوں۔ میری عمر تلاشِ معاش اور سے اُدھر رینگتے ہی رینگتے تمام ہو جاتی ہے۔ شیر و جنگ کے دندان ان اُن بھی مجھ پر نیست میں۔ آدمیوں کے تیر و تفنگ کا نشانہ بھی میں ہی ہوں عجب زندگی ہے کہ نہ جائے اقامت ہے نہ پاسے گریز۔

کبوتر نے ہرنی کی یہ باتیں سن کر ایک ٹہنڈا سا سنس بھرا اور کہا۔ ہمیں شک نہیں کہ ہوا میں اڑنا اور آسمان کی سیر کرنا بہت دلچسپ ہے۔ مگر نہ اتنا جتنا کہ تو سمجھتی ہے۔ ہرنی۔ ہرنی۔ اگرچہ میں دخت کی ٹہنیوں پر بیٹھا ہوں مگر

میں حسرت سے تیرے بچے کو دیکھ رہا ہوں جس کو تو محبت سے اپنی چھاتی سے پٹائے ہوئے ہے۔ اور جس کو تو اپنا خون جگر چلا بلا کر پرورش کر رہی ہے۔ کاش اگر اختیار ہوتا تو میں اپنے بال و پر بوجھ کھسٹ کر بھینک دیتا اور اپنی ساری آنا دی اور بے فکری کو ایک دم کے لیے اپنے بچے کو اٹس سچ گٹھے لگانے کے عوض میں قربان کر دیتا۔ تو کیا جانے کہ میں قریٰ اس پابندی کی حالت پر کتنا شک کرتا ہوں۔ میرا دل ان مشفقانہ جذبات اور مادرانہ خیالات کے احساس کے لیے کیسا ٹپتا ہے۔ جن کی تیرے نزدیک کچھ مستدرہ ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کیا تو مجھ کو سو امیں اڑنے کی وجہ سے اپنی نسبت زیادہ محض غلگن کرتی ہے۔ انسوؤں میں بھی یہاں شک ہے اور شاہین کا شکار ہوں۔ مجھ پر بھی اپنی عیادت نے اپنا دم بلا بیلا کھا ہے۔ یہ سچ ہے کہ تو ایک حد تک پابند ہے۔ اور میں آزاد نہیں اگر تجھے میری آزادی پر شک ہے تو مجھے تیری پابندی پر۔

ہوا کے ایک جھونکے سے درخت کی شاخوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔ اور اس کے پتوں نے تھر تھراتے ہوئے زبان حال سے کہا اگر ہرنی کو اب پابندی پڑنوس ہے تو میں تو جس مستدرہ انسوؤں کروں بجا ہے۔ یہ ہرنی جو بے زمین پر سب سے زیادہ سریع السیر اور تیز رفتار جانور ہے جو صبح کو یہاں اٹھے تو شام کو یہاں سے سیکڑوں میل دور ہو۔ جس کے پاؤں تلے زمین اڑتی جاتی ہے۔ جس کی رفتار کے سامنے زرت زمین کی کی ٹناہیں کھینچ دیتی ہے۔ اس کو اور اپنی پستی کی شکایت۔ اپنی سست رفتاری کا گلہ؟

اے جس انہیمہ فریاد زدننگی صیبت شکر! کن کہ دالت جا پھیلیدنچ اڑ

مجھ کو دیکھو کہ جس جھڑ زمین نے میرے بیج کو اپنے پیٹ میں پالا تھا۔ جس کے
 درہی شفقت میں میں بڑھا پہوٹا اور پھلا۔ اس بڑھاپے میں ہی اس گلبہ کھڑا ہوا
 موسم آئے ہیں اور پٹے جلتے ہیں۔ گرمی۔ سردی۔ بہار۔ خزاں۔ وحبوب۔ چھاؤ
 سب اپنے بندے ہوئے وقتوں پر آتے ہیں۔ اور بچے۔ بڑے۔ بڑے پاتے
 ہیں۔ اور آخربیلے جاتے ہیں۔ اور بچھے دیں چوڑ جاتے ہیں۔ ہوا کے
 جھونکوں سے میری ہری شاخیں جھومتی ہیں۔ میرے پتے ہلکے ہیں۔ کو یا وہ
 بھی ان کے ساتھ ہی دنیا کی سیر کے شوق میں مست ہو کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں
 لیکن ہوائیں چلی جاتی ہیں اور وہ وہیں رہ جاتے ہیں پرندے اگر کسی
 ٹہنیوں پر بسیرا سیتے ہیں اور اڑ جاتے ہیں۔ جانور اگر میرے سایے میں
 آرام کرتے ہیں۔ اور پٹے جاتے ہیں۔ مگر ایک میں ہوں کہ زمین نے میرے
 پاؤں پکڑ رکھے ہیں۔ جہاں آگاہا وہیں لگا ہوا ہوں۔ اور وہیں کھڑا
 رہوں گا۔ یہاں تک کہ آخر ایک دن سو کہہ کر گرجاؤں گا۔ اور میرا زاد بوم
 ہی میرا مقصد ہو گا۔ میرا وطن ہی میری قبر بنے گا۔“

یہ ایک دھست کی جڑ سے دبلی ہوئی ایک آواز آئی۔ جسکو نہ دھست پہنچتا
 تھا۔ نہ ہرنی جانتی تھی اور نہ کبوتر اس سے آشنا تھا۔ ایک ہیرے کی صدا
 تھی جو ایک چٹان میں چھپا ہوا تھا۔ اور اپنی آب و تاب اور اپنے رنگ
 روپ کو پتھر کے پردے میں چھپائے ہوئے کسی قدر وہ ان جو ہر شناس
 کے انتظار میں پڑا تھا۔ اس نے اپنے سنگین قید خانے میں سے ہرنی بکرت
 اور میوے کی یہ باتیں سنی تھیں اور آخربیلے اس سے نہ رہا گیا تو اس نے
 بھی کہا یہ سب تم سب چیزیں اپنی حالت پر افسوس کر رہے ہو تو ہر میری
 حالت تو قابل بیان ہی نہیں ہے۔ تم سب زندہ تو ہو۔ تم سب میں جان تو ہو

لے درخت تجھ میں ہی۔ تیری شاخیں ہر سال پھلتی پھولتی ہیں۔ تیری کوئی ہر برس نکلتی ہیں اور پھولتی ہیں۔ تو اپنی بے شمار بانوں سے پانی پیتا ہے۔ اور اپنے لانا تھا منہ سے سانس لیتا ہے۔ نسیم سحری تیری کلیوں کو کھلاتی ہے۔ باد بیماری تیرے پہلوں کو جھولا جھلاتی ہے تو نے وحشی پرندوں کے لیے اپنی آغوش بہت کھول رکھی ہے۔ لہجہ حیوان کے لیے اپنے پھل تپوں کا خان عام بھجار کھا ہے جس پر دشت دشمن کی تیر نہیں۔ جہاں اپنے بیگانے میں فرق نہیں۔

شکوہ تنگدلی عجب بہ ناطق بہ گزار۔ شکر و کن دلت امید شگفتن دارد
اسپر بھی پہنچے اپنی حالت پر قناعت نہیں۔ اٹی شکایت ہے بچھے
دیکھ اور شکر ما۔ سچ یہ ہے کہ اگر کسی کا شکوہ درست ہے تو میرا۔ اور کسی کی شکایت بجا ہے تو میری۔ اور صرف میری۔“

درخت نے جواب دیا آنسوؤں آنسوؤں۔ یہ سچ ہے کہ ہم میں جان ہے جو تجھ میں نہیں ہے۔ مگر ساتھ ہی ہمارے لیے ایک اور چیز بھی ہے جو تیرے لیے نہیں ہے۔ اور وہ زندگی کا سایہ ہے۔ یعنی موت۔ میرے خوبصورت دریا بچے۔ میرے پھل پھول۔ جبکہ ہر سال میں ایسی محبت اور محنت سے پاتا ہوں۔ وہ اس لیے کھلتے ہیں کہ مر جائیں۔ وہ اسی لیے شگفتہ ہوتے ہیں کہ کھلا جائیں۔ ان کے پبد ہونیکا نتیجہ کیا ہے؟ فنا۔ جہاں وہ گئے ہیں وہیں عقرب میں ہی جانا والا ہوں۔ مگر تو۔ اے میرے تو تو جیسا ہے ویسا ہی رہے گا۔ تیری آب و تاب۔ تیری چمک مک ہمیشہ یونہی رہے گی۔ اور تو آخری دن کے سوچ کی کرن سے بھی طرح چلیگا۔ جیسا کہ آج چمک رہا ہے۔ (ترجمہ) مفتی انوار الحسن عثمانی

انتہائے حمیت

مظاہرہ سے ہمدردی عطیہ فطرت نہیں ورنہ ظالم بھی اس نعمت سے محروم نہ ہوتا البتہ شیوہ انسانیت ضرور رہے۔ مگر یہ فیصلہ کہ فاعل کے اس فعل پر تسلیم کا اطلاق ہو سکتا ہے یقیناً اس وقت قابل اعتبار ہیں جب مظلوم کے ساتھ فیصلہ سے قبل ہمدردی موجود ہو۔ اسی سبب سے کافی یا ناقافی اگر ہم کو ان واقعات میں سمجھ جا رہے ہیں تو انہیں معقول نامعقول ایک وجہ بھی خواہ وہ اصلیت پر مبنی ہوتی یا برائے نام میسر آجاتی تو ہم ابن مسعودؓ کی اس کے معزز ہم عصر علامہ بیرونی تک سے اس ہشتادویں بدظن ہونے میں نہ چسکتے مگر اسکا کیا علاج کہ از ابتدا ماننا کہیں پاؤں ٹکھنے کی بھی جگہ نہیں ملتی اور مجبور یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ صادقہ اور یوسفی دونوں نہیں ایک سے ایک بڑھ کر کرداروں جلی انھیں بپوئی نکلیں ماشاء اللہ اگر ہم نے مولانا یوسف کے تقدس میں قصداً تامل کیا ہو یہ ہم ایسے بزرگوں کا احترام جو ہمارے پیشوا اور امام ہوں عام اس سے کہ وہ سختی و نفرت ہوں یا نہ کم حرام نصب امین تصور کرتے ہیں مگر علمائے اکرام یہ دیکھ کر ناخوش نہ ہوں گے کہ آج کل تین صدیاں گزر جانے پر بھی ایک شخص ابن مسعودؓ کے ان چند واقعات کا جو وہ قلب بند کر گئے بظلم نہ کر سکا *

مسئلہ تقدیر حیات انسانی کی پاڑیاں مذہب کی ایک آڑہی مگر فاعل و مفعول کا

اصل بابہ الاتیناز وجہ ہے اس حق یقین کی کرمادقہ اور یونی کی مصائب سے قدرت کو اس کے سما کوئی فائدہ نہ تھا۔ کہ دونوں بہنوں کی دوستانہ بنی نوع انسان کے واسطے ایک عبرت ہو۔

مقدرات پرتیں ہمیشہ عقدہ لایکل رہا اور گو یقین جسم و مذہب ہی تاہم مذہب چونکہ نصف امرہ محدود ہے اس لیے کسی خاص مذہب کے احکام اصول مسلمہ نہیں ہو سکتی اور ہمارا یہ عقیدہ کہ انسان اپنے قول افعال سرکات سکنت حتی کہ ترقی و منزل کا خود ذمہ ہے گو یقین مذہب ہی مگر ہم اس معاملہ خاص کی کسی بحث کو مذہب متعلق کرنا نہیں چاہتے اسی وجہ سے ہم کو مولانا یوسف کی اس حرکت پر طلق اعتراض نہیں کہ انہوں نے مذہب کو نظر انداز کر دیا۔ ہاں انسانی دنیا کے ساتھ ان کے تعلقات پر رائے زنی کا استحقاق ہر شخص کو تھا اور رہے اور رہے گا۔

قیاس میں نہیں آتا کہ وہ شخص جس کے تقدس کی یہ کچھ دہک نہیں ایک عالم حرب کا معتقد اور ایک سونیا جکی مرید آخر وقت آکر اسکی ایسی مٹی پیدا ہو کہ کامل و دوپہر اس قدر کی گرمی میں جنازہ پر کھیاں بھکیں اور کوئی اٹھانے والا نصیب نہ ہو جھل میں مرا نہیں کہنے میں گرا پڑا نہیں نگوڑا ناٹھنا غیب نہیں زندگی میں بد نصیب نہیں بیٹے موجود بیٹیاں موجود۔ بچوں کے بچے موجود۔ رہنے کی محاسن سنگین حسینی درگاہ سجادہ نشین۔ پانسو کا وظیفہ خوار اور دو گادوں کا معافیدار اپنا شہر اور ہر مسلمانوں کا مردہ کہ رستہ چلتے اور بوجہ ڈھوٹے اپنے اپنے کام چوڑ کر کندھا دیں کیسی نے یہ تک نہ پوچھا کہ مولانا کب مرے کہاں مرے اور کس وقت مرے غضب یہ کہ چہ بجے صبح سے مردہ پڑا سڑا گیا اور دن ہاڑے محالہ اور پڑوس تو درکنار سگے بیٹے اور بیٹیوں نے ٹھٹھے مار مار کر نوائے اڑائے اور مردے کو کلہ اور دو کس کا جانا تک نہیں آ

ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ مولانا آنکھوں کے تھے اندھے غرض کے تھے
 بندے بابا سے لگاؤ نہ بین بھائیوں سے مس کینڈے دھڑلہ نہ
 پڑوس سے غرض زعم حکومت میں چوتھہ دولت میں بیہوش چہلے میں
 گئی انسانیت اور بھڑ میں گیا خون کا جوش مانکے پکارے کہتا اور علی
 روس الا شہاد کہتا کہ دنیا واسطے اس کے اور وہ واسطے اپنے حق الامر
 یہ ہے کہ نفس پروری کا مادہ موجود تھا اور نریری محبشری نے اور ہی دونا پایا۔
 اب اسپٹسبرہ آزادی دلا پر والی دنیا کا خوف نہ خدا کا ڈر شراب بنی
 رفیق بیوی نہیں شفیق، دوست نصیب ہوئے تو ایسے جو خلق کو کہیں گناہ
 سلوک کو بتائیں سلام بیوی میسر ہوئیں تو ایسی جو محلہ بھر کو سمجھیں فقیر۔
 کنبہ بھر کو جانیں غلام اپنی عادت وہ بیوی کی حقیقت یہ۔ دوستوں کی
 صحبت سونے پر سہاگہ اس کینڈے کا آدمی جتنا بیٹا ہوتا جاڑو دوست
 ہیں صادق اور یوسفی دونوں سے زیادہ ان کے بعد امجد مولانا یوسف
 سے ہمدردی ہے مگر ایمان نہیں ٹھکرا جاتا واقعات چنچ چنچ کر پکار رہے
 ہیں کہ با اہمہ نخوت و رعونت مولانا کی بیبیاں خاوند کے ہاتھوں مجبور ہیں۔
 وہ کٹھ پتلی کی طرح سستی سے بند ہی اس کے اشار و پہنہ ناچتی ہیں در نہ پہلی
 دوسری تیسری۔ چوتھی چاروں میں سے ایک تو انسان نکلتی مولانا کے بعد
 چوتھی بیوی اٹارہ برس کے قریب زندہ رہی وہی گہر تھا وہی محلہ اور محلہ ملے
 مالدار تھی اور خود مختار۔ مگر وہی بیوی جو میاں کے جیتے جی کسی سے بات تک
 کرنے کی روا دار نہ تھی۔ پڑوسیوں تک کی دیکھ بھاری میں ساری ساری
 رات بیٹھ کر گزار دیتی۔

مولانا یوسف کو دنیا سے اُٹھے نین صدیاں ہو چکیں مگر ان کے کارنامے

زندہ ہیں اور وہ ہم بچپن کی روح جنہر اس شقی نزل کے مصیبت توڑی آج
تک سہنت برسا ہی ہے ۔

(۱)

ماکی موت یا موت کا ساتھ ہمارے معاشرت میں مصوم بچوں کے
واسطے قیامت کا۔ ماننا ہے مگر حسرت نصیب نہیں وہ دو بچیاں جن کو حقیقی
دادا کی بدولت زندگی سومان روح ہو گئی یہ مصیبتوں کے پہاڑ اگر باپ کے
ہاتھوں ٹوٹتے تو پھر بسر آجاتا مگر دنا تو یہ ہے کہ وہ دادا جس سے توقع
تھی کہ مرے ہوئے لڑکے کی ان نشانیوں کو کلیجہ سے لگائے گا جان کا دشمن ہو گیا۔
مفصل داستان کے بیان سے بات کہیں کی کہیں پونچ جانے لگی مختصر یہ ہے
کہ مولانا یوسف کا بڑا لڑکا یامین پی۔ ایچ ڈی۔ ہوتے ہی تہہ سورو بہہ کا پھیل
ہوا عاشق زار مازندہ تھی بھولانیکا ارمان جی میں تھا جس ترک عشاق سے
یہ شادی رچائی گئی اس کے بیان میں ماہن حمیرہ پورے بیس صفحے رنگ و
ہے باجے گاجے ناچ رنگ کہا نہ دانہ یا مین کی برات نے نوابوں اور رئیسوں
بھی مات کیا ہر چیز کی افراط اتنی تھی کہ دیکھنے والے اشک کرتے تھے۔
اشبازی اور سپرغاں سے شہر جگمگا اٹھا یوسفی اور صادقہ اسی شادی کی
یادگار میں مگر افسوس نصیب ما کو پوتیوں کی بہار دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ اگر انکی
عمر وفا کرتی تو وہ بن باپ کی بچپن کو سپر بھاتی اور آنکھوں پر کہتی اس کی
زندگی میں یہ وقت نہ آتا کہ یامین کی بچیاں دوسرے مل کے پیردوں میں
رہتی پریں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ یامین کی اور یامین اپنی بچپن کا دیوتا
تھا مگر اس کے سامنے یامین کی اتنی مجال نہ تھی کہ وہ بچپن کو ٹیڑھی آنکھ سے
دیکھ لے صرف اتنی سی بات پر کہ چوٹی بھی صادقہ ایک فہرہ باپ کے ہاتھ میں

اشرفیاں دیکھ چل گئی اور باپ اشرفیاں بند کر صند و قچہ میں کہہ باہر چل دیا وہ
 بیاہے تھائے جو ان صاحب اولاد لڑکے کو گھر سے نکالنے لکڑی ہوئی
 اور جب تک پانچوں اشرفیاں اس چار برس کی جان کو دلا دیں جس میں سے
 ایک آخر کار کہو کی گئی تھیں یا میں سے سید منہ بات نہ کی +

ان بچیوں کے ماز بردار آتا باوا اور دادی تینوں قبروں میں جاسو
 اور جن آنکھوں نے انکی ٹپیں اور ٹپوں کی ٹپیں دیکھی وہ ہی ہمیشہ کو بند ہو گئیں
 لیکن یہ سونے والی آنکھیں کاغذ کے صفحہ پر وہ واقعات ہیڈر گئیں جو یا میں نے
 کے پہلو میں بٹھا رہے ہیں۔

مولانا یوسف کی حقیقی چچا زاد بہن راجیل ایک رات کے واقعات اس طرح
 بیان کرتی ہے عشا کی اذان ہو چکی تھی صادق باپ کے گلے میں ہائیں ڈالے
 بچہ پڑی سوتی تھی۔ نافرضوں کی عیت باندھ چکی ہی تھی کہ دفعتہ صادق نے استغفار
 کیا گھر میں کھلبلی مچ گئی گرمی کا موسم ضرور تھا مگر یا میں جیسے معقول آدمی کے
 رونے پر پہنچی آتی ہی چھین مارنے لگا اور اگر غور بھی کی حالت اس کو یقین
 نہ ملا تو وہ بیغیرہ سمجھ اسکی زندگی سے ناامید ہو ہی چکا تھا۔ ماما کیا جنوں
 تھا کہ ایک صاف میں ڈیڑھ ہزار روپیہ نقد خیرات ہو گیا۔ بچی ابھی بچی پڑی
 سوتی ہے اور دونوں باپ اس کے سانس گن رہے ہیں۔ ماما ضرور
 مٹی گرا باپ نہیں دیوانہ تھا بچیوں کے قدم قدم پر آنکھیں بھاتا مجال
 نہیں کہ دم بہر کو ایک ہی آنکھ سے اوجھل ہو جائے۔ ایمان اگر کوئی چیز ہے
 تو بالآخر یہ کہنا پڑے گا کہ یوسفی اور صادق ماما کی گود میں بیٹیں باپ کی آنکھوں میں
 رہیں دادی کے سینہ پر لوٹیں اور بیسیوں خوشامدیوں کے سر پر
 بیٹھیں ماما پڑے گا اور بہر ماننا پڑے گا کہ یا میں کی بچیاں یوسفی اور صادق

سوتے چاندی میں مکلیں اللہ آئیں سے پلیں اور ماتیں چھاؤں بڑھیں۔

(۲)

یامین کے واسطے مالکی موت صد منہ جگر خراشش یا ناقابل تلافی نقصان جو کچھ بھی ہو عارضی تھا جس کا اثر زائل ہوتے ہوتے نام کو ہی نہ رہا۔ مگر مولانا یوسف کی حالت قابل رحم تھی کہ تیس برس کا بنانا یا گھر بڑھاپے میں اُجڑ گیا کیسے درد سے روتا کہ سننے والوں کے کلیجے پھٹتے بیٹا بیٹیاں یوتے پوتے تیس تیس آدمیوں کا کنبہ۔ مگر جو آرام بوسی کے دم سے تھا وہ کہاں حق الامریہ ہے کہ یامین کی ماعورت نہیں فرشتہ تھی جو تیس برس زندہ رہی۔ مگر تمام عمر میں ایک دفعہ بھی میاں کی حکم عدلی نہ کی مبیوں باتیں عادت کے برعکس اور طبیعت کے خلاف ہوتیں مگر اس خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتی کہ کسی کو شبہ تک نہ ہوتا ایسی بیوی اگر مر کر میاں کو زندہ درگور کر گئی تو تعجب کیا دوسرے نکاح کی مولانا یوسف کو نہ ضرورت تھی نہ عمر تھی ساتھ سے اوپر سن بڑھاپے کے دن خدمت کو نوکر فرمانبرداری کو اولاد بیماری کا ساتھ قویٰ میں انحطاط اچھی ہوئی نیند تھکا ہوا کھانا سچ پوچھو تو مولانا یوسف کے اللہ کا زمانہ تھا۔ مگر کس کا سال اور ہمینہ ایک دو ہی ہفتہ کے اندر اندر وہ راج پٹا کہ پندرہ برس کی مہینہ مولانا کے پہلو میں راج رہی تھی دو باجو کی بیوی سوداگر کا گھوڑا مشہور سہا عورت تھی تو نا تجربہ کار مگر بہار کا موسم تہا زیور اور کپڑے اوڑھا مولانا انیس برس بعد پرودہا بنے اور نئی دواہن کی چٹک مشک دیکھنی نصیب ہوئی گو زیادہ حسین نہ تھی مگر مولانا کی موت کو بہت تھی عطر میں ایسی پھولوں میں مہکی زیور میں ٹوٹی کپڑوں میں لدی

ہاتھوں میں منہدی پور پور چھلے مولانا تو گئے کلمہ پڑھتے بیٹے اور بھوپانی
 انکھوں سے دیکھتے کہ بابا جان نئی بیگم کے لیے پان بنا رہے ہیں اور منہ
 پیر لپتے بیٹیاں اپنے کانوں سے سنتیں کہ باپ کا منہ دہلے بیگم کہتے
 کہتے خشک ہو رہا ہے اور سنی ان سنی کر دیتیں +

(باقی آئندہ) رشید الخیر

حاجی احسان الحق صاحب فادرسی رئیس لال کرنی چھاؤنی
 میرٹھ نے ان تمام مضامین کو جو جنگ طرابلس کے متعلق مشہور
 اہل قلم نے مختلف اخبارات میں لکھے جمع فرمایا کہ دو حصوں میں
 تقسیم کیا ہے اور جس کا پہلا حصہ غرن ناحق کے نام سے
 تیار ہے +

کوئی ایسا مسلمان ہو گا جسے جنگ طرابلس سے ہمدردی
 نہ ہو یہ محسوسہ سرزمین طرابلس کی ایسی سچی تصویر پیش
 رہا ہے کہ ہر مضمون کو مکرر کر کر پڑھنے کے بعد بھی سیر
 نہیں ہوتی۔ کتاب بڑی تطبیع پر نہایت آب و تاب سے
 شائع ہوئی ہے اور ہمیں امید ہے کہ قوم کا حاجی صاحب
 کی قدر دانی کرے گی قیمت (عمر) ایک روپیہ

حاجی صاحب سے مل سکتی ہے۔

غزلیں

از خان بہادر سید الشعر امولناشا و عظیم آبادی

جہاں سے جاتے ہیں اب جی کے ہارنے والے کہہ کر گئے سب گیسو سوار نے دے
پلٹ کے دیکھ تو لیتا، دیا تھا گرنہ جواب جلتے گڑ گئے تجھ کو پکارنے دے
کچھ اس طرح ستائے گئے گلی میں تری پلٹ کے آئے نہ پیر جی کے ہارنے دے
سمجھ کے تیری گزر گاہ در پہ غیر کے ہیں جیابھی ہار گئے دل کے ہارنے دے
بس اب جواب ملے گا یہی رہی امید پکارتے سب تجھ کو پکارنے دے
ذرا سی ٹھیس بھی شیشو کی واسطے ہے پہاڑ سنھل کے طاق سے مینا آتے دے

بس اب یہ آخری خیر ان کے حسن کی لے شاد

بلانیں ملے چلے جان دارنے دے

از حضرت رشید مدظلہ

عقدے الفت کے سب ارشک فر کھول دے سینہ یوں پاک کیا دماغ کھول دے
آگیا ہوش تری چال کے مشتاقوں کو حشر کی سن کے صدا دیدہ تر کھول دے
جا عجب کی نہیں گرا ہل محبت زدے میرے ماتم میں حنینوں نے بھی سر کھول دے
پانی تاروں نے ضیاء بڑھ گئی تار کیے شب استمنہ دھانک کے کانوں کے گھر کھول دے
حاجم باران کی طرح ہے نرم ساقی کا آئی برسات کی میخانہ کے در کھول دے
آنکھیں کھولے ہوئے سب کچھ ہے میں تکو دل کے جانی کو یہ عشاق نے در کھول دے
امتحان حسرت پر داز کا منظور ہوا۔ فرج کر کے مجھے میاؤ نے در کھول دے

مٹم آئنگی مجھے لوگ سمجھ جائیں گے
تم نے مجھ کو مرے لاشے پہ اگر کھول دے

سید منیر علی
تتویہ

اصل قیمت (بیمہ رعایتی) (عمر) علاوہ محصول - آخر اگست ۱۹۱۲ء تک محصول تھا

صاحب کے متعلق ایک نازا و دفعہ

از مولوی حکیم بشیر احمد خان صاحب دہلوی چیف میڈیکل آفیسر ریاست دوجا،
 ناول صاحب حبیب بذریعہ وی۔ پی۔ وصول ہوا۔ خدا معلوم آپ کی تحریریں کیا کشش مقناطیسی
 کہ باوجود عدم لغت صحتی بغیر ختم کئے چھوڑنے کو دل گوارا نہیں کرتا۔ برخلاف تمام
 ناولوں کے آپ کا رنگ مخصوص ہے اور یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ آج کل علاوہ
 مشاغل و رہار۔ اطلاعات طاعون میں سخت تنہک ہوں۔ اور ایک لمحہ کی بھی فرصت
 نہیں۔ مگر آپ کے مصنفہ ناول کے وسط دوراتوں کی پیاری نیند کو تو بیاں
 ہی کرنا پڑا۔ علاوہ یہ کہ جس شخص نے دیکھا ہے صد پسند کیا۔ اور عبادت
 آپ کے مشاق ہیں۔ ۱۹۔ اپریل ۱۹۱۲ء

مندرجہ ذیل کتب بھی عایت پر ملکتی ہیں

سیر خطرات	عمر دیگر قصیدہ	۱۲	حلولۃ اشیاء	۱۴
خانہ لندن ہر حصہ	عمر فتح اندلس	۱۲	عیار شہزادہ	۱۲
انتقام کامل	عمر مقدس نازنین	۱۲	روز البرٹ	۱۴
غیب ال دہن	۱۲ حسن انجلینا	۱۲		

المشیر محمد عبد حکیم بہتم کرتا حبیبیہ ڈاک خانہ گوہر گنج ریا بھوپال

ڈاکٹر برن کی بنائی ہوئی مشہور دوائیں

ستائیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال میں آ رہی ہیں
(۱) دوا جسے زور سے اچھلتا ہوا اس دوا کے دو ایک موتا دہی سے دب جاتا ہے۔
(۲) نیا ہوا اور اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دوا بڑے جاتا ہے۔

(۳) پونے دوا لے یا جن کا دوا دم کا ساتھی ہو گیا ہو وہ بھی اس دوا سے بہت صحت پائیں
ومر کی دوا۔ ڈاکٹر محمول ایک شیشی تک ۵ آنہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ (دھڑا)
ڈاکٹر می طاقٹ نیے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں۔ خاص طور پر شیشی
مقوی گولیاں اور ڈینیا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں۔ مغز بربر ڈرک۔ اس۔ اور خون کو
یہ طاقٹ دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہونے والی معمولی کمزوری ہول دل۔ یاد
ہونا۔ ہاتھ پیر کا ہنسا۔ لقمہ۔ وغیرہ ان کو میوں سے آرام ہوتے ہیں و ہفتہ کی خوراک
تین گولیوں کی شیشی قیمت ایک روپیہ ہاں ایک محمول ایک شیشی تک پانچ آنہ۔

امراض متواتر کی دوا یہ ہر ایک اقسام کے متواتر کی دوا ہے ہر طرح کی رحم کی
بیماری پر در وگ حل کی کمزوری پیٹ جانگ میں دو وغیرہ
کو شاک اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے ایک دفعہ
اس دوا کی ہی آزمائش کیجئے قیمت ایک شیشی ایک روپیہ (دھڑا)۔ عموماً ڈاکٹر محمول اور
ان دوائیوں کی مفصل حالت مہر ٹریکٹوں کی پوری کتاب بلاتیت ملتی ہے منگ کر چڑھئے

ڈاکٹر اریس۔ کے۔ برن

نمبر ۶۔ تاما چند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ آغاز منصب علی کشمیری دروازہ دہلی میں ہیں۔

قرائش کیسا تہہ بخار کا حوالہ ضروریں

معاشرتی - تمدنی - ادبی - فلسفی - اخلاقی - تاریخی - اور علمی مضامین کا
مجموعہ

ایڈیٹر: محمد عبد الرشید بخیری - شیخ محمد اکرام
:- فہرست مضامین :-

۱	تصویر العسل مولوی ذبیحہ صاحب مرحوم۔	۱۳	فلسفہ قدیم جدید کے ایک پہلو پر سجاد صاحب
۲	ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ڈی۔ ساو۔ آیل۔	۱۴	سرسری نظر۔ دہلوی
۳	امات الائرٹس مولوی حافظ ذبیحہ صاحب مرحوم	۱۵	ریزہ کلام کی کلام الجراح حضرت توفیق بھٹی
۴	وجہ ستم۔ نئی محمد عبدالکریم صاحب بھٹوی	۱۶	ڈیٹر سیل۔ سید عطاء الدین صاحب۔
۵	حکیم کبھی کبھی۔ فیاض الدین احمد صاحب کئی۔	۱۷	مکملث۔ حضرت توفیق مہدی
۶	مکملہ زندگی۔ آغا غلام حسین صاحب ارشد۔	۱۸	زندگی۔ محمد سہیل صاحب۔ حیدر آبادی۔
۷	راز و نیاز۔ مولوی نیاز محمد خان صاحب نیازی بھٹوی	۱۹	غزل۔ حضرت تنہا پہلواری عظیم آبادی۔
۸	ایک نیچرل شاعر کا مرثیہ مولوی محمد سلیمان صاحب عظیم آبادی	۲۰	سوسائٹی کی اندرونی حالت۔ حسنہ شلیق صاحب۔
۹	علم لاقتصاد۔ محمد نصیر الحق صاحب قریشی۔ بی۔ بی۔	۲۱	اتہائے محبت۔ محمد عبد الرشید الخوری
۱۰	کبھی کبھی۔ قاضی زین الدین صاحب قادی۔	۲۲	غزل۔ نئی نوبت کے صاحب فظلو بھٹوی۔

بَاهُتًا مُحَمَّدًا عَبْدَ الرَّاشِدِ الْخَيْرِ دِهْلَوِي

کتابخانه قسمل اول پر
قیمت قسم دوم هر

۱۳۳۰ میلادی در حوض شائع
قیمت فی جلد پنجاه و نه (۵۹)

کتابخانه قسمل اول پر
قیمت قسم دوم هر

۱۳۳۰ میلادی در حوض شائع
قیمت فی جلد پنجاه و نه (۵۹)

خاک کی چٹکی

فقیری خاک کیوں یادہ خوشتر اور معتبر مانا گیا ہو۔ اس لیے کدو یا کاری سے پاک اور اصلی اثرات کا منظر ہے، دنیا کو روزمرہ اس کا بھڑکے ہوئے کھنکھارے کی شکل بھی اس پر غلبہ ہے چنانچہ ہمیں ہی ایک مرد با خدا نے نہایت الطاف کیساتھ آفتابی سرمہ کا نسخہ عنایت فرمایا اور اس سے عام فائدہ رسانی کی اجازت دی۔

تعریفی الفاظ نہ اس کے لیے ممکن ہیں ہم طولانی تقریر سے کام لینا چاہتے ہیں۔ اس سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سرمہ تمام امراض چشم کا کامل اور نہایت مجرب علاج ہے اس کے استعمال سے ایک ایسی نئی نظر قیام پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی خورنک مرض میں مبتلا نہیں ہوتی۔ کم سے کم چالیس دن کا بھڑکے ہوئے اچھی طرح اس کی غریبوں کا یقین لادیتا ہے۔ اور ایک سال کا استعمال گویا زندگی بھر صحت چشم کا ضامن ہے۔ یہ سرمہ محض خاک کی چٹکی نہیں ہے بلکہ اجزاء جواہرات اور نباتات سے بنایا جاتا ہے اور ستیا رگان کی گردش کے موافق آفتاب کے اثرات اس میں شامل ہیں اس لیے اس کا رنگ بھی سفید ہے۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت بہت کم ہے فی شیشی چھ ماشہ والی (دس) فی شیشی کیتورہ والی برائے ایک مہ نقرہ سلائی (دس) چھ روپے۔

نوٹ پوڑیہ بغرض آزمائش چالیس یوم۔ صرف ایک روپیہ (دس)

المشہر
نشی جو حسین خٹک کا راجا قباں سرمہ کی بودرازہ میوہ



محسن العلماء مولانا حافظ ندوی احمد صاحب 'الہ اہل' دہلی

تمسک

اُمّات الامّہ

گزشتہ سے پیوستہ

۱۱ از شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب لیل علی ڈی ڈی محرم

برخلاف مرد کے کہ تولید تخم کی صلاحیت تک اس میں تمتع کی صلاحیت باقی رہتی ہے ساتھ پاٹھا اور ان ہی عناصر کی وجہ سے جو ان کو لازم ہیں عورتیں بہت جلد بوڑھی ہو جاتی ہیں وہی ناکم حسرت لکم کی مثال پیش نظر کہو تو مردوں کی تکثیر ازواج کی مصلحت کو آسانی سے سمجھ لو گے کہ کاشتکار متعدد کہیتوں میں تخم ریزی کر کے پیداوار کو بڑھا سکتا ہے لیکن کہیت میں اوپر تلے تخم ریزی کی جائے تو محجب نہیں سب تخم ضائع جائیں کیونکہ کہیت ایک ہی تخم کی پرورش کر سکتا ہے جاں جاں ولادت کے حسرت ترتیب دیے جاتے ہیں ان سے یہ بات پائی گئی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش میں قرینہ بنتا لیس اور تالیس اور تریس باون کی نسبت ہے

امریکہ اور فرانس میں ایسا خیال کیا جا رہا ہے کہ اس قباحت کا انسانا و صرف تکثیر ازواج کے اسلامی قاعدے کے رواج دینے سے ممکن ہے بہر کیف بقائے نسل کے لیے مناکحت کا ہونا ضرور ہے اور مردوں کے لیے تکثیر ازواج بھی افزائش آبادی کی ایک تدبیر ہے لیکن تکثیر نامحدود بھی مناسب نہیں ہیں بھی طبعی طرح کے فسادات کا غرت ہے کم از کم کثرہ عیال کا جس کا لازمی نتیجہ ہے افلاس اور سوکنوں کی ہر وقت کی دانتا کلکل کا عورتیں کہا کرتی ہیں سوکن زہر کی چھسری ایک ہی بُری بہت سوکنیں ہونگی تو گھر کو ہم دریں عالم است و وزیر او بنادیں گی لیکن عام طور پر تکثیر ازواج کی حد کا قرار دینا کچھ آسان کام نہیں مقرر کیا ہی وسیع المعلومات پیش ہیں اور دوراندیش کیوں نہ ہو ازواج کے معاملے میں اتنی شخصی اور مقامی باتوں کو دخل ہے کہ سب پر احاطہ محال ہے یہ کام خدا ہی کے کرنے کا تھا اور اسی نے کیا کہ تکثیر ازواج کو چار تک محدود کر دیا اور اس کی مصلحتوں کو بھی وہی خوب جانتا ہے ہم سے چار کی وجہ تخصیص پوچھو تو ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے دیکھنے میں تو چار کے عدد میں نسل کے بڑھانے کے ساتھ عورتوں کے حق کی قضا بھی کیا بیغی ملحوظ ہے اور زنا شوائی کے تعلق میں یہی دو باتیں خیال کرنے کی نہیں مطلب ہے ذرا پیچیدہ لہذا ناظرین کے سمجھانے کے لیے ہم اس کو پیر صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ دنیا کے حالات پر نظر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین جس طرح پر موالید ثلاثہ جمادات - نباتات - حیوانات کے آباد ہے خدا کو منظور ہے کہ وقت موعود قیامت تک اس طرح آباد رہے قیامت کب آئے گی اور کیونکر آئے گی یہ مقام اس بحث کے چھبڑنے کا نہیں ہے مگر کبھی نہ کبھی تو آئے گی یہ خدا کا وعدہ ہے اور اس کا وعدہ پورا ہوگا

رہے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخَلِّفُ اِلَیْعَاذٍ۔ قیامت کا وقت خدا نے کسی کو نہیں بتایا۔ اور کوئی اس کو جان نہیں سکتا اچھا پر خدا زمین کا اسی طرح موالیدِ نثلثہ سے آباد رہنا بھی چاہتا ہے اور موالیدِ نثلثہ ہیں۔ کہ ان کی حالت میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ اور نباتات اور حیوانات میں بڑا تغیر مرنیکا ہر جس کو قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو خدا نے زمین کے آباد رہنے کا یہ نظام کیا کہ جو چیزیں فنا ہونے والی ہیں ان کو اپنا جانشین پیدا کرنے کی استعداد عطا فرمائی درخت ہیں کہ بیج پیدا کرتے ہیں اور بیج آخر کو ویسا ہی درخت بن جاتا ہے حیوانات نر و مادہ مل کر جانشین پیدا کرتے ہیں ذکور و اناث دونوں قسم کے ایک دو نہیں کئی کئی اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مردم شماری برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے خدا نے اپنے علم میں بنی آدم کا ایک مجموعہ قرار دے رکھا ہے جب کثرتِ تولید سے مجموعہ مقدار مقرر سے بڑھتا ہے طاعون یا قحط سے گھٹا کر جس حد کے اندر لے آتے ہیں غرض زنا شوائی کے تعلق سے دو غرضیں متعلق ہیں یکثیر نسل اور مرد و زن دونوں کے تمتع کا پاس عورتوں کے تمتع کا پاس حقیقتہ میں مردوں کی تکثیر بے جا کی ہوک ہے اور اسی لیے ایجاب و قبول کو شرط نکاح قرار دیا گیا ہے ایجاب قبول کے معنی ہیں فریقین کی رضا مندی جو زن و شوہر بننے والے ہیں پہلی تو نہیں مگر دوسری منکوحہ تکثیر کو روک سکتی ہے کہ نکاح سے رضا مند نہ ہو۔ پس ہر تعدد میں مابعد کی عورت مرد سے بڑھ کر ملازم ہے کہ وہ ذاتی سے اپنا حق تمتع چھوڑنے کے علاوہ اپنی بہن بچھل منکوحہ کے اتلاف حق کی باعث ہونی بائیں ہمہ مرد بھی الزام سے بری نہیں کیونکہ گو عورت کی رضا مندی کو زور دینے کے لیے ایجاب عورت کی طرف سے ہوتا ہے

مگر نکاح کی تحریک عکسی موضوع ہمیشہ مرکب طرف سے ہوتی ہے اسلامی شریعت نے جو مردوں کو وقت و امد میں چار بیبیوں کے حج کرنے کی اجازت دی ہے ہم نے اس اجازت کی نسبت کہا کہ اس میں نسل کے بڑھانے کے ساتھ عورتوں کے حق کی رعایت بھی کامیابی ملحوظ ہے یہ بات ہم نے اس سے اخذ کی ہے کہ ایک محل کی حالت میں حل اور ارضاع اور دو سے عوارض طارک غالباً عورت کے چار برس ایسے گزرتے ہیں کہ اس عرصہ میں اس کو بالطبع توالد و تناسل کی قوت سے متنع ہونے کی خواہش نہیں ہوتی اور صحیح رغبت کے بدون تمتع از نکاح طبعت مضر ہے پس عورت کی اپنی اور اس کی اولاد کی توانائی اور مستی اسی کی متقاضی ہے کہ وہ ان اوقات میں مرد کو مقدار بہتہ کا موقع نہ دے اور وہ بدون اس کے ہونیں سکتا کہ مرد کے پاس متعدد عورتیں ہوں لیکن عورتیں اس لم کو تو سمجھتی نہیں۔ نا حق تعدد و ازدواج کی اجازت کو جو اسلامی شریعت نے مرد و مکود دی ہے اپنے حق میں ظلم اور بے انصافی خیال کرتی ہیں نسل آدم کا بڑھانا ایک اعتبار سے حق اللہ ہے۔ اس لیے کہ دنیا کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہی چاہتا ہے کہ آدم کی اولاد بھر لے پھلے جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ تعدد و ازدواج سے تکثیر نسل کا ایک مطلب تو حاصل ہوتا ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں کی توانائی اور مستی کے لحاظ سے چار تک ان کا حق تمتع بھی محفوظ ہے مگر چونکہ مرد و نکاح ہر مہلو سے اعتدال سے قائم رہنا عادتہ محال ہے ازدیاد نسل کے ایک مطلب کے حصول سے نان و نفقہ اور ہر اور حسن معاشرت کے چند چند ضروری مطالب فوت ہوتے ہیں جن کا فوت ہونا امن و عافیت میں خلل مآخذ ہے لہذا شارع نے اپنی کمال دانشمندی سے مردوں کو تکثیر ازدواج کی اجازت

بھیجی ہی تو مصنائت کے ساتھ اور یہ مصنائت صرف عورتوں کے پاس خاطر سے
 ورنہ تکثیر نسل کی ضرورت تو ہر زمانے میں اور ہر جگہ تھی اور ہے اور رہے گی
 خاص کر ملک عرب تو نزول قرآن کے وقت تکثیر نسل کا زیادہ تر محتاج
 تھا۔ برسات و ہاں نہیں ہوتی۔ طائف اور مدینہ اور یمن چھوڑا کھیتی باڑی
 کا کس نام و نشان نہیں۔ عرب کی آبادی کی ابتدا ابراہیم سے ہوئی وہ
 فرماتے تھے رَبَّنَا اِنَّا اسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بَوَادِیْ غَدِیْ ذُرْجٍ عِنْدَ
 بَيْتِکَ الطَّحُّمِ کہتے ہیں اور یہ کہنا محض بہتان اور اہتمام ہے کہ مردوں کو تکثیر
 ازواج کی اجازت دے کہ اسلام نے عورتوں کے تمام حقوق پامال
 کر دیئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی خانہ واریاں بے اطمینانی
 اور بدگمانی کا مسکن بن گئیں۔ مسلمان زن و شوہر ہیں کہیں ویسا اعتدال
 نہیں پایا جاتا جیسا ناسلوں میں۔ اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ عورت تو کچھ
 چیز ہی نہ تھی اسلام نے اسکو چیز بنایا اور چیز ہی قدر قیمت کی چیز
 ہم کو اس بارے میں جسکو مذاہب بحث کرنی منظور نہیں۔ ہم تو
 صرف اتنی بات دکھانی چاہتے ہیں کہ اسلام کا نشو و نما عیب ہوا۔ وہ
 لوگ اسلام سے پہلے عورتوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے تھے۔
 مختصراً انکا سلوک اس قسم کا تھا کہ اگر اسلام عورتوں کی حمایت کو نہ کھڑا
 ہوتا تو شاید بہتر مرد و عورتوں کو ترسا کرتے بالاطبیع
 ظالم بے رحم سنگدل بے مردہ اور دوچار کس میں نہیں۔ قوم کی
 قوم اور اسپر جوٹی غیر۔ شرافت کی شخی میں ناک چوٹی گرفتار وہ کیسا
 سالاسر کہلانے کو گالی سمجھتے اور اس عار سے بچنے کے لئے بیٹی
 ذات کو جینے ہی نہیں دیتے تھے قرآن کی یہ آیت وَاِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ

بِأَنِّي ذَنْبٌ قَبْلَكَ اس کی تصدیق کو پس کرتی ہے ہی حال ہمارے ملک میں ہندو اور راجپوتوں کا تھا عورتوں کی حفاظت یا تو اسلام نے کی یا سرکار انگریزی نے کی کہ سستی اور دختر کشی کی ظالمانہ رسم کا بڑی سختی سے مقابلہ کیا۔ غالب ہے کہ سستی اور دختر کشی کا اسناد و کلی ہو گیا ہے یہ اسی جھوٹی جاہلانہ غیرۃ کا اثر ہے کہ مسلمان ہی سامے سرسراں داماد کے نام سے چڑتے ہیں اور ان الفاظ کے استعمال کو خلاف تہذیب سمجھتے ہیں۔ سستی کو کہتے ہیں بھائی یا خسر لورہ سسے کو خسر ساس کو خوشندان داماد کو خوشش۔ مذہب اور حاکم وقت اگر منصف اور رعایا پروری جبرائیل کے روکنے کی کوشش تو دونوں کرتے ہیں مگر مذہب کی کوشش کا اثر حاکم وقت کی کوشش کے مقابلے میں قوی تر ہوتا ہے کیونکہ افعال کو درست سمجھو تو اس کی جڑوں سے پیدا ہوتی ہے یعنی آدمی پہلے دین ایک کام کرنا نہیں پس وہ صرف افعال کو روک سکتا ہے وہ بھی اکثر بعد الوقوع کہ مجرم کی سزا کے دورے دوسروں کو عبرت ہو اور ارادہ بد سے باز رہیں مگر مذہب قیامتہ اور آخرت کی باز پرس کا یقین دلا کر شروع سے دلوں کی اصلاح کر چلتا ہے پس جن دلوں پر مذہب قابو پایا ہے وہ ارادہ بد کر ہی نہیں سکتے کہ اس کے عمل میں لانے کی توجہ آئے خدا نے عورت کو مرد کے مقابلے میں کمزور و ضعیف اور مغلوب پیدا کیا ہے لیکن بائیم وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں کہ دوسرے کی شرکت کے بدون عافیت کے سنگ زندگی کر نہیں سکتے بقائے نسل کے لیے دونوں کی شرکت کی ضرورت تو صاف ثابت ہے کہ اکیلا مرد یا اکیلی عورت دونوں میں سے ایک بھی اولاد لے اور جبرقت لڑکی سے جو زندہ درگور کر دی گئی تھی پوچھا جائے کہ برصورت بدسلای ماری گئی ۱۲

پھر یہاں لکھا ہے کہ مذہب ہی جو حاکم وقت کی حکومت دلوں پر نہیں ہے لوگوں کے ارادے اس کے پس

پیدا نہیں کر سکتا دینلے کو ن فساد کو دیکھ کر فلسفیوں نے دی فٹ ٹولو کا کلیہ
 مستنبط کیا جس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا میں زردست مخلوق کمزور مخلوق کو
 معدوم کرتی جا رہی ہے۔ پس باہمی حسیلاج صنف نسواں کی بقا کی ضمانت
 اور محافظانہ ہوتی تو عورتوں کا پیدا ہونا کبھی کا موقوف ہو گیا ہوتا اس پر یہی
 صنف ذکر اور صنف نسواں میں شروع سے ایک طرح کی کشمکش قائم
 ہے لیکن مدت کی کمزوریوں کی وجہ سے عورتوں کا پلکا ہمیشہ مردوں
 مقابلے میں ہلکا رہا ہے اور مقتضائے فطرۃ بھی یہی ہے کہ تیل اور
 پانی ایک بوتل میں پیرے جائیں تو تیل اوپر رہے عورت پانی کی جگہ
 ہے اور مرد تیل کی جگہ۔ مرد عورت یعنی بیاں بوسی میں جو نسبت ہوتی
 چاہیے قرآن میں صاف نفلوں میں تبادلی ہے ایک جگہ فرمایا
 اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى الْبَعْضِ وَبِمَا
 اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى الْبَعْضِ - مردوں کی خدا
 توانائی کی طرف اشارہ ہے اور یہ مردوں کی برتری ایک وجہ ہے دوسری
 وجہ بامنفقوا من اموالہم دوسری جگہ فرمایا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيَّهِنَّ
 بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِمْ دَرَجَةٌ نِجْر یعنی فطرت کے قاعدے ایسے
 ابدی اور مستمر ہیں کہ ان کا نقص ہو ہی نہیں سکتا لَنْ يَجْعَلَ لِسُنَّةِ اللَّهِ

۱۷ مرد عورتوں کے سروہر میں (اس کے دو) سبب (ایک ہیں) یہ کہ آدمیوں میں (اللہ بے بعض
 یعنی مردوں) کو بعض (یعنی عورتوں) پر (دلی مغبولی اور جسمانی توانائی میں برتری ہے اور دوسری
 سبب یہ کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنا مال خرچ کیا ہے ۱۷ اور عورتوں پر (مردوں کا حق) عورتوں پر (مردوں
 دستور کے مطابق عورتوں کا حق) مردوں پر (مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے) ۱۷۔ (ای پیغیر تم خدا
 کے قاعدے کو ہرگز بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اور نہ خدا کے قاعدے کو ہرگز ملتا ہوا پاؤ گے) ۱۷

تبدیل دلاؤ۔ نجل نسنتہ اللہ شویلا۔ مرد و عورت اگر خدا کی باندہی ہوئی فطری
 حد میں رہیں تو مرد و عورت کا تعلق اس قسم کا ہے کہ دنیا دونوں کے حق میں
 بہشت ہو جائے لایسہم عن فیہا النعماء ولا تائباً لہم حضرت آدم کی
 اولاد کیا مرد کیا عورت ایسا تنکھا فرج لیکر آئی ہے کہ نہ دھرا جائے اور
 نہ اٹھایا جائے ہزاروں برس دنیا ایک وسیع خاص پر چلی جا رہی تھی بٹھو
 بٹھائے اہل یورپ نے ایک اشغول اٹھا کٹر کیا کہ آدم زاد ہونے
 میں مرد و عورت دونوں برابر مردوں نے عورتوں کے حقوق غضب
 کو کے کاروبار سلطنت سارا اپنی تھپی میں کر رکھا ہے اے بلبل بلند باگ
 در آخر ہیج۔ تمام غل غبارے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عورتیں تار اور ڈاک خانے
 میں نوکر رکھ لی گئیں کچھ شفا خانوں میں بیمار داری اور دایہ گری کچھ اوتے
 درجے کے سکولوں میں معلمی کی چند متوں پر مامور ہیں مگر عورتیں تو مقنن
 اور سپہ سالار بننے کے فنک میں ہیں کوئی ان کو ایاز قدہ خود شناس اور
 ہر یکے را بہر کارے ساختند کا سبق نہیں پڑھاتا کہ تیار مار کر گھر کے کام
 کاج میں دل لگائیں جو ان کے کر نیکا ہے اور جس کے لیے خدا نے
 ان کو پیدا کیا ہے صرف ایک اسلامی شریعت ہے جو اس بات کا دعویٰ
 کر سکتی ہے کہ اس نے زن و شو کے تعلق کے بارے میں جو فیصلہ کیا
 ہے وہ بالکل مطابق نظر ہے اور اس میں دونوں کے حقوق کی فوجی
 رعایت ہے لیکن مولوی روم نے ٹیک فرمایا ہے

چوں غرض آمد نہر پوشیدہ شد

صد ہزاراں پردہ سوئے دیدہ شد

(باقی آئندہ)

وجہ ستم

حضرت نیاز فتحپوری کی عرض ستم ایسی نظم تھی جو غیر موشرطاً ثابت تھی
 جس وقت سنی کا تدن بارگاہِ قدس کے دارالانشاء میں موصول ہوا
 منشی فلک نے اپنے اور محفلِ نوٹ کے ساتھ نزہت گاہِ منصف کے کاتب
 خصوصی رپراویٹ سکریٹری کے ہنجن میں بہ صدارتِ الوہم بعد
 رد و تسخ یہ جواب (ظہری) لکھا۔ جو بغیر مشاعت و اعلان
 تدن میں بھی گیا۔
 شکوہ

عرض ستم پڑھی گئی آج ہمارے روبرو
 ہم یہ طعن ہے کہ غیر موردِ لطف بدل ہے
 سخت تاسف ہے ہمیں ہے جو بدوں تھا حال
 ہم پٹے ہوئے ہو تم آہیں نہیں ذرا کلام
 کیسے گردِ بدلیں ہم سارے نظامِ ہر کو
 سوچتے ہیں ذرا سے سترِ بدن کو سطح
 کہتے تو ہوؤ وفا وفا خاک مگر وفا نہیں
 لفظ تو یاد ہے مگر معنی سے آشنا نہیں

ہادی دیں نے اکی ہی تلموسق دیا تھا کیا
 سونے تم ایسے کچھ کہ پھر جاگنا ہو گی قسم
 کذب رہا تمھاری خو کینہ تمھاری تجو
 راحت عیش گرے پھر نہ بدن ہے ذرا
 جس نے خدا جگادیا بس وہی ہو گیا بڑا
 بعض دس دس کو ان صدق و صفا کو مضا

قلب میں ترسم ہے نقش کو اُلفِ زوال
صاف بھلا دیا میں کیا معنی اور ج ارتقا
رہبر قوم کے لیے شب و شمع تھاری خو
چمک کے جوتہ پہ جان دہی تن میں جل ہے سو
کستی شکستہ اوریں منکر رہائی و خلاص
سیل ہے موجزن، مگر کچھ نہیں ستدِ رِنا خدا
کیا ہے یہی شمار دیں، کیا ہے دفا کی نام؟

آفت سے منحرف رہو اور کہو کہ میں غلام!

تم میں وہ ادا ہے اب اور نہ وہ طرزِ دلبری
دعویٰ عشقِ بربزبان سر میں مچلتے خود سری
شورِ فغاں ہے لے لے شیشوں میں آہ بے مزہ
لغوی ناکہ و بکا، کدے کے آنکھوں کی تری
دکھو اگر لگے بُرا، کچھ تو عمل میں فرق ہو
بات تو یہی ہے کہ چوٹ دکھائی نہیں معنی ہری
نہ تمہیں دیکھ کر خوب سم دیکھ چکے ہیں بار
ہاتھ میں جام ہے ہوا اور میں ہی جلوہ پری
یہ نہ ہوا کہ قوم کے بچوں کی لیتے تم خبر
تم ہو درونِ خانہ اور انکو ہی رنج بے دری
دل تو ہے مائلِ حفیض اور ہی اوج کی برس
کام تو سارے ہیں تیرے اور سوالِ برتری

حیف تھا کہ غمِ پرتالی جانیں تھی

اور وہ اسی بن کی تم سے نہ یوں کی ہو دبی

محمد عبد الشکور چاند پوری

(بجھنور)

عصمت۔ جس طرح یہ مسلم اُمت کی ترقی کا اخصارِ تعلیم النساء پر ہے اسی طرح
اس میں ہی کلام نہیں کہ رسالہ عصمت کو لکھنے کے واسطے ایک شیش پائنت ہے جس میں ناز داری
تعلیم و تربیت۔ مذہب و غیرہ منتخب اہل قلم کے مضامین نکل رہی ہیں عصمت کو لکھنے کو
فرمانبردار بیویاں اور بیویوں کو سلیقہ شعار گہروالیاں اور گہرائیں بنانے کے واسطے ایک لاجواب چیز
جو شریعت کا اعتدال دیکھ کر کھائی چھائی رنگیں ٹائیل سنہری مٹی اور عسویہ سے فزون ہو کر ہر مہینہ
ہوتا ہے عصمت سالانہ ہے

منیجی عصمت و تمدن۔ دہلی

حکیم اپٹیٹس

سٹوٹگمک میں ایک سب سے زیادہ مشہور ایک غریب لنگڑا غلام تھا جس کا اصل نام لائیٹس کے تاریک پڑے میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن اسکو اپٹیٹس کہتے تھے جس کے سنی خرید شدہ یعنی غلام کے ہیں۔ پہلی صدی عیسوی میں وہ ایشیائی کو چمکے مغرب میں بمقام سیراوس پیدا ہوا تھا۔ وہ یمن میں اکثر بیمار رہتا تھا اور شاید اس لیے۔ مترجم اسکے والدین نے غلام کی طرح اسے فروخت کر دیا۔ خریدنے والے کا نام اپا فروڈش ہے جو بادشاہ نیروکا آزاد کر دہ غلام تھا۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس سیرجی کو ظاہر کرتا ہے۔ جو بعض اوقات اس غریب کے ساتھ روا رکھی جاتی تھی۔ ایک ن آقا اپا فروڈش اپنے غلام کی ٹانگ ایک شگفتہ میں کھنچ رہا تھا۔ اپٹیٹس نے کہا کہ اگر تم اور زیادہ مڑھٹے تو میری ٹانگ ٹوٹ جائے گی، لیکن کجنت آقا نہ رکاوٹ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹانگ ٹوٹ گئی۔ غلام نے کہا کہ کہا میں نے تم سے کہا تھا کہ ٹانگ ٹوٹ جائے گی۔ یہ کہا اور پوری خاموشی کے ساتھ مصیبت کو برداشت کیا۔

اہل روم میں رواج تھا۔ جسکی رو سے وہ اپنے غلاموں میں سے نہایت ہی ہشیار غلام کو تعلیم دلایا کرتے تھے۔ تاکہ وہ سکرٹری لائبریرین اور محکمہ وغیرہ کی خدمات انجام دے سکے۔ اس غرض سے اپٹیٹس کو اس زمانے کے ایک مشہور فاضل مسول اس کے پاس فلسفہ کی تحصیل کے لیے بھیج دیا گیا۔ اپنے استاد کے ذریعہ سے وہ سٹوٹگمک فلسفہ کا معتقد ہوا اور زندگی بہر اس پر وفاداری سے عمل پیرا رہا۔ اپٹیٹس اپنے شاگردوں سے کہا کرتا تھا کہ اگر تمہیں میری تعریف کرنے کے لیے

فرست مل جائے۔ تو اس کے عوض میں مختار سے ساتھ کوئی نیکی نہیں کر سکتا۔
 تھوڑے عرصہ کے بعد اکیٹی ٹس آزاد ہو گیا۔ وہ ایک چھوٹے سے
 مکان میں رہتا تھا۔ جو دروازہ کے وجود سے بالکل محروم تھا۔ مکان میں لمب بوریا
 جس پر وہ سوتا تھا۔ ایک پشت۔ ایک مٹی کی بوتل اور دو تین بتوں کے علاوہ
 اور کسی قسم کا سامان نہ تھا۔ ایک دن وہ اپنے گہریو دیوتاؤں کے سامنے
 جلانے کے لیے ایک لوہے کا لمب حنرید کر لایا۔ لیکن کسی چور نے اسے
 چُرا لیا۔ اکیٹی ٹس نے کہا یہ اگر وہ دوبارہ آیا۔ تو مجھے عورت ہے کہ وہ بالکل پوس
 ہو کر جائیگا۔ کیونکہ اسے صرف ایک مٹی کا لمب جلتا ہوا ملے گا۔

جب شہنشاہ ڈومشی اُن نے روما سے تمام حکم کو خارج البلد کر دیا۔ تو اکیٹی
 موجودہ البانیہ کے شہر کو پوس چلا گیا۔ جہاں اس نے سٹوئک فلسفہ کی تعلیم کے
 لیے ایک مدرسہ کھولا۔ اربان جو بعد میں متعدد شہنشاہ این ٹونی اس کا معلم بن۔
 اس کے وفادار اور شغور نظر شاگردوں میں سے تھا۔ ڈومشی اُن کے مرنے پر اکیٹی ٹس
 روما میں واپس آ گیا۔ جہاں شہنشاہ ایڈری اُن نے اس کی نہایت عزت اخرائی
 کی۔ اسی بادشاہ کے عہد حکومت کے اختتام کے قریب ۳۸ء میں اس حکیم کا
 انتقال ہو گیا۔

لوگ اکیٹی ٹس کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ انہوں نے اس کی وفات پر
 چند بتوں کو جو اس کی ملکیت میں تھے۔ نہایت شوق سے خریدا۔ چنانچہ صرف
 مٹی کا لمب ہی جس سے وہ مطالعہ کرتا تھا۔ ایک ہزار روپیہ کے عوض فروخت ہو
 سقراط کی طرح اکیٹی ٹس نے خود اپنے ہاتھ سے کچھ نہیں لکھا۔ اربان نے
 اپنے استاد کی ایک سوانح عمری لکھی۔ جو اس وقت ناپید ہے۔ اور اس کے
 تمام لکچروں کے مجموعہ کو آئہ کتابوں میں تسلیم کیا۔ جن میں سے آجکل صرف

چار محفوظ ہیں۔ اریان نے اپنے استاد کے مقالات کا ایک مجموعہ ہی مرتب کیا۔ جس کا نام خود اسے (Gomachiridion) رسالہ رکھایا۔ زمانہ قدیم کی ایک نہایت ہی دلچسپ اور مقبول عام کتاب ہے۔

اپکلیٹس کے نزدیک فلسفہ کا آغاز خود اپنی کمزوری کے انکشاف اور کبھی ضروری کام کے کرنے کی ناقابلت کا نام ہے۔ اس علم کے ساتھ ہی ہمسکراس مباحثہ اور مجادلہ سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ جو بنی نوع انسان میں جاری ہے اور پرہم اس مقابلہ کا سبب دریافت کرنے کے درپے ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسا دستور العمل تیار کرتے ہیں جس کے مطابق ہم اپنا فیصلہ لے سکیں اس فیصلہ پر غور و تدبیر کرنے کا نام فلسفہ ہے۔

خدا کی نسبت اگرچہ اپکلیٹس نہایت ہی مذہبی آدمی تھا۔ اور اپنے ہر کام کی اس کے خیالات بنیاد خدا تعالیٰ کے خیالات پر قائم کرتا تھا۔ تاہم اس کے خیالات اور آراء صحت اور درست نہیں ہیں۔ ویسے خدا کی نسبت اس کے خیالات کو اختصار کے ساتھ اس طرح پیش کرتا ہے:-

”وہ مقبول عام بت پرستی پر سختی سے نکتہ چینی کرتا ہے۔ لیکن رسم کے مطابق خود بھی اس سے باز نہیں آتا۔ کیونکہ سٹوئک حکماء مندروں میں عوام کے ساتھ ہی عبادت کرتے تھے۔ باوجود اس امر کے کہ اس کے خیالات بسا اوقات غلطی پر ہوتے ہیں۔ وہ ذات و صفات سے ایک آراستہ خدا پر جسے وہ زمی اس کہتا ہے۔ ایمان رکھتا ہے وہ زمی اس خداوند کے زیرِ حکم سیکرولز تحت دیوتاؤں پر تعین رکھتا ہے۔ اور بہادر اشخاص اور جنوں کی عبادت کو۔ سائنس ٹھیکر اتا ہے وہ اور لوگوں کے ساتھ اس ہر عنصر پر تو ہم میں ہم آہنگ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اپنی مرضی کا اظہار پرندوں اور حیوانوں کی آنتوں کے ذریعہ

کرتا ہے۔ وہ اگرچہ سٹوئک تصوف کے اصول ہمہ اوست، کے ساتھ کلی اتفاق رکھتا ہے لیکن باوجود اس کے عام طبع پر اس کی گفتگو ان لوگوں کے طرح ہوتی ہے جو اس دنیا میں خدا کی حمد و قوت کے قائل ہیں۔ ایتھر۔ آگ۔ روح۔ عقل۔ اتحادی اصول۔ قانون مطلق۔ قیمت۔ سبب اول زمی اس وغیرہ سٹوئک اصطلاح میں تمام نام خدا تعالیٰ کے مترادف ہیں۔

”تمام جسموں کا منبع خدا تعالیٰ ہے۔ اور اس دنیا کے ختم ہونے پر تمام چیزیں اپنے اصلی مبداء سے مل کر صلیت میں جذب ہو جائیں گی۔ جس سے وہ پہلے کی طرح عود کریں گی۔ قانون یہ ہے کہ پہلے عدم اور پھر عدم کے بعد وجود۔ یہ قانون آدمیوں اور دیوتاؤں پر یکساں طور پر متوسی ہے۔

”یہ ہندوستان کے مسئلہ مہا پرکیا سے بہت کچھ ملتا ہے“

انسان کی نسبت اس کے خیالات اور میں کہتا ہے:-

”اس کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کا سرچشمہ وجود خدا تعالیٰ یعنی آسمانی باپ اور تمام بنی نوع انسان اس کے بچے ہیں۔ ثبت پرستوں میں سے سب سے پہلے جنوں نے انسانوں میں یکساں انسانیت پہچانی۔ اور جس انسانیت میں غلام بھی برابر کے شریک ہیں۔ وہ سٹوئک حکما کا گروہ تھا۔ سٹوئک کا مرکز خیال انسان کی عزت ہے۔ وہ روح انسانی کو نسلان کہتا ہے۔ باعتبار روح انسان کا تعلق خدا سے ہے اور مجازاً جسم و حیوانوں سے ملتا ہے۔ خدا کے ساتھ انسان کا رشتہ ایک ایسا آد ہے جس کے ذریعہ سے انسان کی انسانیت درجہ اتم تک ترقی کر سکتی ہے اور اسکو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ نفس حیوانی پر فتح حاصل کر سکے۔

سٹوئک ہمیشہ نصیحت کرتا ہے کہ انسان محاسبہ نفس کرتا رہے اور اسکی طرح سے اپنی ذات کے علم اور خود ضبطی کی نشوونما کو ترقی دے۔ انسانی

ضمیر تمام انسان پر حکومت کرتی ہے اس کا جائز قیام انسان کا سینہ ہے۔ اور وہیں سے اسکی آواز آتی ہے عقلند آدمی اس گہر یو خدا کی آواز سے جو ہمیشہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ ڈرتا ہے۔ اور اسی کے وسیلہ سے اندھیرے میں بھی اپنا راستہ ڈھونڈ لیتا ہے۔ آئندہ کی زندگی کا خیال ایک ایسی نگاہ حشریک ہے۔ جو اس دنیا میں اس کی زندگی کو اعلیٰ درجہ کی اخلاقی زندگی بنادیتی ہے۔ لیکن وہ دوسرے جہان کے خدائی انجام و اکرام کی نسبت نیکی کے موجود انجام و اکرام کی زیادہ پرواہ اور حفاظت کرتا ہے۔

اقوال | وہ کہتا ہے کہ انسان کا انتہائی مقصد یہ ہے کہ وہ خدا کے نام کی حمد و تعریف کرے۔ اور اس کے انعامات اور فضائل کا ذکر لوگوں سے کرے۔ مجھ جیسا لنگڑا اور بوڑھا آدمی سوائے اس کے کہ خدا کی تعریف کیا کرے اور کیا کر سکتا ہے؟ اگر خدا تعالیٰ مجھے بلیل بناتا۔ تو میں بلیل کی طرح زندگی بسر کرتا۔ اور اگر خدائے قادر مجھے راج پنہن پیدا کرتا۔ تو میں اسکی طرح رہتا سہتا لیکن اب جب کہ خدائے بڑے ایک عقلند آدمی بنایا ہے۔ میرے لیے یوں نشانیاں ہے۔ کہ میں اس کے مبارک نام کی حمد و تعریف کروں۔ یہی میرا کام ہے۔ اور میں اس کام کو اسوقت تک انجام دیتا رہوں گا۔ تاوقتیکہ میرا انسانی ذمہ داری کا حامل ہوں۔ اور میں تم کو بھی اس حمد میں شریک ہوں۔ کی نصیحت کرتا ہوں۔“

اچھی شے کہتا ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں۔ جو ہمارے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور بہت سی باتیں بالکل ہمارے حیطہ اختیار سے باہر ہیں مثلاً جو باتیں ہماری طاقت میں ہیں وہ ہماری رائے میں ہمارے اعمال ہیں اور باتیں ایسی ہیں جن کو قدرت نے ہمارے اختیار سے باہر رکھا ہے۔ وہ جسمانی

حادثات۔ مال و دولت۔ شہرت مرتبہ اور سینہ وہ سب کچھ جو ہمارے اعمال کے دائرہ سے باہر ہیں۔ اپنی ٹیس کا فلسفہ اختصار کے ساتھ ان تین نقطوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ برداشت کرو اور بچو۔ اس معنی خیز جملہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے تم پر مقرر کیا ہے۔ اسکو (بخوشی) برداشت کرو۔ اور جن باتوں سے اس نے تم کو منع کر دیا ہے۔ ان سے پرہیز کرو اور بچو۔

”یاد رکھو کہ ٹیبلٹ کے ایکٹر کی طرح تم بھی ایک ایکٹر ہو جس کے سپرد خاص پل کیا گیا ہے۔ اس بات کا کچھ مضائقہ نہیں کہ خواہ وہ پارٹ مختصر ہو یا طویل۔ اگر خدا تعالیٰ نے فقیر کا پارٹ تمہارے سپرد کیا ہے۔ تو تمہارا فرض ہے کہ تم یہ حق تمام اس پارٹ کو شریفانہ طرز سے انجام دو۔ اور بالفرض اگر سنگٹے آدمی حاکم یا معمولی آدمی کا پارٹ تمہارے ذمے ڈالا گیا ہے۔ تو اس وقت بھی تمہاری ہی پرہیز اور محنت لازم ہے جیسی کہ فقیر کا پارٹ ادا کرنے میں کیونکہ جو پارٹ تمہارا سپرد کیا گیا ہے۔ اسی کا بجالانا۔ خود تمہاری طاقت میں ہے۔ لیکن اس پارٹ کا پسند کرنا کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔

سرکشی اور فائدہ کی محبت سے بڑھ کر کوئی اور بات اردل نہیں ہے۔ اور بلند مرتبہ شرافت۔ خلائق دوستی۔ اور نیکی کرنے سے زیادہ اور کوئی امر شریفانہ نہیں ہو۔ ”انکو رکھو کیل میں تین خوشے ہوتے ہیں پہلے خوشے خوشی حاصل ہوتی ہے دوسرے نشہ اور تیسرے سے بے عزتی“

جو فعل اس قابل نہیں کہ اسے کیا جائے۔ اسکو عمل میں لانے کا خیال تک بھی نہ کرو۔ اگر تم نیک بننا چاہتے ہو۔ تو پہلے تم یقین کر لو کہ تم بڑے ہو۔ یہ ممکن ہے کہ خوشی جاتی رہے۔ دولت کم ہو جائے اور دوست دشمن بن جائیں۔ لیکن تمہاری پرستش کر کی طاقت میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی۔ اور اسکی محبت کبھی رونہ نہیں کی جاتی (ضمیمہ الدین جہنمی) (ترجمہ)

مکالمہ زندوشیخ

ایک دن اک مست زند لاؤنالی صحبت م
مست تھا اور چال بھی اسکی عجبتا نہ تھی
بے پیئے ہی باوہ امت سے وہ سرست تھا
سرسوئی کے سوا تھا کسی کی زلف کا
اڑتا جاتا تھا فرشتے کی طرح وہ راہ میں
نورایان کا تھا مطلع اسکی پیشانی صاف
منہ پیئے جا ہوا تھوڑے سے حرم
عشق میں معلوم ہوتا تھا گناہت قدم
ماسوا کی فکر تھی کجوار سے قید رنج و غم
وہ کسی کی چادریں ڈوبا ہوا تھا ایک قدم
کیا مجال آسے نظر اس کا کوئی نقش قلم
اگر بے پیوستہ تھے وہ دلی صورت ہم

اوج پر معلوم ہوتا تھا ستارہ بخت کا
گرچہ وہ طالب نہیں تھا تاج کا یا تخت کا

تھا حقیقت میں تو وہ زند ایک مرد بینوا
بندگی سے بندہ اللہ کو آزاد تھا۔
دوستی میں اسکی کیرنگی کا جلوہ تھا ملہم
ایک بات کہیں الی اور جوتی وہ یہ تھی
زادہ ان خشک کی صورت تھا پرہیزگار
چل ہاتھ اپنی دھن میں وہ نور کوئے شوق
بل نہ جائیں شیخ صاحب راہ میں مہلکوں
شکل و صورت میں امیر و سلاطین کھمبہ لڑتا
جان دل سے تھا ہمیشہ نہ بہرہ و فدا
دل تھا اس کا ذرا کہہ دینے سے آتش زار
تھا وہ شمع کا تو شمع و مست تھا وہ دو
تھا تان جو بے شمس اسکو بزمنا
ہر قدم پرے دل میں کہہ رہا تھا نہ غدا
کہ گواہ ہو لیگا آئنا بے جا ٹوکنا

دفعہ اس فکر میں آئی تھی بے اختیار

جوش میں چڑھنے لگا اشعار حرافظا بار بار

واعظان کہیں بلع بر محراب و منبر می کنند
چل غلوت میر و غداں کار و گیری کنند

مشکلے دارم نہ نشند مجلس باز پرس
گوئیا باو نہیں دارو زوز وادری
یارب ایس نو ووقتاں پر خبر خوشاں
بندہ چیرسہ باتم کہ درویشاں او
لے گدئے خافقہ باز آ در پیرخان
خانہ خالی کن دلا کا منزل جانال شود
آہ آہ از دست حرافان گوہر شناس
توبہ فرمایاں چرا خود تو کیت سرمی کنند
کیس ہر قلب و دغل در کار وادری کنند
کیس ہر نماز از غلام ترک و استری کنند
گنج راز بے نیازی خاک بر سرمی کنند
می دہند آبے و دلہا را تو انگری کنند
کیس ہونا کان لہ جاں جائے دیگر می کنند
ہر زمان خرم ہر را باد بر بار می کنند

اصل شہر تو ز بدل ہے تھا گو ہر نشان

سانسے آپ ہمیشہ کرتے شینیاں

اک بجا ہتی بریں دستا فضیلت سہتی
یہ ترانہ سن کے قیابانہ دڑے آتے تھے
آپ کے دوچار چلیے ہی جو گرد و پیش تھے
ایک بولا پیر و مرشد آپ نے بھی کہہنا
نام لیتا ہو غزل کا تو ہمارے سامنے
آگے آگے تھا جو ان اور پیچھے پیچھے پیر تھا
ادراک ست مبارک میں عصا کے کہتے بھی
جی میں کہتے تھے کہ لوگ میں خبر نہیں کی
سب کے سب کچھ ٹوٹی پوٹی جانے تو فانی
یہ غزل تو تھی یقیناً حافظ شیراز کی
کہہ کے بیٹا گرد و پیر جمجھلا کے بھٹے شینچ
دوڑنے میں شینچ کی دستار دہم سے گر پڑی

بلکہ تہا احق بخدا اس کے دل ناپاک میں

آہرد بے آب ہو کر مل گئی سب خاک میں

وہ پرانست بھی اتنے میں آپ پرچا ہاں
اپنے جی میں لیں کہا لوموت آئی غریب
غالب آجائیکا آپر کچھ توجہ چاہیے
شینچ صاحب کو کیا جب نے جھک کر سلام
شینچ نے سمجھا اسے پیغام مرگ انگلیں
ان شہر سے اہل کے بچکے جاؤں میں
ٹوٹے پہلے اسے اور چھپے نام و نشان
آپ بولے کون ہے جانا کہ ہر ہے ایا

وہ غریب کم سخن گویا ہوا با صدا و ادب
 بندگی تسلیم کی تھی جان کر مرد و بزرگ
 بدسلوکی میں بجا ہیں شہر و آفاق آپ
 خیر جو کچھ اپنے مجھ سے کیا اچھا کیا
 آپ کو لازم نہیں ہے حضرت بن پر زبان
 یہ خطا کی میں نے سمجھا آپ کو پیرِ خاں
 غائبانہ پہنچتا ہے جیسا سارا بہاں
 یادگار عالم میں وہ جاگلی پر یہ دہستان
 سب کہیں گے تو ناول کو نئی ایجاد ہے

مشیح کے ہاتھوں سے گہرا لکھا بر باد ہے

مہربان بن بھلائیوں نہ ہوں کو قلوب
 یوں تو حضرت کو بہت کچھ عینی اسلام ہے
 دور یہ امر تو اسلام کی تہذیب سے
 شرع کی ایسی نہیں پاکیزہ کوئی بھی کتا
 خواہ نعمت کی ہر اک کافرو دیندار کو
 جببستی تقریر یہ پر جوش اس بدست کی
 کرو یا سینے کو سنگ بزمانی سے جوش
 بیٹھ کر کعبہ میں یہ کیا کافروں کا سبق
 غلط سکھاتا ہے ہر انسان کو قانون حق
 قابلِ تحریر آپ زب ہے اس کا ہرق
 اپنی شیرینی سے ہوتا ہے طعامِ طہر سبق
 تمام عروج و سج کی مانند ایک شیخ فنی

بلکہ کچھ باقی نہ تھی تاب و توانِ گفت گو

شرم سے اپنے عرق میں غرق تھا بے آبرو

کہہ کے یہ پیرِ حلیہ اسے حرم وہ جانِ عشق
 شوقِ یلدا میں وہ مجنون پیرِ بیانِ گروتھا
 کرتا جاتا نیتاں میں وہ شہل لے نوا
 بسلوں کی سی ٹرپ پید تھی او کی چال
 نغمہ ز گلیں گفت سے ترنم ریز بہت
 سب بڑی شکل سے پوچھا منزلِ مقصود پر
 حلقہ زنجیر دے کر کو ٹکرانے لگا
 شوق کی زنجیر تھی پیرِ سلسلہ حبیبانِ عشق
 جادو بیاودہ ہوا پیرِ سوسیت سستا شوق
 ساز گویا تھا سیراودہ پیرِ ازارِ مالِ عشق
 دل کے زخم تیریں تہا در و بیدرِ مالِ عشق
 پڑھ رہا تھا عاشق روئے صنم قرآنِ عشق
 اشکِ خوں بونے لگا وہ ٹیل بتِ عشق
 دردناک آواز سے کہیں چلنے لگا

یہ عالم سے رو کر عرض کرتا بار بار
خسرو دین خدا شاہنشہ گردوں و تار
ایک عرض مدعا کیواسطے آیا ہوں میں
آبرو دنیا میں اور محشر میں حاصل ہو مجھے
اس مجاہد میں کہیں کتابے اک شیخ حرم
اس کے دل میں ہے کدورت اور مڑول صاف
اپنے کتابت کہ میں شکایت شیخ کی

زادہ ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست
در حق ما ہرچہ گوید جائے بیخ اگاہ نیست

یہ کہے جاتا تھا اور مانتا تھا سر کو خاک پر
کان ہر کے سن ہاتھ یہ بیان بے نوا
اس کے شانے کو بلایا اور ہوا اول ہم کلام
شیخ فرمانے لگا اٹھ تو سہی تو خاک سے
خاک کے اوپر گھر افشاں ہوا وہ خاکسار
شیخ نے پہر بھی نہ مانا اور مکر یہ کہتا
وزیر سے آئے ہوئے دیکھا تھا میں نے جب کو آج
تب کہا سر کو خاک سے اس رند نے

وزیر میں ہر سچ کو کہتے ہیں ہوں ہر شام کو
کہتے ہیں ارشد زمانے میں اسی بدنام کو

آغا غلام حسین ارشد

از پبلر

راز و نیاز

اے وہ ذات، جو سچی نامشکور کے بعد، در رکات برہانی، حیاتِ استدالی سے گذر کر کس توہینِ ہی جاگزیں معلوم ہوتی ہے، کیا فی الحقیقت تو کیسے؟ جب ہماری ناکام مہرِ قریبیاں، ہماری بے سود جانفشانیاں، ہماری پامال جستجوئیں، ہم کو ہماری مقدارِ ہستی سے آشنا کر دیتی ہیں، تو ہماری یوس گردن، ہماری مضحکہ خیز آنکھیں بے اختیار ادھر اٹھ کے، کیوں استقرائے تسلی جاتی ہیں؟ جب ہم اپنے تراکمِ جستجو میں کہو کہو جاتے ہیں، جب ہماری تمام کوشش جملہ فرسودہ تدابیرِ ایک ایک کر کے ہماری آنکھوں کے سامنے خاک ہو جاتی پڑے تو وہ کیا چیز ہے جو ہموارِ دعائی تسلیاں دیتی ہے؟

کیا یہ بھی ردِ عمل (Reaction) ہے؟

تو ایک وجود ہے، جو معرفات کی قدرست کے باہر حیطہ تطابق سے دور اور کیس کا برابر بننے والا اینِ نشین ہے، مگر جو کچھ بھی ہو، جہاں کیس ہی ہو یہ جانتا ہوں، گو تیرا چہرہ آرزوؤں کے نقاب، تمناؤں کے جھابکے چھپا ہوا ہے، اس لیے جب ہم اپنی تمناؤں اور التماسوں کے تنکا شر کا خیال کرتے ہیں، تو تیرے جہالت کا احصاء محنت و شواہد ثابت ہوتا ہے، ان سب کو شادوں، تو تیری حضوری، تجھ کو بے نقاب دیکھنے کی آرزو پوری ہو، مگر پھر سوچا ہوں کہ جب کوئی حسرت نہ رہی اور پھر تو طوا تو کیا؟ آہ، تجہ سے ملنے کا لطف تو جب تھا، کہ تو ہوتا، میں ہوتا، تمناؤں کا محشر، آرزوؤں کا متکلم طوفان میرے ساتھ ہوتا، ایک ایک کر کے، تیرے سامنے پیش کرتا جاتا، اور

صدقات اور حسرتوں کی داد لیتا جاتا :-

تیرے سامنے عرب کا وہ منظر پیش کرتا، جب گیلستان کی بادِ مومِ خلاصہ کا ناسٹک جگر گوشہ کا حلقِ فرطِ شنگی سے خشک کیے ہوئے تھی، اور محض تیرے نام کے اعلا کے لیے، مسہ تمام مقدس خاتونوں، اور معصوم بچوں کے اوس صحرائیں بے یار و معین کمر بستہ تھے، آدھ کھوکھوہ وقتہ یاد دلانا اور سوال کرتا، کہ کیا ایک معصوم بچے کا شنگی سے بیتاب ہو کر، تجھ سے پانی اور وہ بھی صرف دو گھونٹ، طلب کرنا، یہی جواب چاہتا تھا، کہ ایک تیز تیر اوس پاک حلقوم سے چند خشک قطرے خون کے نکالے، اوس کشند کام کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دے۔ کیا تیرے نام پر قربان ہونے والوں کا یہی حشر ہونا چاہیے؟ کیا تیرے پر صداقت، بے ریا پرستاروں کے لیے یہی صلہ مقرر ہے، کہ ایک ایسا پر حصانت وجود جس پر خود تجھے فخر ہوا یوں بے آب و دانہ، تیرے اعلیٰ کی دہار واز تلواروں، آبدار خجروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے؟ تجھ سے پوچھتا کہ کیا اہبات المؤمنین کی بکسانہ التجا، نرا حال، عریانی و پریشانی تیرے رحم و کرم کو جوش میں لانے کے ناکافی تھی؟ تجھ کو بہری سیرت کی ایک طویل و تاریک شب کی یاد دلاتا، جب فرشتہ رحمت اپنی پوری آواز سے تیری تسبیح کر رہا تھا، اور دریا کا سیل ایک جھونپڑی کو بڑھ بڑھ کے تباہ کرنا چاہتا تھا۔ ایک غریب فاقہ زدہ بڑھیا، جو اپنے پٹھے ہوئے کپڑوں کو بار بار نچوڑ کر ایک کولے میں دبک کر، اپنی سادھی جانی کلفتوں کے مقابلہ میں، سب سے زیادہ استیلا پر رو رہی تھی کہ جو آدھ سیر جو کا آٹا ایک اہ گیر اسکو دیکھا تھا، اسے، وہ بھی یہ گیا، اپنی اس ایوسی میں تجھ کو یاد کر رہی تھی، تیری مدد چاہتی تھی، اپنے رعشہ و انصیف ہاتھ تیری

بلند کر کے تجھ سے کچھ اتھا کرتی تھی، بار بار آنسو پونچھتی ہوئی تجھ سے کچھ کہتی تھی؛ آہ، میں ضرور تجھ کو یہ باتیں یاد دلاتا اور یہ چتا کہ کیا طوفانی رات کے شور و غلام میں اس کی آواز تجھ تک نہیں پہنچی، کیا اُس کے زاری و الحاح کا نتیجہ بھی نہ تھا کہ مجھ کو اُس کی لاش جانورانِ محسوس کی گئی تھی؟

غرض کہ، یونہی اپنے مجنونانہ حرکات و ہدیانات سے تیرے سمجھنے کی، تیرے خراب دلی کی کوشش کرتا، مگر افسوس ہے تیرا منہ دہانی، بے دلی چاہتا ہے سینہ کو آرزوؤں سے خالی، قلب کو تمناؤں اور قوتِ احساس سے متحرک کر کے تو تیرے کیوں؟ یہ ممکن ہے، مگر تو ہی اپنے آفتاب کے منہ کر کے کہ صبحِ شام کا اپنا کھنڈی لباس ترک کر دے، ہاتھ کے کپڑے کہ اپنی خنک، رام شکرانہ زقارے مجھ میں ابغذاب نہ پیدا کرے، گلوں کی شگفتگی، بلبل کی شغفتگی میرا دل نہ دکھائے غنچوں کا تبسم، طیور کا ترنم، میری رگ، جاں کو نہ چھیڑے، سبزہ کی فراوانی ہنسم کی غلطانی پہ مجھے بیتاب نہ کرے، ہوا کی متانت، پہاڑوں کی استقامت مجھ کو متاثر نہ کرے، دریا کی روانی، بہار کی پُربخانی میرے لیے آزار نہ ہو، اپنی قدرت کی وقوفی کو عمدہ و بلا سدود کر، تجھ کو اگر میرے تاثرات و شکوہ ہی، تو مجھ کو تیری ساری کائنات ہے، گھبائے تصویر نہالی کہ اگر بویا گیا ہے، تو اذکی نگہت کو منتشر نہ دے اور غفلتِ کائناتِ عشقِ فانی کو اگر بیدار کیا ہے تو اُن کو تار ہو جانے دے، سرِ سج التاؤں کی قلب دیا ہے تو میری حرکات و تدبیر کو قابلِ تعزیر نہ سمجھ۔“

میں جانتا ہوں کہ تیری جلوہ گاہ، اس تیری بزمِ سنگین میں میل و جود ہی کیا، لیکن گشتِ کائنات کی صفائیں کا ماسزہ تجھے بتلا دے گا، کہ تیری تابشِ جمال پر جان و نہ دانوں میں ایک یا شکستہ ناخنِ جود ہی تھا، جس کو تو نے تراکمِ دیا یا میں نظرِ انداز کر دیا، گو تجھے میرا خیال نہ ہو، لیکن یہ تو سمجھ گیا کہ تیرا لطفِ عطایا، تیرا امتنانِ مرحمتِ آخرت سے ہی

نہاں ہو گا۔ یہی کہ تیری نگاہوں سے تو سب کچھ فنا ہو جاتا ہے، مگر تیرا ہی کھوں کا گڑھا ہو جاتا ہے، مگر تیرا ہی کھوں کا گڑھا ہو جاتا ہے۔

ایک نچرل شاعر کا مرثیہ

کریں کیا شکوہ بیدار جب دل ہو نہ قابو میں لگائیں اس سے دل ہی کیوں دل جس کے پتوں
شکایت اُن جفا و کئی ہو کیا دُخل ہونِ غم میں کہی امید پر کیوں اُن اہل جہاں دھوڑ میں
اسی امید نے انسان کو والا ہے مشکل میں

ایسوں کی کریں بہر پریش کوں خانہ دل میں
منے بچے کوئی شاعر سے طینانِ طرکے تھکی انجینئرس جس کی عمر ہر شاہ و تہنشت سے
نہ سرخیا کیا جس کا کسی کے بارِ امان نے نہ ہرگز لے گیا حاجت کسی فی روح کے آگے
نہ تھا غرور و فداوت کا گزر بھی طبعِ اسلی میں
نہ تھا حریتِ خوشامدِ اعلیٰ اس کے روزِ مرقہ میں

تدن کا تھا دشمنِ شہر و آبادی کو دشت تھی بنی آدم کی صورتِ ہمیشہ اس کو لغت تھی
اُسے صحرا سے بچسی ہے چڑیوں کے انگلیں نشست اس کی لبِ دیباہ پادشہ کی سکت تھی
شرابِ بخود ہی سے رات اُن سُرخ رہتا تھا۔
صدائے لے سے اُسی دشت بھی گلزار رہتا تھا

ہوا میں گئی میں جب تو مگن کی خبر تھی صفائے آسمان اور سبز باؤں فوقی نظم تھی
صدائیں کوئلوں کی جوش و جہل کو بھرتی صبا کی شریاں بڑھ بڑھ کے بے چین تھی
تو ہر اچھے سروں میں جنم کرتا نہیں لگتا تھا
غضب کی لہجہ میں جہتہ کچھ شمار گاتا تھا

نہاں بجا اُٹا تا کوئی سر کا واہ واکر کے گر ہاں لڑ جھاتے تالیاں پتے بجا کر کے
نہے محفوظ کرتیں قمریاں پیروں کا کر کے بلائیں ستریاں جتنی تیں سپر اُسمان کر کے

کبھی تو کوک کر کو کل مبارک باد دیتی تھی
 کبھی بسبل چمک کر شائ گل پہ۔ داد دیتی تھی
 پیپے کی کبھی آواز سے وقت تھا سر اپنا
 کبھی گانا ترانہ سرو اور قمری کی نصرت کا
 گل دہل کی گانا تھا عوسی کا کبھی سہرا
 صبا کی دیکھ کر بچوں سے چمیریں۔ دے غولہ سنا
 غرض آغوش قدرت میں ہمارا نیچرل شاعر
 یوں ہی سنس میل کر پیارہ اک دن مر گیا آخر
 پرندوں نے اُٹایا شور ماتم سے فلک سر پہ
 کیا رورو کے اپنا حال شبنم نے بہت اچھا
 سر میل لی ٹہری یوں ہی ہی وہ لاش بے چارے
 کبھی ہرٹے بدن دن کروا لے ترس کھا کر
 گراں تھا بار جان اس کی گردن پس مڑن
 برابر ہو کے سطح خاک سے پھر مل گیا مدفن
 خدا بخشے ہے۔ وہ خانہ صحر کا تا دہلا
 وہیں اس کی تھی قتل گاہ جس کا جس کے تالون
 پری بیکر نظر آتا تھا اس کی آنکھیں بڑا
 کہ کوئی حوت ہی پئے تھے اک جستی جوڑا
 تاشا اس کی سے تھی۔ ویدہ عبرت تھا جام اس کا
 وہ تھا اور رات دن نظارہ آتشی تھا کام اس کا
 ملی تھی شاہد قدرت کی مٹی میں جوانی اب
 کتا اس کا نہاگ اور مل بسی سبب دمانی اب
 وہ گل زینت رونق ہوئی ساری کہانی اب
 کسے گا کون اس کے خن کی وہ دزدانی اب
 اسی سے داغ ہے لالہ کدل غنچوں نے خوں تہہ کا
 دھواں بسبل کی آنکھوں سے ہی اک دیباہ آنکھ کا
 وہ ندی میں اپنے پاؤں دیکر بیٹا دن ہر
 ابھی تک چنتی ہے اس کے تلے پانٹی بیکر
 وہ طائر بیٹھ کر جنیں ٹر حاکم تھا شعر اکثر
 وہی اب وریاں دیتے ہیں گاکا کر بخشیم تر
 نہیں صبح سی ایہ۔ وہ اس کی چمیر مٹیل
 ابھی تک تھکتی ہو چکا وہ دیکر تھک دینا نخل

یہ سب شعر ان کی زندگی میں لکھے گئے تھے۔ ان کی زندگی میں ہی ان کی موت ہو گئی تھی۔ ان کی موت کے بعد ان کے شعر ان کی زندگی میں ہی لکھے گئے تھے۔ ان کی موت کے بعد ان کے شعر ان کی زندگی میں ہی لکھے گئے تھے۔

علم الاقتصا

یا
موجودہ تہذیب
(دہشتہ سے پرستہ)

گزشتہ مضمون میں اس علم کی مختصر تعریف اور زمانہ موجودہ میں اس علم کے رواج عام کی ضرورت بیان کر چکے ہیں۔ نیز یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں ابھی تک اقتصادی بیداری بہت کم ہے اور اس کا سبب بہت کچھ ہمارے پرانے قناعت کے خیالات اور حتی المقدور اپنے آپکو عیش آرام میں رکھنے کی عادات ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس علم کو ملک میں عام طور پر رواج دینے کی کیا کیا تدبیریں ہیں اور وہ تدبیریں کہاں تک عمل میں اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

بجز یہ اور شاہدہ دو بڑے گڑھ چیز کے حاصل کرنے کے ہیں۔ یہاں خدا کے فضل سے دونوں کے لیے بہت بڑا میدان ہے بشرطیکہ اس علم کے ماہر عوام کو ٹھیک راستہ پر چلانے کی کوشش کریں۔ دیگر تمدن عالمک کے بجز یہ اور شاہدہ کے حالات نظر میں آس ہیں۔ ساری دنیا گواہ ہے کہ جن ایجادوں کو شکریہ یاد دیکھ کر ہم خواب خرگوش میں پڑے رہنے والے حیرت کے مارے نہ ٹھیکیں کھولے رہ جاتے ہیں وہ سب دو سکریٹ بنی نوع انسان کی برسوں کی لگاتار محنت اور سالہا سال کے بجز یہ اور شاہدہ کے نتیجے ہیں +

قدرتی ذرائع پیداوار میں یہ ملک کسی سے پیچھے رہنے والا نہیں۔ تمام غیر ملکی قوموں کے وہاں آدھ ہمیشہ اسپر تیز رہے کیونکہ سونے کے ڈالے اور ملک بھی

ہوں گے لیکن اٹھارہ انیس سوئیل لمبا اور آٹا ہی چڑا کوئی ڈولانہ ہو گا۔ زمین ہے کہ زراعتی پیداوار سے مالا مال ہے۔ دریا اور نہریں گو اس قابل نہیں کہ ان میں چلانی یا کشتی رانی آسانی ہو سکے لیکن آب رسانی کے لیے بے حد مفید۔ ہر قسم کی آب و ہوا موجود ہر قسم کی زمین کے قلععات کی کمی نہیں۔ ایک افریقی کوراچوتانہ کے سیلابان میں چوڑو و بالکل اپنا وطن معلوم ہو گا۔ ایک عرب سندھ میں جاسکے سو بگا نقشہ آنکھوں میں پھر جائے۔ شہہ اور نینی تال انگریزوں کو ٹھکست مان کی یاد دلاتا ہے اور شایہ چپر اپونچی کی بارش کے سامنے تو وہ اپنے ملک کے آئے دن کے بادل اور بارش برسنے ہی کو غنیمت سمجھیں۔ ایک چینی برامیں کچھ زیادہ اجنبی نہیں معلوم ہوتا۔ تو ایک افریقہ کا حبشی اور وحشی بھی گونڈوانہ کے بھیل سے اپنے آپ کو وحشت میں کچھ زیادہ نہ سمجھیں گانصر من اس برعظم میں سب قسم کے آدمی موجود ہیں بیسیوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لاکھوں کروڑوں سن غلہ پیدا ہوتا ہے اس کے علاوہ سونا چاندی کوئلہ وغیرہ کی کانیں بھی ہیں صنعتی پیداوار کے لیے بھی سامان بکثرت ہے بشرطیکہ حوصلہ مند اور جاکش لوگ اس کے ہتھمال پر کمر بستہ ہوں +

صنعتی پیداوار جس کا ابھی ذکر آیا اسے ہم قدرتی پیداوار سے ایک طرح سے علیحدہ ہی کر سکتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ سب کچھ قدرت نے پیدا کیا ہے لیکن جنگ حضرت انسان اُس میں کثرت بیونسہ کریں اور اپنی طرح طرح کی ضروریات کے پورا کرنے کے مطابق بنائیں نری قدرت اتنا نفع نہیں دے سکتی۔ زمین قدرتی طور لیکن آسین بیج ڈالنا وقت پر کھا و پانی وغیرہ کی خبر لینا اور سختی فصل کاٹ کر اپنے کام میں لانا یہ کام انسان کا ہے پھر ہی اسے قدرتی پیداوار کہہ سکتے ہیں لیکن زراعتی پیداوار اور کانوں سے برآمد شدہ مادوں کے سرا اور بک

ہم مصنوعی پیداوار کی فہرست میں داخل کریں گے اور یہ مصنوعی پیداواری ہے جس نے تمام دنیا کی توجہ اپنی طرف کھینچ رکھی ہے اور علم الاقصاد کا ہی بڑا موضوع یہی ہے۔ اگرچہ زراعت وہ چیز ہے جس پر حضرت انسان کی پہلا پہل توجہ ملی اور اب تک تمام دنیا کا گزارہ اسی پر ہے پھر ہی اس میں قدرت کچھ زیادہ انسان مغلوب نہیں ہوئی جیسوں کو سنے ہاں پیدا ہوئے لیکن جتنی زیادہ انہوں نے پیداوار دکھائی اس سے زیادہ خیر اور بے استعمال میں ہو گا۔ نتیجہ یہ کہ اب تک وہی طریقہ طریقہ بنیاد کو بولے بولے کے پلے آئے ہیں۔ باوجود یہ کہ یہی وہ مشینوں کے نیچے پیداوار کی تحریک نہیں نکلا۔ حالانکہ مصنوعی پیداوار بڑی گزشتہ رہا۔

۲۱۔ یہ ہے ماحر جو کہ اگرچہ بنیاد میں پیداوار کے کما حقہ طرح سے نہیں کچھ زیادہ قدرت حاصل نہیں لیکن بن چسپہ مردوں میں وہ قدرت کا زیادہ محتاج نہیں ان میں اس سے بڑے ہاتھ دکھلائے ہیں۔ انسان سوسے کی کانیں پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں جو پہلے ہی سے موجود ہیں اور اب تک دریافت نہیں ہوئیں وہ ممکن ہیں کہ کبھی نہ کبھی دریافت ہو جائیں لیکن جب اس کے پاس سونا آگیا پھر وہ اس سے بہت سے کام لے سکتا ہے۔ مختلف اوزان کے سکے اور طرح طرح کے زیورات اس کی مثال ہیں۔ اور لوہا اور کوئلہ تو گویا آجکل بہت سے ملکوں کا اور خصوصاً انگلستان کا رزق رساں ہے۔ اور ایک طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کچھ بھی مصنوعی ترقی ہوئی ہے وہ انہی دونوں کا طور ہے۔ انگلستان کو بعض اوقات اس وقت کا خیال کرتے جو پیریری سی آجاتی ہے کہ جب انگلستان کی تمام کالوں کا کوئلہ ختم ہو جائیگا تو کیا ہو گا وہ اس امر پر دال ہے کہ کوئلہ سے کیا کام چل کر رہے ہیں اور جس چیز کو ہم ایسا سمجھتے ہیں کہ جس کی دلال میں

ہاتھوں کے ساتھ منہ ہی کا لاو وہ ان گوری اقوام کا کس قدر بخشن ہے چاہے
 زرد، دسونا اور سفید رنگت چاندی کتنی ہی اپنی برتری کی شیخی مارے لیکن
 سچ تو یہ ہے ان دونوں کا۔ نے کوئلے اور لوہے نے ان کا منہ سبز باہر ہے
 سونا اور چاندی کہہ سکتے ہیں کہ دولت کا اطلاق وصال ہمیں پرہیزگاری اور اسلئے
 تمام اقتصادیں ترقی پانچ سو سے سی دم سے ہی اور علم الاقتصاد کا منشا یہی عمارت
 ہے یا ہونا چاہیے لیکن غور سے دیکھیں تو ان کا یہ دعویٰ خواہ کتنا ہی بڑا
 ہو لیکن اقتصاد ہی ترقی کی رو سے کہہ سکتے ہیں کہ کپڑا ہی جھگڑتا ہوا نظر
 آتا ہے۔ آج کل تو جو کچھ سے انہی کے دم سے ہے جن قوموں کے پاس
 نہ چاندی ہے لیکن لوہا اور کوئلہ نہیں ان کا سونا چاندی آج نہیں توڑل ان کے
 پاس کھنچ کر مل جائیگا جن کے پاس لوہا اور کوئلہ ہیں اور ان کا استعمال ہی جانتی ہیں
 یہ مرقعہ اقتصاد کا ظاہر ہے لہذا دراصل علم الاقتصاد کا موضوع نہ لوہا اور کوئلہ ہیں نہ سونا اور چاندی
 چونکہ یہ علم بہت وسیع ہو گیا تمام دنیا کی مادی ترقی سے تعلق رکھتا ہے لہذا چار بار پانچ
 صفحے کے دو تین مضامین میں اگر سارے کا سارا مطلب حل نہ ہو تو امید ہے کہ ناظرین کھیر غور
 استادان علم الاقتصاد نے اس علم کے مطالعہ کی پانچ سو میں تقسیم کیا ہے
 ریوڈکشن یعنی پیداوار کنٹریشن یعنی استعمال دسٹر بیوشن یعنی تقسیم ایکسچینج
 میں متبادل ہر حصہ مطالعہ پر اپنی اپنی جگہ کافی بحث کی جائے گی۔ اس وقت صرف
 ابتدا رکھنا کافی ہے کہ ہر حصہ بجائے خود بہت اہم ہے اور طے طے کے عہدہ
 سال ہر ایک سے وابستہ ہیں۔ چاروں حصے آپس میں ایک دوسرے سے
 سے طے ہوئے ہیں کہ کسی ایک حصہ کا مطالعہ بغیر باقی حصوں کے مطالعہ کے کوئی
 زیادہ مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اگلے سلسلہ میں ہم نفاذ آمد ترتیب و تشریح
 کے ساتھ لکھیں گے۔ مفید قریب بیان ہو چکی۔ فقط (محمد نصیر الحق - قریشی جیلا)

کب تک

مسلم اور اب بھلا کب تک
کام ہے یونیورسٹی کا
قوم کی خود بھی کچھ کرو خدمت
کام کچھ اپنی قوتوں سے زلیں
اپنے امکان تک توسعی کرو
وقت و بار کھو دیا تم نے
وعدہ لاکھوں کا کسے میں آپ
ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو دید
طعن 'یغے' ابھی سے غیر
کر لیا جمع فنڈ غیروں نے
کر دکھاؤ جو کہہ رہے ہو تم
آگیا وقت پہر ہی ہو خاموش
دیتے بھی جاؤ بھائیو! جو ہو
رشتہ ایسا رہی کریں پیسر

یہ ذروں کی یہ اجتماع کب تک
منہ بٹکے کوئی آپ کا کب تک
لب پہ ہر دم خدا خدا کب تک
اور میں قسمت آزا کب تک
شکوہ بخت نارسا کب تک
دیر کی ہی ہے انتہا کب تک
کچھ گناہیں و فاک کب تک
چینیں یہ قوم کد کد کب تک
جوش پرائیگی جیسا کب تک
آپ کا وقت آگیا کب تک
یہ زبانی ہے اوتار کب تک
یوں ہی بیٹھو سو گیا کب تک
دیں گے قومی گرام کب تک
وہ گھر ہی آگیا کب تک

بس زبان اپنی روک لو عابد

کہے جاؤ گے بر ملا کب تک

قاضی زین العابدین علیہ

فلسفہ قدیم و جدید کے ایک پہلو پر سرسری نظر

دنیا کی مختلف اقوام کا آفتاب ترقی چمکا اور ڈوب گیا مگر زمانے کی آنکھ نے اوس کے نور کو تیار کی ہے کچھ سیاح لاکھ بائیں مصر، ایران، ہند، اکی سرزمین پر ہم بہتری ٹکریں مارتے ہیں۔ ان کی ایک ایک اینٹ کو ادا تھا کر دیکھتے ہیں مگر اچھی طرح سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ ترقیاں کیا تھیں اور کہاں تھیں، صرف یونانی روم دو خطے ایسے ہیں کہ ان کی اوگلی ہوئی ادا لاد کے کارنامے آج ہمارے پاس موجود ہیں۔ روم کی خدشہ بخش تیغ کی داستان ہم کو یاد ہے۔ لیکن آج کل تیغ کا نام زبان پر لانا جرم ہے کجایہ کہ اس کا ذکر کیا جائے اس لئے ہم اوس کے بیان سے اپنا دامن بچاتے ہیں اور اس سے بھی کہ مضمون زیر بحث سے اس کو مطلق علاقہ نہیں۔ یونان کے دماغ کی جولانیاں کسکو معلوم نہیں۔ ہمارے ہاں کا تو بچہ بچہ اوس وقت سے جبکہ اوس کی عمر ابھی قطارِ اجد کے شمار سے بھی خارج نہیں ہوتی۔ فلاطون اور ارسطو کے نام سے مانوس ہو جاتا ہے اور دو پر دکھ موقوفہ پہلی دوسرے بچے سے بطور ڈانٹ کے یہ کہتا ہے ”بلے تو اتنی اڑنوں کیوں کرتا ہے۔ کیا تو فلاطون کا بچہ ہے“ حقیقت یہ ہے کہ یونان کی وادیوں کے رہنے والوں نے بلند خیالات کی ایسی بوجھاڑ کی کہ اس کے سیلاب نے برطانیہ اعظم کے ساحلوں سے بحر چین کی موجوں تک ایک لڑکی کو سرسبز دشا وہاں کر دیا۔ ہندوستان میں جس شے کو فلسفہ قدیم کہتے ہیں وہ فلسفہ یونانی ہے۔ مسلمان اور دیگر قوموں کے ہاتھ میں آنے سے اس کی کچھ کچھ بنیت بدل گئی مگر اصلیت اوس کی جو تہی وہی رہی۔ اس سے یہ یاد کہنا

چاہیے کہ ہم جہاں ہمیں فلسفہ قدیم کا ذکر کریں اوس سے فلسفہ یونان یونان سمجھا جا
لفظ فلسفہ کے اور جھگڑوں سے بچ کر سب سے اول ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ
اوس کا اصلی مقصد کیا ہے موجودہ اور گزشتہ دونوں زمانے اس پر متفق ہیں فلسفہ کا
کام دہائی کی تعلیم اور صداقت کا انکشاف ہے۔ اس کے مختلف پہلو ہیں
میں اپنے اس مضمون میں صرف اس پہلو سے غرض رکھوں گا جس کو ایک مثال
کی شکل میں رکھیں تو یہ ہوگا۔ کہ ہم کو مختلف علوم و فنون سے کیا فائدہ حاصل کرنا
چاہیے اور اس سوال کا جواب حال و ماضی دونوں کی زبان سے سننا تو گنا
ایجادات انسانی میں سب سے زیادہ مفید حروف تہجی (Alphabet)

کی ایجاد ہے، مگر یونان اس کی نسبت بے اتفاقی کی تعین کرتا ہے وہ کہتا
ہے کہ تعلیم و تعلم میں حرف کا استعمال ایسا ہی ہے جیسا کہ چلنے کے لیے
گڈونے یا تیرنے کے لیے تو بنوں کا۔ ایک بچہ اگر پندرہ میں سال تک گڈو
کے سہارے سے چلتا رہے تو اس کی ٹانگیں اور متعلقہ رگ پتے بیرونی مڑ
کے بغیر بہر کام نہ دے سکیں گے اور نہ اس کے جسم میں اپنے وزن کو توڑنے
کی طاقت باقی رہے گی بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے گڈونے کا محتاج ہو جائیگا
جس سے یہی اثر قوا و دماغی حروف کی امداد کا پڑتا ہے۔ حافظہ بالکل کمزور
اور ادراک سست ہو جاتا ہے۔ جب صورت یہ ہو کہ ضرورت کے وقت
جو چاہا کتاب اٹھا کر دیکھ لیا تو معلومات اور حقائق کو ذہن میں محفوظ رکھنا
اول اقل تو انسان غیر ضروری سمجھنے لگتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس کام کے
نامقابل بن جاتا ہے اور یہ تو اس کے قابو سے ہی باہر ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے
حافظہ سے کوئی حیرت انگیز نتیجہ پیدا کر سکے۔ اگر حروف تہجی کی یہ خارجی مدد
ذہنی حافظہ کو نہ پہنچتی تو اون کو جبراً ہم آہستہ آہستہ ترقی دیکر ایک ایسی حالت

لیجائے جو کتابوں کو بالائے طاق بٹھا دیتی اور ان کے سامنے جو چہ آئادہ من کا ہو جا مالاب تو کیہ کیفیت ہے کہ علوم فہنسون کا قدر چمکے ہوئے ہیں اور عروج پر ہکا نقش گویا نقش بر آب یا سایہ بر دیوار ہے سچ تو یہ ہے کہ وہ شخص جو ایسے آپکو تعلیم یافتہ کہتا ہے وہ دراصل تعلیم یافتہ نہیں ہے کہنے کو جو چاہے کہے۔

اس طرح قدیم فلسفہ نے حروفِ تعجبی کو دماغی قوتوں کے واسطے مضر بنا
اور کوشش کی کہ اُن کا استعمال دب جائے۔ لیکن فلسفہ جدید اپنی الگ
دستان سناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قوتِ حافظہ بغیر ادراکِ تجرِبہ کسی مفید علم کو
ہرگز ترقی نہیں دے سکتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ قوتِ تسلیم کرنا ہے کہ کوشش۔۔۔ حافظہ
عجیب و غریب کام کر دکھا سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ادون کی قیمت کیا ہے
کچھ بھی نہیں۔ اور جو شے بنی نوعِ انسان کے لیے کوئی قیمت نہ رکھتی ہو اُس کی تنہا
کرنایا اوس کے حاصل کرنے کی سعی کرنا ایک حماقت ہے۔ کیا جاہل اور کیا عالم
سب پر روشن ہے کہ ترقیِ علوم کا چڑھاؤ کس درجہ پر پہلے اوّل تو یہ امر مشکل بلکہ
ناممکن سے بعید نہیں کہ ایک دماغ صرف ایک ہی فن کی جملہ معلومات کو اوس
حسنِ خوبی اور اُس ترتیب کے ساتھ جرقہ کتاب میں اکرا دس میں پیدا
ہو جاتی ہے اپنے ذہن میں ہرگز کبھی صحیح جمع کر لے۔ دوم یہ کہ بضرعِ محال کہ
ہی لیے تو اسے بکا بڑا کٹھن کتاب ہے کہ وہ معلومات کسی دوسرے ذہن تک کمال
طور پر پہنچنے سے پہلے موت کی ایک ہی ہنکار میں کہیں نہ خاک نہ بھائی
ایک نٹ جہانس پر چڑھ کر ناچتا ہے یا اوپر چٹ لیٹ کر جھک لگاتا ہے
اُس کا یہ کام ہی ایک کمال ہے اور اُس کے اعضا کی یہ یہ ہی ایک عجیب
ترقی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس سے دنیا کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ جسمانی
کمال ہے اور حافظہ کی وہ ترقی ایک دماغی کمال۔ لیکن یہ کام کا اور نہ وہ کام کو

یہ جس کا جہول چاہے وہ کہے +

اس کے بعد ہی علم یا فن طب پر دو نو فریق کی رائے سینے پرانے کچھ کہہ گئے اور تے کچھ کہتے ہیں۔ اول الذکر تو بعض حالتوں کے علاوہ اس فن کو سر سے دور از کار یا بالکل مضرت رساں سمجھتے ہیں۔ فلاطین پرانے گروہ کا ایڈر تھا وہ اسباب میں پیرانے رکھتا ہے کہ فن طب اگر لمبی قہر کے قابل ہے تو ضرورت اس وجہ سے کہ کسی مارگیدہ یا پاؤں شکستہ کو اچھا کر دے یا اتفاقیہ طور پر کسی کمزور کوئی مرض لاحق ہو جائے تو اس کو دور کر دے۔ ورنہ وہ ایک ایسا فن ہے کہ اس پر اتفاق کرنا دست بد کو توانا کرتا ہے۔ کیا دانشمندوں کے نزدیک وہ شے توجہ کی مستحق ہے جو شہاب کے یگر ٹوٹنے کی خبر لے۔ جو عیاشوں کے عیش میں مدد دے۔ جو اس وجود کو فنا کے ہاتھ سے بچائے جس کا دل و مرغ اس کے افعال ذمہ داری نے دیکر بکر پاٹ لیا ہو۔ جو آب آتش رنگ کے جلے پھینک دیا ہو۔ جو غور کرے جلیبیا زخموں اور چھندوں کو اپنے کیے کا مزاج چھنے سے روکے جو مہرین امراض کی رفتار کو سست کر کے مریض کو ایک لمبی موت کا تقرب بنائے نہیں۔ ہرگز نہیں! یہ لوگ تو وہ ہیں جو واقعی قدرت کی سزا کے مستوجب ہیں جن کو اپنی حسرتوں کی پاداش ضرور ملنی چاہئے۔ ورنہ انصاف کا خون ہو گا اور وہ لوگ جو قدرت کا کمزور طبع خفیف و لاعلم ہیں وہ قہر جلد دین کے شکم میں پہنچیں اور تباہی اچھا ہے۔ خود ان کے لیے بھی اور دنیا کے لیے بھی۔ کیا فائدہ ہے ایسے لوگوں کے زندہ رہنے سے جو نہ یزید جنگ میں اتر سکیں۔ نہ طاقت وروں کے مقابلہ میں اپنی ادا اپنے متعلقہ کی ہستی کو بچا سکیں۔ جو نہ مورخانہ داری کو انجام دے سکیں اور نہ سلطنت کے کچھ کام آسکیں۔ جو نہ فلسفہ و حکمت میں کوئی گہری نظر پیدا کر سکیں۔

نیا۔ دہلی

کر دیکھیں کہ نیا ہونے کو دنیا کو ضرورت ہے اور اس کے نیا ہونے کے درود اور کلمہ اور جو اس کے فاعل کو مقہور ہے برائے

اور جو غور و خوض سے گزیر کریں۔ ایسے لوگوں کے لیے سب سے بہتر ترجمہ تجویز ہو سکتا ہے وہ شربت مرگ ہے۔ اور بہتر علامات سے ادھار کر ان کو کنارہ محدود میں سلانا ان کے لیے بڑا مفید ہے +

لیکن نہایت مختلف ہے موجودہ یورپ کی رائے۔ افلاطون کی یہ خواہش تھی کہ انسان کو کامل بنایا جائے ہمارے یورپ کی یہ کہ انسان کو زام پونچھا جائے۔ کامل تو صرف خدا کی ذات ہے۔ انسان نہ تو کامل ہوایسے اور نہ ہو سکتا ہے جس طرح رب جلیل کا آفتاب سب کو ایک آنکھ دیکھتا ہے سفید و سیاہ دونوں پر چمکتا ہے۔ جس طرح اوس کا مینہ نیک و بد دونوں پر پڑتا ہے جس طرح اس کے مراحم شاہان اس دنیا میں تقویٰ گزارا اور ایک بد شکار دونوں پر یکساں اترتے ہیں۔ اسی طرح جدید فلسفہ کا باز و نیک و بد دونوں پر پھیلنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فلسفہ ان کے لیے نہ یہ کہ انسان فلسفہ کے لیے۔ ہر شخص فلسفی نہیں بن سکتا مگر ہر شخص تک فلسفہ کی مسترت جڑ جانے والی اور درد و دکھ کم کرنے والی شعلہ پھونچ سکتی ہے اور فلسفہ کا یہی اصلی مفہوم ہے۔ کیا افلاطون کی نظریں وہ شخص جو روکپن کے زمانے اور بولے پن کے سن میں بری محبت کے اثر سے کسی بری عادت کا عادی ہو گیا ہو۔ اس لائق ہے کہ زندہ چنوا دیا جائے۔ کیا وہ شخص جو اپنے ماں باپ کی بے عزتانی کی بدولت کمزور و مایوس پیدا ہوا ہو۔ اور جس کے سر میں ایسا خوچی کے مطالعہ کے وقت احساس درد ہو۔ مگر جو اقلیت کے تمام کی بک بک کا مطالعہ کر کے اپنے لبوں پر تبسم طیار ہوا ہو۔ اس قابل ہے کہ ایک گڑھا کھودے۔ اور اوس میں گھر بس جائے۔ اگر افلاطون کا فلسفہ بند گان خدا کے لیے قبریں تیار کرتا رہتا ہے تو بس سلام ہے ایسے فلسفہ

معراج الکلام فی کلام المعراج

”حضرت توفیق یعنی مولوی سید بلال الدین صاحب مہدوی حید آبادی
نے مختلف شعبہ کے متفرق نعتیہ اشعار پر جواب فرمایا
ہے وہ یہ ہنس کر لیا جاتا ہے“

آخر نعتیہ سے جتنی غفلت و غیوریت محبوب خدا پیغمبر اسلام
صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہوتی ہے وہ متلج بیان نہیں ہے۔ قابل شاعر
سہ اول جذبات جو حسن بیان و بندش کلام سے مترشح میں بیداثر
پہر میں کلام میں فصاحت و بلاغت کی موجودگی سے حضرت توفیق
لکھنے کی جو دقیقہ سی اور کمرشامی پائی جاتی ہے تصریح طلب نہیں ہوتی محمد
نجفی سے سند ملتا ہے نہ ان محبت کا تجھی پر مہتمی ہوتا ہے نقطہ دوسرہ کا
ہوا اور پر وہ اٹھ کر قید مقید کا محمد مصطفیٰ پہلا ہے تو نور محبت کا
بنا خورشید اقلیم عدم سایہ ترے قد کا (حسن)
نہ ہوتا و دل موجود تو مسدوم تھے سارے کیا حق نے ایک کو خلق پہلے نور سے اپنے
وہی ہے اک طراز اولین نقش میں ہستی کے شروع و قترامکان میں بسم اللہ کے بدلے
فہم نے نام لکھا لی پر پہنچے محمد کا (ایسر)
جو اس وقت فرط شوق میں لے آچکے باہر لگائے سد رو گرد و ساری سیکڑوں چکر
کبھی ہاتھوں کو جڑا اور کبھی کچھ عرض کی تاکم رکابوں سے طین تکمیں چکا یا سر کو قد مونہ پر
ملا جبریل کو رستہ میں کیا موقع خوش آمد کا (ایسر)
ہو منظر جب اسکو بنا تیری صورت کا تو کیں دس نے ہزاروں ملک امین پر کیا

ہولے دید میں پہلا موقع ہو دیا سارا۔ مٹا ڈالیں بنا کر صورتیں آدم سے تائیں

تب آیا رہت نقشہ کلک قدرت تیرے قد کا

ہٹا پر دوز آگے نہ بھاڑ دوش سے سر کی دہی تہی برہمی گیسے مشکیں و منبر کی

دہی جنبش جو تھی تا وہی تہی حلقہ در کی گئے حضرت پیرے حضرت مٹی گرنی بستر کی

قدم تھا ایک ہی گریا برآمد کا در آمد کا (ایسر)

ہوا جنوری پہلے جلوہ گر علم حقیقی میں ملا علم و سکوت بیشتر علم حقیقی میں

اوی کا نام تھا خیر البشر علم حقیقی میں ہوا آخر میں گو پیدا مگر علم حقیقی میں

خمسہ کو دیا حق نے سبق فیض محمد کا شمس مہدی

عجب پائے ہیں اس نبی صفات خارج و داخل ہوئی ہے کیلواشی شان اہل کائنات قدم حاصل

سے وحدت ہی ارفع جانب کثرت ہی پائے اودہ اللہ سے وصل اودہ مخلوق کا شامل

خامس اوس برنخ کبریٰ میں ہو حرف شد و کا شبیدی

رشادت اہل ایاں کو ہوئی مصلحت تر و در سو شفاعت آب رحمت بن کے ٹپکی دامن ترے

اودھا شام مصلحت کا عمل ہرگز و کشد گھٹی عظمت طبع صبح ہدایت اوج غاوت

جو چمکا مہر رخشاں تیرے ارشاد مجسد کا شمس مہدی

اوی کی پر تو رخ و فروغ دست موی ہے اوی کے دم سے جان بخشی انفاس سجا ہو

وہی بیاچہ تغویہ خلق دین و دنیا ہے وہی اربع کتاب آسمانی کا خلاصہ ہے

وہی صمدی مشکل باغی عبتہ و کا بحر

ہوئی جس وقت منظور نظر پر دگی اپنی تو کلا جملہ حسن انزل سے بنے شہدائی

نکالی آپ اپنی دید بازی کی کیسل اچھی عدل زیب زینت کی جو نرم آفرینش کی

لگایا اوس میں قد آدم آئینہ تیرے قد کا محسن

یہ تھی مرضی کو تجہ پر ختم آغاز رسالت ہو یہ تھی خواہش کو تجہ پر پھر تمام محبت ہو

یہ تھانسا کہ محل تجھ کو فرجامیت ہو یہ تہا منظور رفتہ رفتہ تکمیل نبوت ہو

خدا نے فطر رکھا جو تیری آمد آمد کا عمن

ہنونا کچھ اگر تاباں ہوتا تو جہاں تیرا بہار روضہ ہستی ہے رنگ بوستان تیرا
ملین لامکاں تو مکان ہے لامکاں تیرا مدار خلقت ارض و سما ہے آستان تیرا

وقار عزت لولاں ملک تیری مسند کا شمس ہندی

سکون تیرے انوار قدم کا ایک ذرہ ہے توں تیرے آیات کرم کا ایک آلم ہے
تقدیر لوح عصمت کا تری اک نقش زیبا ہے تقدس شکل تنزیہی کا تیری ایک جلوہ ہے

تجسّد ایک پردہ تیری شبیہ تنقید کا ایفنا

تو ہی ہے مصداق جاوید ہر کجہ مشفق ہے بہار حسن جاں پر وہی تیری سب کوئی
ترا ساقی حقیقت یکساں پایا ہے ترا ظہر نظر میں پردہ تشبیہ مطلق ہے

ترا باطن اک آئینہ ہے تنزیہی تجسّد کا ایفنا

نگاہ نیر و پختی نہ بڑھکتا سر دلمان ہزاروں سال کی تاخیر تری اک جنبش شرکاں
قد مبرسی کا دل میں نقش ہائے گلیاں قدم سے کیا ہی تنزائی سوار جانیب ملک

نہ پچھا ساتھ آخرہ گیا سایہ وہیں متد کا ایسر

مہ و انجم نے جس کے سامنے کی تھی جہاں سائی ہوا دید مدت تک رہی یعقوب کو جسکی
زیبا نے جو خواب اویں میں شکل تھی دیکھی نہ تھا کوئی مگر تھی ایک تجلی نور احمد کی

عقب تھا یوسف یعقوب جس حسن بقیہ کا توفیق

نگین غام ہستی ہے تیری جلوہ فرمائی ہوتا تو تو ہوتا نقش ہستی حرف بے معنی
قدم اک صورت و چسپ نظم مایہ ہستی ازل اک شکل دلکش تیری لوح آفرینش کی

ابراک رنگ زیبا تیرے ایوان مشید کا شمس ہندی

ملائین قدم سے تیرے رتبہ آفرینش کو ترے قدم کا ماتہ آیا بانہ آفرینش کو

ترے قضیہ کا ٹیڑھا نتیجہ آفرینش کو کیا جب قدرت خالق نے پیدا آفرینش کو
 بنایا یا علت ایجاد تجھ کو دور سرد کا شمس ہندی
 شب معراج میں تیرے عقد وصل ہو سکا بڑھائے کو شوق پہلِ وقت کے اٹھ کر
 طین ہم کہاں کے جیسے دو گشتے ملے ایسے جگہ مشوق کو عاشق نے دی آغوش لینے
 کس لڑکوں کا کٹا کٹ رہا شوق مجھ کا تین
 نہیں کس طرح کعبہ قدم ہزارت اکوانی نہیں آسان رو ٹکڑا کل اول جانب ثانی
 نہ تھا ممکن کہ مجھے نورِ اجب چشمِ امکانی نظر بازی سے ادکی کیوں نہ موسیٰ کو حیرانی
 چراغِ طور پر وا نہ ہے جس کی شمع مرقد کا شمس ہندی
 تری صورت میں ہی خوش جمالِ پادشاہ کی ہوا خود جلوہ گرا اللہ سے شوقی پہلنے کی
 خود ہی نے منحصر کیں تجھ پر امیدیں مانے کی خدائے خود خبر دی لے شہ دیں تیرا نیکی
 بنا کر مہرتوں شتاق اپنی آمد آمد کا ایسا
 کیا اتر اٹھتا ہے جس نے دُور نظر آیا لگا یا جس نے نخلِ کمرشِ خوب سے پھل پیا
 چلے گئے ملت بیٹھنے جلوہ اپنا دکھلایا ہوئی شام آفتابِ بتِ پستی پر زلزل آیا
 مہ تو خوب چمکا بدر میں تین محسوس کا محسن
 کرے طبعِ شاد پیشہ صفت کس کے سر پا کی دہلے میں ان قحیفِ دوہری ہیں دریا کی
 ملا ہی ایک نقطہ سے خطِ ارضی و افلاکی برادرِ دونوں جبریلِ علی میں نمودی خاک کی
 ادھر ہی ہے ادھر بھی سلسلہ ثابتِ محکا امیر
 ابو حامد سید محمد۔ مہدوی

ناظرینِ تمدن براہِ کرم خط و کتابت میں سید حسرتِ یاری کا حوالہ ضرور
 دیں ورنہ عدم تعمیل کی شرکایت محال

ونٹرسٹیل

سسلے کا بادشاہ یونٹس جس کی پرسی جال ملکہ کا نام ہر مونیہ تھا۔
اور سن دامن کی دنیا پر جس کی منبراں موالی تھی جیسی کچھ اسکی سلطنت
شورش اور طوائف الملوکی سے پاک تھی۔ ویسی ہی بادشاہ کی شہستان شہر
میں جام عیش اور ساقی مہوش کے سوا کسی رسائی نہ تھی۔

کنگ یونٹس اور کوین ہر مونیہ میں باہمی جود لطف اور پیار تھا اسے
دیکھتے ہوئے تورات و دن کے ۲۴۔ گھنٹے عیش و مسرت کے پہلوں
کی سیج پر گزرتے تھے۔ مگر ایسی صحبت عیش میں کبھی خوش مزاج یونٹس
کے دل کا کنول یا دھلی کی بادِ سموم سے مرجھایا ہوا نظر آتا تھا۔ جب
بچپن کے یار پولکن کی گرا گرم صحت اور پیر خواب میں بھی اوس کی
صورت نظر نہ آنے کا خیال اسے آجاتا۔

اس شاد و کامران بادشاہ کی یہی ایک آرزو تھی جو پر نہیں آئی تھی۔
ورنہ کامیابی عیش کا کوئی سامان نہ تھا جیسا میمانہ ہو۔

یونٹس اور پولکن نے اپنے بچپن کا زمانہ ایک ساتھ بسر کیا تھا۔ ایک
ساتھ کھیلے کودے پڑھے لکھے۔ لیکن دونوں کے والدین کی اچانک
موت نے ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا تھا۔ جہاں سے جدا ہو کر دونوں
کو اپنے اپنے ملک کی عنان حکومت اپنے نا تجربہ کار ہاتھوں میں لینے
پڑی۔ جدائی کے وقت کا اثر دونوں کے دلوں نے ایسا گہرا لیا تھا
کہ اب تک تازہ تھا۔

آفتاب عالم کتاب اپنا نصف وارہ سافت قطع کر کے نصف زیرین کی طرف
بارہا ہے اس کی حدت تیسری اوس کا نصف النہاری جاوہ بلبل اوس کجا
آنکھ نہ سانسے کرنے والا پر عجب چہرہ بالکل زر و پڑ چکا ہے۔ اور اوسہ در اکی
یہ موزہ آن پر ایمان لائے، انوں نے "لا احب الا فلین" کہنے کا رقت تریب
ہے خوشگوار خنکی ان جہاں کو اپنا منت کش احساس بنا رہی۔ سنہ ۱۰ کا
اب تک دھوپ کی تیزی سے ناک میں دم آگیا تھا۔

بادشاہ معہ بادشاہ بگم کے پرتکلف اور خوشنما ایوان شاہی سے برآمد
ہو کر خانہ باغ میں مصروف کُلشت ہے ٹنڈی ہواؤں سے شائستگی کا اثر
دل پر ہو رہا ہے۔ نہریں انرازمیں کوثر و تسنیم کو مات کر رہی ہیں پرنس
بسیروں میں جانے کی دوڑ دھوپ میں ہیں قدرت کے ان دلچسپ
تماشوں میں بادشاہ خود ہو رہا تھا۔ کہ چوہدار نے سامنے آکر مجرا شاہی عرض کیا
اور کہا کہ شہنشاہ ہو ہونیا حضرت اقدس واعلیٰ کے ایوان معلیٰ میں غصہ ریب
مہمان ہونے والے ہیں۔ جلوس ولسا طنت کے قریب آچکا ہے پیش خیمہ
آچکا۔ یہ سنکر بادشاہ نے تعجب خیز لہجہ میں چوہدار سے پوچھا۔ بھلا میرے
مغز مہمان کتنے دور ہوں گے اور کتنے عرصہ میں وہ یہاں پہنچ جائیگا۔
چوہدار۔ (دانشاہی لہجہ میں) ہمارے بادشاہ حجاجہ کے عالی مقام
جہان ایک گھنٹہ کے اندر قصر معلیٰ میں داخل ہو جائیں گے اب سواری
دو چار میل کے فاصلہ پر ہوگی۔

اس کے بعد بادشاہ نے سپہ سالار فوج کو طلب کیا اور حکم دیا کہ استقبالی
والہیٹروں کا رسالہ دور سے بادشاہ ہو ہونیا کا استقبال کرنے کو فوراً روانہ کیا
جائے۔ اور حضوری باڈی گارڈ کا رسالہ اپنی مغز و رویوں اور چکدار اکھ

آراستہ ہو کر بیرون شہر خیر مقدم کرے جاؤ اور فوری اسکی تعمیل کرو۔
 بادشاہ نے یہ حکم دیا اور نہایت بے تابی سے یو لکسن کے انتظار کے
 فرسے نوٹنے لگا۔ بادشاہ پہلے چیل قدمی کر رہا تھا۔ خیالات انتظار کے دفور
 سے اوس کے قدم تیز اونٹننے لگے۔ اب بادشاہ ٹہل رہا تھا۔ بلکہ ہلکی دوڑ دوڑ
 رہا تھا۔ اور ابناط اوس کے چہرہ سے نمایاں تھا۔ بادشاہ بیگم نے اس
 تیز چیل قدمی میں اوس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اور کچھ خوش رنگ پہلوں
 سے خوش فعلیاں کر رہی تھی کہ دفعتاً فوجی بنیڈ کی خوشگوار گت نے
 بادشاہ کو ہونیہ کے در و در کا فردہ منظر مزبانوں کے (بادشاہ اور بادشاہ بیگم
 کے کانوں کو سنایا۔ بادشاہ فرط ابناط سے اوجھل پڑا۔ شہر کے اندر داخل
 ہوتے ہی سلامی کی توہ میں سر ہونی شروع ہوئیں ایوان شاہی میں
 ایک باقاعدہ پھل پیہ اہوگی۔ کہ ساری ایوان شاہی کے سامنے آئی
 بادشاہ نے جوش مسرت سے مغلوب ہو کر بچپن کے پچھڑے ہوئے دوست
 کے شوق دید میں ایوان شاہی کے صدر دروازہ پر آکر مہمان کا استقبال
 کیا۔ دونوں آرزو مند نگاہیں ملیں۔ کچھ قطرہ آنسوؤں کے پہلے نظروں
 دونوں منہ سے بچھا دیئے گئے۔ پھر دونوں بادشاہ ایک جوش بخیر
 میں باہم بخلگیر ہوئے اور میزبان بادشاہ اپنے عالی مرتبت مہمان کو
 اوس کے دونوں بازوؤں میں ہاتھ ڈالے ہوئے ایک بے ساختہ
 انداز کے ساتھ لے کر آراستہ و پیراستہ سجے بجائے موتی محل میں مل جوا

(۳)

فلک کج رفتار تیری عہدہ پروازی ہمیشہ نے رنگ دکھائی ہے تجھے ایک
 ایوس و جھوڑ کو سپر مقصود سے ہم آغوش کرانے میں جیسا یہ طوولی مائل ہے

ایسا ہی ایک آرمند و سہراپا امید کے تغیلات آرزو پر پانی پھیرنے میں بھی تو خوش ہوتا ہے تو ترسنا ہی ہے کہیں اختلاف دور کر کے موافقت کے پھول کھلاتا ہے اور کہیں اختلاف کا ایسا بے سان و گمان شوشہ چھڑ دیتا ہے کہ ایسے دو دل جو باہم شیر و شکر اور قید و عوبت سے آزاد ہوئے ہیں جو ایک جان و وقائب کا وجود ہوتے ہیں اور جن میں سے ایک کی زندگی بغیر دوسرے کے نیم جانی اور خنکامی سے گزرتی ہے۔ جن کی ایک لمحہ کی جدائی پھاڑ دیتی ہے۔ اوں کو دو دل اور دشمن جانی بن کر ایک کو دوسرے کا درپے آ کر کر دیتا ہے +

ہرمونیا کہن جو کل ملک ہرمونیا تھی اور بادشاہ کے آنکھوں کی تپتی تھی وہ جس کے پیر میں آج قید ستم کی بیڑیاں ہیں اور آفت کرنے کی مجال نہیں۔ گلبدن ہرمونیا جس کی نزاکت چشم۔ اندیش کی تاب نہیں لاسکتی تھی۔ آج طرح کی تھیناں چھل رہی ہے۔ آفت غضب۔ اس کا پھول ساجسم اور یہ ظلم و ستم کے کوڑے اوس کا کھول مادل اور یہ مصائب کے سخت تڑپے۔ کل جس کی خوشی عین بادشاہ کی خوشی تھی۔ اور جس کا حکم شاہی سے بالابتہا۔ آج بادشاہ کی نظر اوس سے ستم آفرین گردش و قوارے کے ایک ادسنے اٹا دے میں ایسی پہ گئی۔ کہ ان تیل ہی نہ تھا۔ گویا مہر و اخنت کا تو ذکر کیا بغیر غصہ کی انتہا نہیں۔ آخر کوئی جرم تعصیر و اقامت بہم سے اور آہستہ کے سے پھر شبہ نہیں کوئی ستم مظلوم ہرمونیا کے مہماں نوازی کے شریفانہ برتاؤ اور سہراں شوہری کی تعمیل میں ادسپر اٹھا دی گئی۔ اور ادسپر تمام مظالم کی جو اوس کی تنہی سی جان پر گزر رہے ہیں۔ بنیاد قائم کی گئی۔ تو اوس کی کنہ اگر آج نہیں تو کل ظاہر ہو کے رہے گی اوس وقت تک ایک الجناں۔ ماسدہ اور ضعیف رہے

دیکھنے والے بادشاہ کو خود اپنے کپڑے پھٹاوا ہوگا۔

پولکسن اپنے دوست پنوشس کی پرشوق ملاقات اور شاہانہ ضیافتوں کا ایک گہرا نقش اپنے دل پر لیکر کامل ایک ماہ کے بعد واپسی وطن کا ارادہ ظاہر کر رہا ہے۔ یونٹس کی طرف سے ایسی کچھ دن اور سہنے کا اصرار ہو رہا ہے۔ بادشاہ کہہ رہا تھا۔ تو اس نے ملکہ کو اشارہ کیا کہ تم کہو۔ شاید تمہارے کہنے کا اثر ہو۔ یونٹس نے گہرے دوست گفتگو میں انداز بہتے تکلفی سے طرح طرح کے سننے کا موقعہ تھا۔ ملکہ کی طرف سے حسب ایما یونٹس کی تہذیب تکلف کے لہجہ میں یہ سادہ جو چہڑا تو بیچارہ پولکسن عجب کشمکش میں پڑ گیا اصرار بڑھاتا گیا۔ یونٹس تکلف اور جس لطیف کے مقابلہ میں قدرتی لطف نے اس سے فصیح غنیمت کر دیا۔ اور پولکسن یہ بڑا۔ اب سنئے۔ فوری ستر یونٹس کو پولکسن کے رہنے سے تو ضرور ہوئی۔ مگر اس کے کینہ جو دل میں ایک چور سا پیدا ہو گیا۔ جس نے اس تک خیال کوتاہ اندیش بادشاہ کے خیالات کمزور کی تلاش کی طرف مائل کیا کہ کیوں سیر امرار پر نہ ٹھیرا اور ملکہ کے کہنے سے ٹھہر گیا۔ اور اس ملکہ عصمت کی طرف سے بادشاہ نے خیالات فاسد پیدا کر دیے جس کی پاکبازی و عفاف کا ایک غرضہ تک اس سے خرابہ ہو چکا تھا۔ اور پولکسن سے ہی بادشاہ بدظن ہو گیا۔ جس کا لازمی نتیجہ اس بداندیش اور حاسد بادشاہ کی طرف سے اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ کہ وہ اس کا کوئی آزار انکو پہنچائے۔ چنانچہ اس نے فوری کیلو کو جو اسکی دربار کا ایک معزز کرسی نشین تھا۔ اور بادشاہ کو اسکی رائے صاحب کا اکثر تجربہ ہوا تھا طلب کیا۔ اور سارا ماجرا اسے کہہ سنا یا اس نے بادشاہ کو اکثر نازک خانگی اور ملکی امور میں اس سے پرايوٹ مشورہ ہی طلب کیا کرتا تھا۔

اور حکم دیا کہ تم فوراً پولکسن کو زہر دینے کی تدبیر کرو۔ ہر توینا کے لیے سوچو
کوئی حکم دیا جائے گا۔

(۴۱)

راستے کے دن اب بچے گئے ہیں۔ گیارہ کا سال ہے۔ کیلو اپنے کمرہ میں
خاموش بیٹھا خیالات میں غلطیاں بیچاں ہے کہ پورے (خاندان) نے
آکر عرض کیا مینر آیا ہے۔

کیلو۔ (جیسے غنودگی سے کوئی ہوشیار ہوتا ہے چونکہ کراہنا چاہتا تھا۔
پورے سب دیکھا ہے سرکار شریف نے چلیں۔
کیلو کرسی سے اٹھا۔ آفس کلاک کی طرف وقت دیکھنے کو اس کی نگاہ اٹھی
ہی کہ کلاک نے ٹین ٹن گیارہ بجائے۔ کیلو کھانے کے کمرہ میں گیا۔ اور
مینر پر بیٹھ گیا۔ چار پیئریں لیں اور انہیں سے کچھ کھایا اور فوری اٹھ کھڑا ہوا۔
کھانے کے کمرے سے اٹھ کر خلافت معمولی آفس ڈپارٹ میں پہنچا گیا۔ کیونکہ ڈائنگ
روم۔ سے ٹھیکر پندرہ منٹ تک کھٹے برائڈے میں چیل دستہ می کرنا۔ اس کا
معمول بہ تھا۔

مگر آج کسی گہری فکر کے آثار اس کے بشروے نمایاں ہیں جس سے
اس کے اندر دنی بیچ و تاب کی کیفیت صاف ظاہر ہو رہی ہے کمرہ میں
آکر وہ کھینے کی میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ پیر کرسی پر ٹیک دیے
اور انکھیں بلند کر کے چہت کی طرف دیر تک دیکھتا رہا۔ اور کچھ الفاظ اس کے
منہ سے مدہم آواز میں نکلنے لگے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”میں بادشاہ کے حکمت
پولکسن کو زہر دوں۔ یہ ارتکاب زہر خورانی سراسر خلافت قانون خلافت
اخلاق اور شرافت سے بعید ہے پھر بادشاہ کو کیا جواب دوں۔ یہ سچ

معلوم ہے کہ بادشاہ کی براہ فرشتگی محض حاسدانہ ظالمانہ ہے۔ پولکسن اور ملکہ ہرمونیا دونوں کس کا شکار بننے والے ہیں۔ یہ کیا ہیں انہیں سے کسی کی امداد کر سکتا ہوں، ہرمونیا پر سیرا دسترس نہیں۔ البتہ پولکسن کو بادشاہ کے اس گھات کی اطلاع قبل از محض دسے دوں تاکہ وہ اپنا بچاؤ کر سکے اور اس کے پھندے سے نکل جائے۔ مگر یہ میرے خیر نہیں۔ بادشاہ ہی مجھے گمان میں ہی اوس کا بیداری تھا، اس کا شبہ میرے سوا کس پر ہوگا۔ مگر ملکہ کو اس پر غلط فہمی میں پھنسا دینا سراسر بزدلی ہے۔ اچھا کوئی تدبیر سوچوں گا۔ بالفعل لکسن کو تیرہ وار کر دینا چاہیئے جس کی جان جو کہوں میں ہو رہی ہے، یہ کہتے ہوئے وہ سنبھل کے بیٹھا۔ اور سگار کھینچ رہا تھا کہ اوس میں سے ایک سگار جلایا اور پیتے لگا۔ چتا تھا اور بطور سنبھل انگلی اوس پر مار کر اوس کی خاک گڑا تا تھا۔ یہ کرتے کرتے وہ گڑی سے اٹھا اور کالا بوٹ پہن کر اپنے بنگلہ کے کپڑوں سے نکلا۔ اور کچھ ہنسنے لگا۔ سوچنے لگا۔ پر قدم اٹھایا اور شاہ ہرمونیا کے کب کی طرف چل نکلا چلنے کو تو جلا کر دل سینے میں اچھل رہا تھا۔ پیر چلتے چلتے رک جاتے تھے خیر ہر وقت تمام وہ کمپ کے قریب پہنچا تو گشتی پولیس نے اُسے روکا۔ مگر اوسے اطمینان بخش جواب دے کر وہ ایمپ میں داخل ہوا۔ شاہی خیمہ کے پاس پہنچتے وقت ہی خاص پرہ والے کی طرف سے اوس کی تقریبی ہوئی روک ہوئی۔ مگر کیسلو نے اوس سے کچھ آہستہ باتیں کیں۔ اور اوس نے پردہ اٹھا کر اندر سے پہرہ دینے والے سے کچھ کہا۔ اور چند منٹ کے بعد کیسلو اوس کے توسط سے اندر جا کر باریاب ہوا۔ اس کے کہنے کی

ضرورت نہیں۔ کہ کیلو نے اپنے اخلاقی سفارت کس خبیثی سے ادائیگی اور
کس کشادہ دلی سے اوس کا خیر مقدم ہوا۔

بہر حال کیلو اور پیکس کا ایک سرحد تک تھلہ رہا۔ اوس کے بعد بادشاہ
نے داروغہ اصطلیل کو طلب کیا۔ جس کو دو خاص سواری کے تیز دم آراستہ
گھوڑے اور چار سواروں کی حاضری کا حکم دیا۔ اور پہلے اپنے مشیر خاص کو
بلا کر اوس سے کبھی امر میں شور مچا دیا۔

حکم کی دیر تھی اتنے میں گھوڑے اصطلیل سے تیار ہوئے اور سوار ہوئے
چوہدرے اطلاع دی۔ بادشاہ اور کیلو دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے
اور کھپے باہر ہوتے ہی صبادم گھوڑے ایک سمت اٹھا دینے لگے
باقی آئندہ۔

سید سخاوت حسین

مرحوم شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل۔ این۔ ڈی۔ ڈی راول کی تصنیف
جو زیب ورق اول ہے امید ہے کہ ناظرین تمدن کی مجید دلچسپی کا باعث ہوگی یہ مقدمہ
صورتیں جن کے دل و دماغ علمی خزانے تھے جو آج بے خبر بڑی سوچتے ہیں۔
امہات الامہ جس پر ہم بچپن میں بحث کر چکے ہیں جس دفعہ کی کتاب تھی اس کا
انڈیا ناظرین ماہ گذشتہ اور حال کے پرچہ سے کر سکتے ہیں ہم اب بھی یہی کہتے ہیں کہ
ایسی صورتیں اب مشکل سے نظر آئیں گی جو اسلام کو غیر مسلموں کے سامنے اس طرح
افضل ثابت کر جائیں کہ پڑھے وائے کو ان کے اپنے مذہب کا پتہ نہ لگے۔ منطق و
فلسفہ ہر حرف کی تصدیق کر لیں جس عقیدت کی لہریں دلی سے زبان تک نہ آئے پائیں

مشات

از حضرت مولانا مولوی سیدہ جلال الدین صاحب توفیق مہدوی حید آبادی
کہوئے گئے ہم خود ہی دل کہہ گئے ابھی
اک شمع کو روشن تھی اسکو بھی بجھا بیٹھے۔

دیدار کی حسرت میں اراک تہ مشامت
تفسیر تری عالم سینہ سے لگا بیٹھے

کیوں قبر پر آج اسکی جانکے ہو گیا
یوں عیس کا مرنا ہی اچھا تھا بڑا کیا تھا
سے بچنے فتنہ کو ناحق وہ جگنا بیٹھے

کچھ لی بھی خبر تو لے بانی شدہ آخر
ہم آپ کو بھی بھولے دلو بھی بھلا بیٹھے

ہم پہلوے اراں تھا ہر چند شباب کا
ہم اون سے الگ بیٹھے وہ ہم سے جدا بیٹھے

کیوں ایسے وہ ہم تھے کوئی اسے کیا جانتے
کیا بات سنا تھی غلہ میں نہ جانے
اک بات پہ عاشق کو سولی جڑ جڑھا بیٹھے

صد شکر کہ آنا بھی کس وقت ہو تیرا
صد شکر کہ یہ کیا احسان ہو گشتا تیرا
بجلی کے چمکنے سے نزدیک وہ آ بیٹھے

کب طرح سے برائی اک حسرت بجا تھی
ظالم تھے غلے سے ہم ہاتھ اٹھا بیٹھے۔

کہنے کو تو کہہ گئے گندی جودل جان
بچتے میں اپنی بیاہی اراں پر
کیوں تھمتہ نرم چھٹرا کیوں اذکور لا بیٹھے

اراں کی طرح نکلے اور صورت ناز آئے
تو توفیق دول میں بھی شونہ سے نہ باز آئے
پر گریں تیسٹھ گریہ اٹھا بیٹھے۔
مہسلہ ابوحامد

زندگی

زندگی اس قدر پُندر روزہ کو کہتے ہیں جس کی ابتدا اور انتہا عدم ہے ایک چیز جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ایک زبردست قوت سے متاثر ہو کر ایک شکل و صورت اختیار کر لیتی ہے اور عالم اسباب میں نمودار ہوتی ہے۔ قوانین قدرت کے تابع فرمان رہ کر نشو و نما کرنے لگتی ہے موافقت آب و ہوا سے اس میں بہت سی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور جب یہ قوتیں ترقی کرتے کرتے معراج کمال پہنچتی ہیں تو پیران میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔ اب اس کے بعد یہ ترقی معکوس کرنے لگتی ہیں اور آخر یہ ذریت پہنچتی ہے کہ جن ذروں کے متعلق ہونے سے انکا وجود ظہور میں آیا تھا وہی ذرے بکھر کر چو طرف منتشر ہو جاتے ہیں اور اصل وجود معدوم ہو جاتا ہے۔ بعض وقت اسباب مخالف کے غلبہ سے بہت سی چیزیں قبل از وقت ہی معدوم ہو جاتی ہیں۔ غرض اسی ابتدا۔ نشو و نما حرکات و سکنات کیفیات و جذبات کا مجموعی نام اس چیز کی زندگی ہو مگر اس عالم موجودات میں سب چیزوں کی زندگی ہی نہیں۔ ہر چیز پر مخلوق اپنی الگ اور نرالی زندگی رکھتا ہے۔ تاہم یہ اعتبار زندگی کل مخلوقات عالم کو تین قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

ابتدائی درجہ میں وہ چیزیں ہیں جو لازماً تین قوانین قسطن کی پابندی پر بالکل مجبور ہیں۔ ان میں کسی قسم کی خلافت و ردی کا مادہ ہی سرے سے موجود نہیں خود رانی اور خود مختاری ان کے سرشت میں تہیں بشارت

کیونکہ ان کی نشو و نما ہوئی۔ اور مدت مقررہ پر معدوم ہو گئے۔ اس درجہ کی اشیاء اکثر بلکہ تمام دبشہر طیکہ کوئی خارجی درجہ نہ ہو اپنی اپنی مدت معینہ تک قائم رہتے ہیں اور قبل از وقت ان کے پامال اور برباد ہو جانے کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ حجر و شجر کا شمار انہیں میں ہے۔ انکی پیدائش سے قدرت کا منشاء یہ نہیں کہ یہ حرکت کریں۔ ضروریات زندگی کی فکر ان کی دامنگیر نہیں اور نہ یہ وہ کسی مخلوق کے کاروبار میں دخل ہی ہوتے ہیں قدرت نے ان کی نگرانی خاص طور پر اپنے ذمہ لی ہے اور انہیں پال پوس کر اس لیے تیار کر لیا ہے کہ تماشا گاہ عالم کو ان کے عجیب و غریب وجود سے زینت ہو۔ دوسری مخلوق کو ان کے آرام و آسائش ملے اور ایک ہستی علی الاطلاق کی قدرت کاملہ کا چشم بصیرت رکھنے والوں کو یقینی ثبوت ملے۔

قسم دوم اس جاندار مخلوق کی زندگی ہے جنہیں کچھ قوت دی گئی ہے اور جو اس خاصہ ظاہری عطا ہوئے ہیں۔ وہ حرکت کر سکتے ہیں۔ قسم اول کی طرح ان کی غذا قدرت کے ہاتھوں ان کے منہ میں نہیں ڈالی جاتی بلکہ خود قدرت کے وسیع دسترخوان سے جس قدر ترقی چیزیں اپنی اصلی اور عیسٰی مصنوعی حالت میں چنی ہوئی ہیں منہ ڈال کر یا ہاتھوں وغیرہ کے ذریعہ انہیں پیٹ بہرنا پڑتا ہے۔ انہیں اس قدر اور اختیار دیا گیا ہے کہ جو غذا ضرور ہو کھالیں مگر یہ اس کا بہت کم بلکہ استعمال ہی نہیں کرتے اور صرف انہیں چیزوں کی طرف ہاتھ دوڑاتے ہیں جنہیں انکا معدہ ہضم کر سکتا ہے اور جو ان کے لیے مقصود ہیں۔ انکا اختیار صرف اس قدر ہے کہ یہ اس کا چلنے پرانے کہانے پینے بیٹھنے اور ٹھننے اور چند جزئی امور

میں استعمال کر سکتے ہیں باقی سب باتوں میں مجبور ہیں۔ تقاضائے فطرت کے خلاف ایک کام ہی نہیں کر سکتے۔ مثلاً شیر کے بچہ کو تازہ گوشت کھانے اور شکار کرنے کی رغبت ہوتی ہے وہ محض فطرتاً ہوتی ہے یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ گھاس چسپا چاہے اور اگر چرے تو معدہ اسکو ہضم کر سکے۔ غرض یہ مخلوق ہر بات میں اصول فطرت کے بالکل تابع ہوتی ہے۔ اس سبب سے اس جنس کے مخلوق کی ایک دوسرے کی زندگی میں موانعت و مبالغت ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کا نشا بھی تیز قریب وہی ہے جو قسم اول کا ہے طرس سے مجبور ہونے کی وجہ سے اپنی زندگی بڑے اطمینان و بے تکلفی سے گزار دیتے ہیں مصائب و تکالیف سہتے ہیں مگر ان کے معصوم و لونپر نکاتنا گہرا احساس اور گھبراہٹ نہیں پڑتا جتنا اور ایک مخلوق پر جو اثرات المخلوقات اور عجوبہ عالم اسباب ہے۔ یہ وہی تیسری قسم کی مخلوق ہے جسے انسان کہتے ہیں اس کی زندگی

ان سب کی زندگیوں سے نرالی اور اچھوتی ہے۔ قدرت نے انہیں نہ پورا مجبور کیا ہے اور نہ بالکل خود مختار چھوڑ دیا ہے۔ سب کچھ کر لیتے ہیں مگر پہر ہی کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ اس مافوق قوت نے جہاں اسباب طاعت سے انہیں بے لگام نہانے کے اسباب مہیا کر رکھے ہیں انہیں ایک عقل جیسی نایاب اور بے مثل بنیادی چیز کی بدولت یہ آسمان کے تارے توڑ لاتے ہیں اور دریاؤں کی تہ نکال جیتے ہیں

جو ہو سکتا ہے اس کو وہ کسی سے نہیں سکتا

مگر وہ کچھ تو ہر کچھ آدمی سے نہیں سکتا

حواس خمسہ ظاہری کے علاوہ حواس خمسہ باطنی بھی انہیں دئے گئے

جس کی وجہ سے حوادث زمانہ کا انہر کشر گہرا اثر پڑا کیا۔ چونکہ میلان سب کا الگ الگ ہے اس سبب اس نوع کی زندگی کا ٹینک طور پر معیار نہیں بتایا جاسکتا۔ اور نہ عمر طبعی کا بلا استثنیٰ قرار دھوسکتا ہے اس لحاظ سے اس نوع کی زندگی بھی تین قسم کی ہوتی ہے۔

ایک ان وحشیوں اور خانہ بدوش بدویوں اور جنگلی اقوام کی جو دنیا مافیہا سے بے خبر اور دین و دنیا سے بے تعلق ہوتے ہیں۔ انکی زندگی ہی مثل دیگر چوپایوں اور وحشی درندوں کی سی ہے۔ نہ ٹینک و بد کی ان کو تمیز نہ مدن و معاشرت سے انہیں کچھ تعلق و واسطہ۔ حیوانوں کی طرح جنگل میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہیں پرورش پاتے ہیں چوٹے سے بٹلے ہوتے ہیں۔ درندوں چرندوں کی طرح پیٹ بھرتے ہیں اور ایک عرصہ کے بعد مرتے ہیں۔

دوسرے و طبعی کی زندگی ان لوگوں کی زندگی ہے جو طبقہ اوّل کی نسبت کچھ زیادہ تہذیب یافتہ ہیں جنکی زندگی یا تو کسب معاش یا کسب معاد پر منحصر ہے۔

جنہوں نے کسب معاش کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اپنی ساری قوتوں کو اسی کی تحصیل و اکتساب میں حسیج کر ڈالتے ہیں۔ جس طرح طبائع ان مختلف ہیں اسی طرح ذرائع حصول معاش بھی متعدد و طبیعت کی مناسبت ہے ہر شخص ایک خاص طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اور اسکی زندگی اسی رنگ و رنگ کی ہوتی ہے۔ کوئی مہندس ہوتا ہے تو کوئی فلسفی۔ کوئی ہیئت دان تو کوئی منجم۔ کوئی فوجی قابلیت رکھتا ہے تو کسی کو ملکی معاملات کی گتھیاں سلجھانے میں دستگاہ کامل حاصل ہے غرض ہر شخص کی مختلفتوں اور

کوششوں کے ذخیروں۔ کارناموں وغیرہ کے مجموعہ کو اس شخص کی زندگی کہیں گے۔

جن لوگوں کا رجحان معاد کی طرف ہوتا ہے ان کی زندگی پائل اور مقدس مگر مصائب و آلام سے مملو ہوتی ہے۔ جو رطل و ناد فریب سے انہیں دل نفرت ہوتی ہے۔ حقوق اللہ و حقوق العباد کی نگہداشت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھانہیں کہتے۔ مقاصد اصلی اور نشاۃ یزدی کی تکمیل میں ایسے محو و منہک ہو جاتے ہیں کہ لذات دنیادی اور خواہشات نفسانی کا اپنا راکھل جادو نہیں چلتا۔ مشقت و ریاضت میں چند روزہ زندگی بسر کرنے کے بعد مر کر اس دولت کے سرفراز ہوتے ہیں جسے حیات ابدی کہہ سکتے ہیں۔

غرض ہر چیز کی زندگی ایک خواب و خیال ہے جس کے ابتداء و انتہا کے تصور کرنے سے قوت تمیز قاصر اور اوراک خاصہ ہے۔ اسی مختصر زمانہ میں انسان کو بڑے بڑے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں اور بڑے بڑے پرچار و ادب اور دشوار گزار گھاٹیوں سے ہو کر نکلنا پڑتا ہے۔ جاں بسا اوقات اپنے آپ سے دانستہ و دل کو بھی ایسی لغزش ہوتی ہے کہ پیر سبنا لے نہیں سکتے۔ جو شخص اس پر خطر شادی و عجم و سبب امید و یو کی متضاد قوتوں کے مقابلہ میں پورا اتر اور سلاست روی کے جادو سے تفریق سے قدم باہر نہ نکلا وہ بیشک قابل تحسین و مدد آفریں ہے۔ اور اس کی زندگی قابل تقلید ہے انسانی زندگی اور حیوانی زندگی میں جو کچھ مابہ الامتیاز ہے وہ یہی ایک عقل و دانائی پر جسکی نامزدائی سے طوفان خیر و بیاؤں میں سے سیکڑوں ہزاروں ہی ہماچار لگے ادبی و دھیرے جس نے بسک رہروں کا مین جنگل میں گلا گھونٹا۔ اور بہت سے تیراکوں کو بیچ دریا میں ڈبوایا۔ فقط محمد ہدایت۔ حیدر آبادی

غزل

(از تمنا عاؤسی پہلوار و عی غظیم آبادی)

کیوں لگے ہو کوشش ناکام میں
جو زخم میں ہے نہ ساقی انجام کیا
فائدہ کیا سی ہی سچ انجام میں۔
وہ ہے تیری چشم ز گس فدا میں
ہو نگاہ خاص کس پر، دیکھئے
آئے ہیں وہ جلوہ گاہ عام میں
ایک جھلٹ ہے دل ناکام میں
مجھ سے بھی، غیروں سے بھی یلگو
چلبے کچھ فرق خاغن عام میں
اعتباری فرق ہے تو بام میں
لاکھ اور انا و ان ہوائے بام میں
ہے تسلسل آج و ویرجام میں
مکس چشم یار ہو جس جام میں
کیا اثر تھا قص زبردوام میں
کھینچ گیا نقاش قفس کا دام میں
آرزو مائے لال انجام میں
تھا نعم انجام جب آغاز میں
مائن جیسا فی اتری دریائی
اُن سے ملنے کی امید ابستہ میں
یا ابھی! پھر عطا کر بے کلی
جب سے ساقی چل بسا سب وہ زل
خون دل پیتے ہیں بھر کر جام میں

لئے قیامت کیوں اٹھائے آئی ہو
 کام سے غافل ہوں میں کام مقرر
 آنے سے ناکامی رہا ناکام وہ
 سے اٹھا بقیہ قاتل امانہ نہ دیکھ
 یکشش ہے ہفت عینا دکی
 رات کو بیٹے تو دن کی سوچیں
 شکر ہے آغاز ہی میں ہو گیا۔
 زلف سے ابلجے جو آنکھوں سے بچے
 سچ کہا تم نے کہ آنحضرت فائدہ
 ہم تو بچنی میں کاٹیں ماری ریت
 شوق سے عینا د بھل آئے کی
 لئے تمنا وقت پر پہنچی اہل
 چور ظالم ہیں بڑے آرام میں
 سب لگے ہیں اپنے اپنے کام میں
 امانہ والا ہم نے جس کے کام میں
 دیکھو کیوں کرتے ہیں اپنے کام میں
 شوق سے آتی ہے بھل آدم میں
 صبح کو اٹھے تو شکر شام میں
 مجھ پر جو ہوئے کو تھا انجام میں
 چوڑے تھیں سے تو پہنچی دم میں
 کیوں پڑے کوئی کسی کے کام میں
 طالع خستہ رہے آرام میں
 رکھ دے کچھ کلیاں چپا کر دم میں
 نقد جانیدو اسے انعام میں

ہو تمنا ہی کی ہر حسرت کا غون

اس قدر غمغصی قس قس عام میں

سیرۃ الباس - مولوی حکیم سید فرید احمد صاحب بھیکم پور علیگڑھ نے اس کتاب
 میں سیدنا حضرت عباس کی پاک زندگی کے حالات روزِ ولادت سے
 تا دمِ واپسین نہایت خوبی اور قابلیت سے قلمبند کئے ہیں اور ہمیں اس
 ہے کہ ناظرین تمدن مولوی صاحب کی محنت کی داد دیکر حوصلہ افزائی
 فرمائیں گے۔

قیمت ایک روپیہ

سوسائٹی کی اندرونی حالت

ہماری محترم ہیں سنہرے خلیقی صاحبہ ان چند ہمنوین سے ہیں جنکے دلوں میں ہمنوئی سچی محبت قدرت نے کوٹ کوٹ کر بہری ہے۔ اور جو اپنے وقت کا بیشتر حصہ ہمنوئی اصلاح و فلاح میں صرف کرتی ہیں ذیل کا مضمون جس میں ایک نصیب لڑکی کا سچا واقعہ ہمارے واسطے ایک سبق ہے۔

قسمت کیا ہر چیز کو قسم ازل نے اوسکو دیا وہ جس کے جو قابل نظر آیا بلبل کو دیا ناز، تو پروانے کو جلا غم سکودیا، سب کے جو شکل نظر آیا

صنفِ لطیف، یا طبقہٴ اناث پر سوسائٹی کے عالمِ ذکور اور اُن کی عام حالت نے جس جفا و ظلم کے برتاؤ کو روا کر رکھا ہے وہ اس طبقے کے درد مند دلوں سے

پرشیدہ نہیں؛ پڑاؤں سے درگداز اپنوں سے جو صوری و معنوی ستم و جور و

زعمِ اصلاح حالت، اور اچانکے ناموس، سرزد ہو رہی ہیں قابلِ غور ہیں!!

طبقہٴ نسوان میں تہذیبِ تمدن کی خسرانی! تعلقاتِ ازدواج میں برہمی

کی کیرٹھ اور تعلیم کی کمی!!!، یہ موٹے موٹے سپیشل سیکٹ میں جس پر آج قوم بہر

کے مسئلہ دماغ غور و خوض، اور مضمون نگاری فرما رہی ہے، اور اس مسئلہ اہمنوین

مضمون پر اس کثرت سے اظہارِ آرا ہو رہا ہے۔ کہ ملکی و قومی رسائل کے صفحہ

دراں بھارہ من تگ است، و گلِ حُسن تو بسیار است، کے گلہ گزار ہیں! یہ سب کچھ

سہی لیکن خدا لگتی فرمایا، اپنے سے ممکنِ عمل، اور اپنے خود ساختہ ذرائع

ترقی طبقہٴ اناث کو اپنے قوم کے لیے ممکنِ عمل بنانے کی ہے؟

تعلقاتِ زوجین کی سبب گشیدگی، اوس اس کے اسباب برہمی کی کٹھ اور تریک

دکٹر غلام نیک بختی سے غور فرمایا؟ اور شرع عین کے اس پرانے
اور بوسیدہ ناقابل ضرورت، انتخاب زوج کا عہد خورست کو اس روشن
اور تہذیب و تمدن کے مرقع، ایسے زمانہ میں ضروری محسوس کیا؟

جی، اور صرف گہرا سی کے بیچ، ۱۰۰۰ وودو گوشت منگوانے کے وودو گوشت
والے کو رسید، وہوں کو سیلے کپڑے ڈھلنے کو دیکر لکھنے کی قابلیت سے
سوا بھی اپنے ہمارے لیے لکھنا، پڑھنا ضروری تصور فرمایا؟

آہ بڑی بڑی انجنوں، اور قومی کانفرنسوں میں دس دس بارہ بارہ
ہزار کے مجمع میں قلمی ریزولوشن بڑے زور شور سے پاس ہوں مگر تاشا
ہے کہ جو چیز عالم انسانیت کے ایک طبقہ کے لیے مفید سمجھی جاوے وہی دوسرے
حصے کے لیے خطرناک تصور کیجاوے!

ملک ملت کے موافقوں، اور تہذیب النصار کے مخصوص حامیوں! ہمارے
تمنا شکلات، اور روادسی کے جائز استحقاق میں دودو،!۔

عصمتی بنو املا، ارشد الغیری کے دم کو غنیمت سمجھ کر بھیت، تمدن کو چکر
مسنوں میں اپنا صحیح آرگن ثابت کرو، میں محسوس کرتی ہوں کہ ہمارے مصنامین
کی مفہومی رد بدل جانی چاہیئے تخیلات، اور معنی آفرین مضمون نگاریوں کو چھوڑ کر
اپنے گہرائوں، اور بکنے کی جذباتیوں، اور طبع و ذکور کے افسانہ جاسز تمدنی
و شرعی حقوق کے خلاف سلوک و رجوع کے صحیح نقشہ کینچیں جائیں! ہمارے ہماری
حالت، کس پر سی حالت پر بے لوث آئیں، آنسو ہائیں!

شفقت مآب مولائے مروج کی گونا گوں محبتیں حیرت آمیز ہوتیں
جو یہ چند سطوح پر بیان میں آئیں اگر یہ ہم کچھ دیتے ہیں ہمارا یہ شریع
ہونیوالا مضمون اہل حق و ایمان اور روایات مستندہ پر مبنی ہے، ہماری گوش

رہے گی انشاء اللہ ہم ہمیشہ سوانحی کے صحیح حالات کے مرقع جب تک ممکن ہو
پیش کرتے رہیں۔ ہمارے مدن ہماری صحیح اور سچی آواز بھیجے جائے، اور اس
لامنی تہید کی معافی!

(۱)

دیوانِ حسانہ

حسنت مرزا، اک خانہ الی شریف اور حسنہ زین شہر میں سے اک رکن خاص
سمجھے جاتے تھے اپنی ذاتی شرافت اور خوش مذاقی کے لحاظ سے وہ ہمیشہ
اہل علم اصحاب، اور ان کی صحبتوں میں شریک ہوتے رہتے تھے! ان کی
زندگی سادہ، اور پرانی وضع کی ملنیک معاشرت کا نمونہ تھی، ان کا شغل
اور ذریعہ معاش کچھ ورثہ پدوسی! کرایہ بستہ زمین صد ماہوار اور اپنی تصنیفات
و التالیفات کے اشاعت سے کچھ اور آمدنی ملا جلا کر نکھو اور ان کی نیک بی بی
نجم النساء نیز ایک لڑکا صغیر ایک بیوہ لڑکی اور ایک بچی حبیبہ کی فراغت
و خوشحالی کی گزران کو کافی تھا!

۱۳۵۷ھ کے وسطی مہینوں میں ایک روز شب کو فوج گرا اور چہرہ و
ایک طرف سے پہلے مردہ بنا کر کام تمام کر گیا، شریف تازہ مبتلائے
مصیبت بیوہ نجم النساء بچہ کے متعلقین میں دو ہیال میں اور زنیبال
میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس وقت کام آسکتا ہے، کرایہ کی تکمیل، صغیر
جن کی عمر ہی بہت سے بہت بارہ برس کی ہوگی، تعلیم و تربیت فوجوان بیوہ
لڑکی اس کا ایک خور سال بچہ اس کی سنبھال، ۱۰ سال کی حبیبہ ان تمام
تمام ذمہ داریوں کا انصرام ایک عورت ذات کے لیے بہت کچھ غیر ممکن ہے!

وہ تو نہ اہلکار نہ نشی احمد علی صاحب: صفدر نے سرکار جنوں نے ناندانی
رکاوٹوں اور بیجا آن، تان کی پردہ نہ کر کے ایسے کچھ لٹے میں صفدر پر
دست شفقت اور اس کی ماں بہنوں کی خدمت کا بوجھ عند اللہ اپنے ذمہ
لیا، اتفاقات کو دیکھتے

کھٹوم النساء بیگم، نشی احمد علی کی ہمشیرہ خور و جو حبشہ امام علی آدنی حیدر آباد کو
کی بیوی ہیں، خاندان کی اچانک وفات سے مدد اپنی ایک نرلی فخرہ خاتون
اور ایک بچہ آفتاب علی کو بیکر بھائی کے ہاں لگائیں ہیں، خور و سال بہانچے
آفتاب کی جکی عمر ۱۳ سال کی ہوگی تعلیم و تربیت ہی ماموں کے ہی ذمہ سپرد
ہوئی، نشی صاحب نے حشمت میرزا کا اپنے مکان کے غوبی
دیوان بنائے ہیں، اپنے خواہنزاوہ آفتاب، اور اپنے داماد صفدر کی تعلیم
کا کافی بندوبست کر دیا ہے، یہ دو سندر خاندان کے چار نوجوان بہنیں تعلیم
حاصل کر رہے ہیں، نشی احمد علی کے تعلقات، صفدر کی نگرانی، اور قریب تر
پیدا ہو جانے والے خاندانی رشتہ داروں کی وجہ سے ان کا ششمہ مرزا کے
گھر میں آنا جانا تھا اور ان سے اندر کوئی پردہ ہی نہیں کرتا تھا!

اسی طرح آفتاب اور صفدر کی بچائی، اور آفتاب کے بیٹے احمد علی کی طہر
حشمت مرزا کے ہاں اندر جانے آنے کی سبب ہوئی، آفتاب کی خوبصورتی
اور عذلانہ شوخی، وراثت طبعی زائد تر سبب ہوئے کہ صفدر کی بڑی بیوی
نے آفتاب کو خاندان میں باقاعدہ اپنا بھائی بنا لیا، اور اب ازدیاد محبت و
مراہم کے لیے ایسا ہونے لگا کہ آفتاب جمعرات کی شب جمعہ کے دن تبرکہ
صفدر کے گھر رہا کرتا،
اب جہاں سے کہ ہمارا قیام شروع ہوتا ہے ۱۳۲۷ء میں، جمعرات کی

شام صفر کا مہینا ہے موسم اچھا خاصا خشک اور سرد ہے ابتدائی تاریخوں کی وجہ سے اور کچھ گہرے بادلوں کا ہجوم کو فضا نے خلک پیسہ پوش ہے اور فیصلے متباب برودت زمہریسے متاثر ہو کر لکے بریں رو پوش ہو گئی ہے اسی دیوان خانے میں تقریباً ہجے شے ہمارے دونوں نوجوان آفتابا صفر شغریل مصفاہیں اور دونوں کی عمریں ۲۰-۱۹ کے درمیان میں حیات بلوغ تک پہنچنی والی انجمن کی ادائیں گودا دینہ تھیں، اگر شہاب کے آغاز کے انداز بھی عجیب دکھتے ہیں، صفر گوبیڈ دل ہے مگر جسم کی گدازی نے اس پیاری جاسست سے جو قدرت نے خوبصورت آفتاب کو بخشی ہے بہت دور رکھا ہے! خدا وخال ہرگز وخوا، گفتار روز قاریں ہی تین فرق ہے! خنقرہ کہ صفر کو کتر اور آفتاب کو بیشیر خدا نے خوبصورتیوں کا مالک بنادیا ہے! اک سکون نام کو صفر کے خطاب نے توڑا اور اس میں بس سلسلہ کلام شروع ہوا۔

صفر بہائی آفتاب آج کیا دن ہے! جمعرات، ... آج تو بہائی میں ہوگا آفتاب۔ ہاں بہائی جمعرات ہے ہیں رہوں گا۔ مگر بہائی ہمارے تھا ہے امتحان کے دن جوں جوں قریب آتے جاتے ہیں، اک ہم سا چرتا مانا، صفر بہائی چہ کہتے ہو، مگر بھائی! تمہیں کیا نعم تمہاری ذہانت، محنت، کیا کم ہو اور پھر یہ کہ امتحان پرائیوٹی ہے،

آفتاب۔ صفر ڈل ٹوٹ کے انٹرنس رہا۔ اور طرز یہ کہ نصاب بہت سخت ہو گیا ہے، اور پرائیوٹ کی نہ کہو، ہم رعایت نہیں چاہتے اور نہ چاہنا چاہیے خدا ہمیں اور تمہیں کامیاب کرے!

صفر بہائی آفتاب تم اچھے تمہارا بہت سا کام جیبہ کر رہتی ہیں اور آج کل

تو تھیں وہ کام مغت داخل ہوتا ہے، کیونکہ پڑھائی کی تھیں فرصت نہیں
آفتاب صغدر یہ بھی کوئی کام ہے جو کاپیاں حسب نلوں سے مزین کر کے
ملا دی جاسے اور مغت کی جو کہ تو میں انوار سیلی کے ہیں، ورنہ اب
بھی بیٹے جاتا ہوں ا۔ اور پر جیسے تو مجھے میری ہر قسم کی خدمت کی حق داکر
صدر "خیر بھائی اب ۱۰ بجے ہیں، چلو اندر چلو کھانا کھائیں اور آج عطا اب
ختم کر دو۔ جیسے نہیں کھل بھارے نہ آنے کی وجہ سے آج بہت یاد
کر رہی تیں، چلو یہ کہتے ہوئے دونوں مکان کے اندر دنی جھسے میں
داخل ہو جاتے ہیں،

(۲)

منشی احمد علی کامران

صغدر کی خوش دامن راہ بیگم جو ایک پستہ قامت، چہرے سے بدن
کی ہنٹ میں پچاس مرتبہ گردش کرنے والی آنکھ کی، شریف گہرائی کی عورت
میں آج طبعا کسی گہرے خیال میں کسی نئے منصوبے کی بخت و زہر میں مصروف
ہیں گاہے گاہے ادھر اُدھر دیکھنے سے مغموم مگر تجسس نگاہیں عجیب یعنی
اور رازوں، اور بیدوں سے پُرا دانیں پیدا کر رہی ہیں؛

۸ بجے، صبح سویرے نماز پڑھنے گئے منشی صاحب تشریف لائے
تو بیگم صاحبہ انہیں اور کہا کہاں گئے تھے، بی بی کو مغموم و متفکر
دیکھ منشی صاحب۔ کہو خیریت ہے مغموم کیوں ہو؟

بیگم۔ ابھی اب نصیب، مختاری نسیم (منشی صاحب کی بڑی بیٹی) کے بچے
اطہیر کی علالت کی خبر لائی، چار روز ہوئے میری رضیہ اپنے بیان

صفدر دولہا کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ تنہائی اور پسران کی گرمی پاک سے پلک نہیں جھپکی۔ غم تو نہیں مگر دل پریشان ہے۔ اب تم فوراً شبیہ کے بچے کی خیر صلہ دیتے جانا اور میری رضیہ کو بھی (ساتھ مہینہ تجھے صفدر کے ساتھ منشی جی کی لڑکی رضیہ کی شادی ہو چکی ہے۔) آج بلاؤ جواب! مجھے کل شام کو طبیعت کے والد ملے تھے تو کہا تھا کہ ذرا اس کو گرمی کیوجہ نزلہ اور حرارت ہو جاتی ہے کچھ دینیں۔ رضیہ کو آج صبح بات ہے کہلا بھیجو کہ کل جمعہ ہے مسجد نیا پریشان ہونی کی کیا بات ہے بیگم۔ مجھے تمہاری بعض باتیں بہت ناگوار گذرتی ہیں دنیا زمانہ میں کہیں بھی دستور ہے کہ ساڑھے چھ مہینے کی بیاہی چلی پانچ پانچ روز سسرال رہے اور پھر اس کا باپ کہے ابھی نہ بلاؤ واہ واہ۔ جواب۔ ہاں صاحب بٹیک زمانہ ترقی کر رہا ہے۔ تمہارے گرد و کی آزادی اور حقوق کے ہی خواہ اور حامی بہت سے پیدا ہو گئے ہیں اب تہذیب جدیدی سکھائے گی کہ خاوند کے افعال خواہ وہ اپنی نوعیت میں صحیح ہوں یا غلط اچھے ہوں خواہ برے۔ مگر بی بی کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ دخل سے یا اپنی مرضی اور ناراضگی کا اوپر علائقہ اور برابر اظہار کرے، اسنو رضیہ کو اس کے گھر چوڑا پناہ نسبت اس کے یہاں رکھنے کے زیادہ بہتر ہے، یہاں بی بی اگر خوش رہیں تو ان کی آئندہ زندگی گفت و حرکت بہری بسر ہوگی، ہیں کوئی ضرورت نہیں جو اس میں دخل دیں اور خلل ڈالیں!

کل جب میں صفدر کے ہاں بفرض سمجھانے حساب تحصیل کرا رہا تھا تو ثنائیوں میں کنایتہ کہا تھا کہ تم کب آؤ گی، تو میں نے دیکھا اور پھر اس کے

خاوند کی ایک معنی خیز نگاہ، پیغامِ رساں، فطرسِ پُرسا، اُداسِ مطلب اُسی نے سمجھا ہوگا، گویا تجھے صرف اُس کی نظروں نے اور زبانِ حال نے جواب دیا کہ خاوند کی مرضی نہیں، اہس نے مجھے دیکھ کر خاوند کو دیکھا اور گردن جھکا کے چپک گئی۔ رضیہ کی ماں ہم تم پرورش کر چکے، اب ہماری سچی خوشی بس یہی ہے کہ دنیا میں خوش و خرم، اور باہمی انس و محبت کی زندگی بسر کریں، اربا جمعہ کو جو بلائے کو کہا تو اُس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ایک دن اور بڑھادوں، انہیں آج جمعرات ہے، شام کو آفتاب (دُشی جی کا بھانجہ) وہیں رہنے لگا رات کو سب اپنے خوش خوش رہیں گے اور رضیہ بھی بہائی سے مل لے گی، اگر آج بلا لیتیں تو آفتاب کتنا ماموں نے رضیہ کو ایک دن بد ہی بلایا ہوتا، تاکہ ہم بھی مل لیتے!»

بیگم! آپ ناراض نہ ہوں، بربیل دایت میرے منہ سے نکل گیا کہ مجھے ناگوار ہے خیر مگر میں تم سے ایک بات کہنی چاہتی ہوں ذرا غور سے سنئے گا، ہماری رضیہ کی جیسا دمی ہوئی اور عمار اسی میں بہتے مہمان اپنے اور پر اسے آئے، تو اکثر عورتوں کی زبان پر ہوتا کہ آفتاب اور حبیبہ اور اوس کی بڑی بہن کے تعلقات کے ذکر کرتے کہنے کی محبتیں، دنیا میں ہوا کرتی ہیں مگر ایسے چو پچھلے، اور چاؤ نہیں سُنئے، مہر سلطان جو انہیں کے محلے میں میری خالہ ہیں کہی جہیں، بُوا چودہویں صدی، نیکی کم، زیادہ بدی، اجو ہو تو ہڑا ہے!

سُٹا آفتاب دن دن سہرے گھر رہتے ہیں، ارمونیم بچ رہا ہے گانا گاتا ہے، جمیعہ باشار اللہ خامی سیانی ہے، اگر آفتاب کے پاس سے شس سے سس نہیں ہوتی، بہن اور بہائی کہنے کو زبان پر خطاب ہے۔ ورنہ خامی

لیلیٰ قمیس کا مضمون ہے؛ یہ دیکھا شام کو سیر کو چلے قیص صاف شفاف
 ڈوبی، استری ہوئی ہوائی پٹنی، پٹہ اکرا۔ بند گلے میں بند مادہ ہی آفتاب
 کے ہاتھ سے نہیں بلکہ جیبہ سلیم کٹہری ٹپن لگا رہی ہیں اسٹار سے فرغت
 سد بارے اور اب جیبہ ہیں آن کی غیر ختمی ہیں ایک اُن کی ہی سامان
 کی دستی میں مصروف ہیں، باقی کام کچھ نہیں، اور کچھ نہیں تو دونوں بیٹے
 ہیں برائے بودن کتاب آگے دھری ہے اور باتیں ہو رہی ہیں،
 الغرض خانہ نے ایسی ایسی باتیں کیں جو سننے کے قابل نہیں
 اٹا اسد آفتاب ہی ہوٹا رہ گیا ہے، اسد رکھے شادی ہوگی تھاری بہن
 اس رشتہ میں تم سے شورہ کریں گی، درستی میں یہ بھی آ رہا ہے کہ آفتاب
 اور جیبہ کی سنگنی ہو جائے گی پیغام سلام شروع ہو گئے ہیں
 فشی احمد علی! لا حول ولا تم بھی کیا آدمی ہو۔ ساری داستان جوئی مگر لغوا
 اور مہل۔ رضیہ کی ماں! اجیبہ اور آفتاب اس ستر شریف طبیعت کے
 بچے ہیں کہ سبحان اللہ! میں نے آج تک ادن کو آپس میں خلا ملا اور
 بے تکلف نہیں دیکھا، سوائے جیبہ کو ادب بھائی کہتے، اور اسکو
 پیار سے بہن کہتے میں نے کچھ نہیں سنا! تم ہرگز ایسی باتیں مجھے
 سن سنا یا کرو۔ صدمہ ہوتا ہے، زمانہ کارنگ برا ہے جب ہم تم ایسی
 باتوں پر نہ دھریں گے تو زمانہ کو تم ہوگا کہ ایس از غالی علت نیست
 رہا آفتاب کی شادی کا سلسلہ ابی زیر غوبہ ہی نہیں؛ تجویز تو کجا اماں اگر جیبہ
 سے آفتاب کی شادی ہو ہی جائے تو جوڑ محمد ہے، خیر اب اس ذکر
 چھوڑو، ناشتہ لاؤ!
 باقی آئندہ

انتہائے حمیت

گزشتہ سے پیوستہ

ہم تمہید میں کس راز پر بحث کر چکے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ ہم کو مولانا کے ان افعال پر مطلق اعتراض نہیں مسلمان مشہور و مقبول نکاح سنت رسول تھا کیا تو اچھا کیا محبت جو ہر انسانیت تہی جسنی بھی کی خوب کی بہت خوب کی جاؤ بیجا سے ہمیں بحث نہیں۔ ہمیں صرف ان واقعات سے تعلق ہے جن کا اثر بالواسطہ یا بلاواسطہ یوسفی اور صادقہ پر پڑا اس نکاح یا نتیجہ نکاح سے بچیوں سے کیا واسطہ ان کے عاشق زار ما اور بابا دونو موجود تھے ایک دادا کی محبت نہ رہی تو نہ سہی جان چھڑکنے والی ماجری کے کی اتنی بھری پرسی کہ ساس اور سرے دونوں کو مول لیکر چوڑو سے زندہ اور آنکھیں بچھانے والا باب جو باپ اور سوتیلی ما دونوں سے کیا باعتبار شروت اور کیا بلحاظ عزت افضل و اعلیٰ موجود۔ مولانا ایک چوڑو بچیس نکاح کریں نہ نئی سیج سجانیں اور صبح شام دہنیں لائیں صادقہ اور یوسفی دونوں کی بلا سے مگر مائی مری نے بچیوں کی مکر توڑ دی اور پانچ سات برس کی دونو معصوم بچیاں چشم زدن میں بے مائی ہو گئیں اس موقع پر باب کی محبت کا اعتراف نہ کرنا صاف بے ایمانی ہے وہ پہلے اگر باب تھا تو اب باپ اور ما دونوں مائی بچیوں کو آٹھ آٹھ اور کس و سنا نوکر ہوتے ساتھی اپنے ہاتھ سے نہلاتا۔ کھلاتا اور پھناتا ان بر نصیبوں کا بھی اگر اب لے دے کر کوئی سہا رہا تو باب عاشق زار دادی اور جیتے

جس گھنٹے دادا کو کوہ کر ایک باپ یا ماہتا جسکی ناز برداری اُسوقت سے اور
 آجنگ بنیطیر ہے گزرا نہ نے پر رنگ بدلا اور ایک چہ ہی عینہ کے اندر اندر بن
 ماکي بچوں سے باپ ہی ہمیشہ کو چوٹ گیا اور دادا کے گھر کے سارا کوئی اتنا
 سہارا بھی نہ رہا جہاں بٹھیکر صبح کو شام اور ریت کر سات کو تیر کر دیں۔ پوچی اور
 خالا چچا اور مامو موجود سب تھے سگڑ کس کی بکری اور کون ڈاٹے دانگھانس
 کسکو ڈپڑی تھی کہ باپ بگاڑتا اور بچوں کے سر پر ہاتھ رکھتا +

(۳)

مولانا کی چھٹی سلیم کی سرکار تو کبھی کی بن چکی تھی کنبہ بہر میں کسی کی مجال نہ تھی کہ
 طیر ہی آنکھ سے دیکھ لے نندیں کیا اور دیواریاں کیا سب پاؤں کی خاک تھیں۔
 پٹے پر شوہر گروہ میں روپیہ ڈرے اس کی جوتی دبے اسکا صدقہ۔ جب قدرت
 کے زبردست ہاتھ نے ان دونوں مصیبت کی سچی تصویر دکھو بے وال وارٹ کر دیا
 تو بچیاں چالیس ہزار روپیہ کی جائداد پانچزار روپیہ کے زیور کی مالک تھیں
 اور دس ہزار کا حصہ ترکہ پدری کا اس جائداد میں تھا۔ جو دادا کے نام اور
 دھوی کے قبضہ میں تھی۔ ننھیال اور دھیال کا خاتمہ تو کبھی کا ہو چکا تھا صرف
 ایک دادا کا دم باقی تھا آدمی کے قریب رات گزرتی تھی کہ مرنے والے
 باپ کے بستر مرگ پر باپ کو بلایا دونوں بچیوں کو سپرد کیا اور جاں بحق تسلیم کی۔
 پہلوں تک بچیاں اپنی مجلس را میں رہیں مگر چوتھے روز صبح کا سہانا وقت
 تھا کہ یوسفی اور صادقہ دادا کے گھر میں داخل ہوئیں آسمان وزمین ان بھولی
 بھولی صورتوں کی بیکسی پر آنسو بہا رہے تھے مولانا یوسف کے مکان کا
 چہ چپان کی غیبت پر رورہا تھا۔ پندرہ روز گزرے ہوں گے کہ ماہیں موت
 کی گھنٹیں اور جو بچیاں باپ کے گلے میں بائیں ٹال کر سوتی تھیں پٹ پٹا کر

ایک جگہ پڑ جاتیں۔ مولانا یوسف کو مٹے مٹے حروف میں لکھی کہانی دے رہی تھی مگر بجائے اس کے کہ کینٹ تو بہت ستخار کرتا ظالم بے ایمانی پر آمادہ ہو گیا اور تمام جائیداد جس میں قیم بچیاں جمع تھیں بیوی کے نام لکھ دی جس سے ان دونوں میاں بیوی نے ملکر معصوم لڑکیوں پر کیا اور جیسے جیسے ظلم توڑے ان کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے جن بچیوں کا تین سو سے اوپر نقد کرایہ آئے وہ معصوم و مظلوم بچا بچا یا لکڑا بیٹ میں ڈال لیں اور خشک بیگم بیگم کہنے لگے ایک دو نہیں بیسیوں موجود ہوتے وہ وادہی کو سرکار حساب کہہ کر پچا ریں کلیجہ پٹھنے والا وقت وہ تھا۔ جب ان بے وارثیوں کا زیور توڑ شقی ازلی دادا نے بیوی کی مالانوائی سے رشتے کی پہر پی اور حقیقی خاں سب ہی موجود تھے۔ مگر کسی نے اتنا تک نہ ٹوکا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیا کر رہے ہو پورا ایک سال اس طرح گزرا کہ وہ دونوں بچیوں نے ٹکڑے کھائے اور جیسے تھڑے پہنے سینکڑوں سروسیریز انگوڑا بنا۔ منوں خسرو پوزے آئے اور حسرت نصیب بچیاں دادا وادہی کا منہ دیکھ کر جھپک جھپک باتیں۔ چوٹی ناچھ بٹی ضد کرتی اور بیٹی۔

(۴)

برسات کے موسم میں جب یوسفی قافلہ بلیغ حیات آباد میں جھولا جھولنے لگا ہے اس روز کے واقعات کیجیو دھار ہے ہیں۔ صبح کا وقت تھا مولانا اور بیگم بارہ دری میں تھے۔ ایک ماما پان بنا رہی تھی یوسفی کو کڑھائی تفتے کا مکھ دیا گیا آٹھ برس کی جان جس نے کبھی طشتری تک نہ دھولی تھی کڑھائی نہ چو لہا جھونکنے بیٹھ آسان پر کٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا بادل زور شور سے کڑک رہا تھا اور بجلی کی چمک آنکھوں میں گہسی جاتی تھی اس وقت یوسفی کو

مری ہوئی وہ مایہ د آئی جو بادل کے نام سے تھرا اٹھتی تھی ادھر کو دک ہوئی اور
 ادھر وہ مرغی کہیں دو نو بچوں کو کھجے سے لگا کر وہ میں دیکھی ماکا خیال آئے ہی
 پریسب بچی کے آنکھ میں آنسو آگئے کو دک کی آواز سن کر جان نکلی جاتی تھی
 مگر اتنی ہمت نہ تھی کہ کڑا لانی کے پاس سے اٹھ جائے دفعتاً بادل اس زور
 سے گر جا کر سننے والوں کے اوسان جاتے رہے ماما جی بھاگ کر بارہ دری
 میں جا چھپی۔ مات کی ماری ما اور کھجے سے لگا کر سنا ہوا باپ زندہ تو دیکھتے
 کہ آنکھوں کا مارا یوسفی اس قیامت خیز کھوکھ اور چمک میں جاسن کے دخت
 کے نیچے بیٹھی ٹیکن کھڑی ہے بادل کو گرجے مثل سے ہڑٹ ہوئے ہونگے
 کہ کھلی چکی اور چمک کہ اس پریسب بچی پر گری جاسن کے دخت نے یوسفی کے
 باپ کا حق نمک ادا کیا اور بھلی کوا اپنے سر پر لیکر خاک سیاہ ہو گیا تاہم
 دخت کا ایک ٹہنہ ایسا اگر گرا کہ پریسب ابو لہان ہو گئی کامل تیس منٹ تک
 یہ بچی بیہوش پڑی رہی اور تقدس تاب مولانا کو پوتی کا دھیان تک نہ آیا
 مینہ دھانیں دھانیں پڑ رہا تھا کہ صادق بہن کو دیکھ کر بتایا نہ دوڑی جینی
 کی قب میں شامی کباب رکھتے تھے تھوکر لگی اور گر پڑی۔ قب چور ہوئی
 کباب لت پت ابھری کرنے والا نہ اب کوئی تھا اور نہ بچیوں ہی کو اب کسی
 سے توقع تھی قب کے ٹوٹنے سے بھی اپنی چٹا اور بہن کی بیہوشی سب
 بھول گئی دادی جان کی قبر کو نظر کا پڑنا تھا کہ صادق ہم گئی جانتی تھی کہ قیامت
 ٹوٹنے لگ آفت آئے گی بچوں کی کٹوں گی اور سینکڑوں کو سننے اور نصیحتیں
 سنوں گی۔

مولانا نے محترم گاہک پر سر رکھے بیٹھے تھے اور صادق نے ہنسنے
 ماتہ جوڑے دادی کے آگے کھڑی اس طرح کہہ ہی تھی۔

”سرکار صاحب آپ کو اٹھانے جا رہی تھی“

(۵۵)

متواتر مصائب اور پیہم تکالیف نے سب سے بڑے کلیمہ توڑ دیے اور سال ہی بھر کے اندر وہ نو پنجیاں مردوں کی سی صورت ہوئیں جس گھر میں ہر وقت دس پندرہ سیر دودھ چھلے چسپٹرھا رہتا اس گھر کی بلیں ٹھہری ٹھہری لڑکوں ترسیں لڑکوں کے جاڑوں میں دن بھر دادا جان کے لال کو بھلاتیں اور رات کو پٹی سی رضائی میں دو سو کڑا کر پڑتیں آئندہ برس کی جان جیٹھ بیاہ کی گزری میں پانچ پانچ سیر تانچا کڑا اٹھی اور آت نہ توتی۔

جس دزدہ لانا دیوسف نے بچیوں کی جائیداد بچکر روپیہ اپنے نام سے بنیک میں داخل کیا ہے اس روز شام کے وقت دونوں بنیں اسس محلہ کو دیکھنے گئیں جس میں پیہا ہوتیں کیلیں کو دیں اور پلیں بڑھیں محلہ کے چہ چہ اور کونے کونے پر دست بہری نظر ڈالی اور ایک ایک دیوار کونے سے مل کر خیمت ہویں چان کے اوپر کاغذوں کی ایک گدھی ملی کہو لا تو اس میں یہ فسطحکلا:-

”بیگم۔ ڈپٹی کلکٹری کا امتحان کھیکو تو وبال جان ہو گیا بیٹھیاں ہو
دسیان بچیوں میں پڑا ہے پانچ روز پانچ سال ہو گئے صبح او
شام دونوں وقت تار سے خیر دعایت معلوم ہو جاتی ہے گردل
کا کیا علاج کروں کہ دم نہ کو چین نہیں بیگم تم میری بچیوں کو بزنس
بڑی طرح گھرک دیتی ہو یہ تو عتلا منہ دیکھ کر چپ ہو جاتی ہیں
مگر میرا کلیمہ کٹنے لگتا ہے خدا کے واسطے میرے پیچھے میری
بچیوں کا دل ہاتھ میں رکھنا بیگم یہ تم سے لاؤ ذکر میں تو کس سے

کریں یہ بچیاں نہیں کلیجہ کے ٹکڑے میں میری التجا قبول کرنا اور
بچیوں کا دل میلانا کرنا،

اس خط کو پڑھ کر بڑی کی آنکھوں میں باپ اور ماکی تصویر پھر گئی خط کو
بوسہ دیا چوٹی کو سنا یا اور ایک چنچ مار کر دونوں پٹ گئیں گنہٹہ بترک پوٹ
پھوٹ کر دوئیں رو دو ہو چکیں تو مجلس کو الوداع کہتی ہوئی خست ہوئیں بڑی
گو بچہ تھی مگر چوٹی سے پتر سمجھ دار تھی ضبط کیا مگر چوٹی بائیں برس کی جان
مجلس سے ایسا دلع لیکر چلی جس نے ننھا سا کلیجہ ٹھون دیا۔ برس بھر کا چوٹا
ہوا باپ جس کے سینہ پر ٹوٹتی تھی یاد آگیا اور ایسا یاد آیا کہ پھر نہ بٹولا۔
روتی ہوئی آنی بلکتی ہوئی لیٹی اور بچکیاں لیتی ہوئی سو گئی آدمی کے قریب
رات گزری ہوگی کہ اس نے آبا تبا کہہ کر ایک چنچ ماری اور بیہوش ہو گئی
کامل سات روز تک یہی کیفیت رہی کہ ہوش آ جاتا تو دو چار چنچیں آبا تبا
کہہ کر مارتی اور پتر آنکھیں بند کر لیتی چوتھے روز رات کے وقت اس کی چارپائی
مولانا سے معترم نے ایک اکیلے گھر میں بچوادی تاکہ انکی نیند میں خلل نہ پڑے
اس شام کو یوسفی بھی اس شدت کے بجا میں گرفتار ہوئی کہ ہاتھ نہ رکھا جاتا تھا
سب سو گئے تو گرتی پڑتی بہن کے پاس پونہچی لپٹ کر پیا کیا اور بہن کی نصیبی
پر روتی ہوئی لیٹ کر سو گئی۔

یہ مکان جس میں صادق اپنے آخری سانس لے رہی تھی اس کے باپ کا
اصبل تھا اور وہ بھی جو باپ کی پیاری لاج دلاری تھی جس کو بیگم بیگم کہتے
لوگوں کا منہ خشک ہوتا تھا ایسی حالت میں کہ ٹی کا چہرہ غمگین نصیب
نہ تھا دم توڑ رہی تھی پچھلا پتر تھا مرغ ازاں دے رہے تھے کہ یوسفی
نے ماکو خواب میں دیکھا کہ وہ شانہ پکڑ کر ہلا رہی ہے اور کہتی ہے یوسفی بیگم

سوئے کے واسطے تادم عمر ٹپچی ہے پاؤں پہلا کر سولینا یہ وقت سونے کا نہیں
 ہے صادقہ تم سے رخصت ہوتی ہے لویہ عن لو او۔ میری بچی کو دولہن بنا کر
 میرے حوالے کر دو۔ تمہارے دادا جان نے جیسی میری بچی کی مٹی پیدا کی خدا
 دشمن کی نہ کرے زیور اور جامد اور سدا رہنے والے نہیں انہوں نے مصو
 کا گلا کاٹا اور بن باپ کی بچیوں کو جو سچ جی کی بیگمیں تیں لونڈیوں سے بڑی بنا
 یوسفی بیگم تمہارے دادا جان اس فانی دنیا میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔
 آن پونچا ہے وہ وقت کہ بے وارثی بچیوں کا حقیقی وارث ان کا فیصلہ کرے
 مگر یوسفی بیگم تم اپنی شرافت کو ہاتھ سے نہ دنیا بھوکے رہنا اور نگلی رہنا کہ حرف شکا
 زبان پر نہ لانا۔

آہ پیاری یوسف میری بچی صادقہ اسی لائق تھی کہ دم واپس اس کے
 سینہ میں ہو باپ کی صورت کو پڑک رہی ہو اور اس کا مردہ اندھیرے گپ
 میں چنکو اویا جائے اگر تمہارے پاس پانی ہو تو دو قطرے اس کے طلق
 میں چٹکا دو کہ میری بچی جان کننی کی تکلیف سے رہائی پائے۔

ماکی صورت کا نظر آنا تھا کہ یوسفی آتا انا کہتی بتیاب ہو کر دوڑی دروازہ
 کھلا ہوا تھا جوش محبت میں دیوانہ وار نکلے سرگلی میں آئی مگر کچھ نہ بتا مائیں
 ہو کر پٹی شکستہ نہ پانی تھا۔ بہن کے پاس آئی تو سانس اوکڑ چکا تھا منہ پر منہ
 رکھ دیا مژدوں اذان دے رہا تھا کہ بد نصیب صادقہ کی روح بہن کی گود میں
 پرواز کر گئی۔

راشد انجیری

غزل

بے ثبات اس قدر زمانہ ہے
 غمزدوں کا جو آستانہ ہے
 شامِ غم کا عجب فناء ہے
 ہاں بتا کیا صلح ہو اسی برق
 تو ہی کہ کام موت کا لے بیت
 ولس کیا صل و داغ حسرت کی
 نقش میں لہ پھوٹیں کیا کیا
 آپ کے در سے بھگو کیا نسبت
 تیرے تیر نظر سے کیا ہے عزیز
 بگتے جلتے تھے ہم سواخِ دل
 کون اس بزمِ ناز میں نہ جلے
 تم سے تہا ارتباط جس دل کو
 آپ تک ایسا مریض فراق
 پڑھ چکے ہم جواب نامہ شوق
 خوگر تیر ناز ہے یہ دل
 کیا کر گئی غصہ پہ بھیجی
 عنقریب تو غم کے ہیں و حرمت
 لے لے نظر مثل قطرہ باران
 آجکی بات کل فناء ہے
 مرکزِ گردشِ زمانہ ہے
 ہر لمحہ اک نیا زمانہ ہے
 قصیدِ تعمیرِ آشیانہ ہے -
 موت کو خوگر بہانہ ہے
 اک درم داخلِ زمانہ ہے
 لا جواب اک نگار خانہ ہے
 کششِ سنگِ آستانہ ہے
 میں نشانہ ہوں لٹاؤں ہے
 اب جو دیکھا تو اک فناء ہے
 شعلہ شمع تازیانہ ہے
 اب وہ بیگانہ زمانہ ہے
 روز و دو قدم روانہ ہے
 دفترِ حیلہ و بہانہ ہے
 جب سے پیدا ہوا نشانہ ہے
 اب ہمارا یہ آشیانہ ہے
 طول اگر دیکھے فناء ہے
 نڈر غیلِ ناپ و دانہ ہے

اصل قیمت (عمر رعایتی) علاوہ محصول۔ آخر گشت ۱۹۱۲ء تک محصول نشان

صاحبِ حید کے متعلق ایک نازاود و بیع

(از مولوی حکیم بشیر احمد خان صاحب ہلوی چیف میڈیکل آفیسر ریاست نوجاں)
 ناول مول جیب بذریعہ دی پری۔ وصول ہوا۔ خدا معلوم آپ کی تحریر میں کیا کشش مقناطیسی
 کہ باوجود عدم علم نسبتی بغیر ستم کیے چھوڑنے کو دل گوارا نہیں کرتا۔ برخلات تمام
 ممالکوں کے آپ کا رنگ مخصوص ہے اور یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ آج کل علاوہ
 مشاغل دربار۔ تنظیمات طاعون میں سخت تنہک ہوں۔ اور ایک لمحہ کی بھی فرصت
 نہیں۔ مگر آپ کے مصنفہ ناول کے واسطے دو راتوں کی پیاری نیند کو قربان
 ہی کرنا پڑا۔ علاوہ میسر جس شخص نے دیکھا ہے حد پسند کیا۔ اور عفا بمانہ
 آپ کے مشاق ہیں۔ ۱۹۔ اپریل ۱۹۱۲ء

مندرجہ ذیل کتب بھی عایت پر ملکتی ہیں

سیر طلمات	عمر	دیگز وقتیدا	عمر	حلولہ اخبار	۱۴
فائدہ لندن ہر حصہ	عمر	فتح اندلس	۱۲	عیار شہزادہ	۱۲
انتقام کامل	عمر	مقدس نازنین	۱۲	روز البرٹ	عمر
غیب ال دہن	۱۲	حسن انجینیا	۱۲		

المکشی محمد عبدالمعتمد کتب خانہ حبیبیہ ڈاک خانہ کوہ گنج ریا بھوپال

ڈاکٹر برن کی نبائی ہوئی مشہور وائین

ستائیس برس سے ہندوستان میں استعمال میں رہی ہیں

(۱) دوا بے نود ہے اچھلتا ہوا اس دوا کے دو ایک مڑاؤ ہی سے دبا جاتا ہے۔

(۲) نیا ہوا اور اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دبا جڑ سے جاتا ہے۔

(۳) پرلے والے یا جن کا دوا دم کا ساتھی ہو گیا ہو وہ بھی اس دوا سے بہت محنت پاتے ہیں۔

دوسری دوا ڈاکٹر کے پیشی تک دوا نہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ (دھیر)

مقوی گولیاں ڈاکٹر کی طاقت نے والی دوائیوں میں مشہور وائین۔ فاسفورس شکینا

اور دنیا مار کر یہ گولیاں بنی ہیں۔ مغز پٹ رک۔ ماس۔ اور خون کو یہ

طاقت دیتی ہیں اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئے معمولی کمزوری ہول دل یا د

ہولنا۔ ہاتھ پیر کا پنا۔ لغو۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام آتے ہیں دھندلے کی عمر کی تیر گولیوں

کی شیشی قیمت ایک روپیہ دوا ڈاکٹر کے پیشی تک دوا نہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ

امراض ستورات کی دوا ہر ایک اقام کے ستورات کی دوا ہے ہر طرح کا رحم کی بیماری

پر دروگ محل کی کمزوری ہیٹ جانگ میں درد وغیرہ کو

شاکر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے ایک دوا اس

دوا کی ہی آدھائیس کچھ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ دوا ڈاکٹر کے پیشی تک دوا نہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ

ان دوائیوں کی مفصل حالت مہر ٹیکٹوں کی پوری کتاب بلا قیمت ملتی ہے منگا کر پڑھئے

ڈاکٹر الیس کے۔ برمن

نہتر تارما چند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ آغا منصب علی گھری دور دوا دہلی میں ہیں۔
فرائض کیساتھ بنجار کا حوالہ ضرور دیں۔

جہانگیر شاہ ۱۹ء مکتبہ

معاشرتی تمدنی - ادبی فلسفی اخلاقی - تاریخی - اور علمی مضامین کا
ایڈیٹر محمد عبدالرشید بخیری شیخ محمد اکرام۔

(فہرست مضامین)

تصویر۔ خدیو ان معر	عالمات و محققین کی زندگیوں کے مضامین ۳۱
المسلم الامام محمد بن عبد اللہ مروی حافظہ زیارہ کا	حال دل - مولوی حامد حسین صاحب دی۔ ۳۸
مروہ ایل - ایل - ڈی۔	محسن بنوئل خواجہ حافظ شیرازی - میر محمد علی ۴۱
اسلام کی تہا - مولانا ابراہیم عابدی صاحب	علیہ الرحمۃ - صاحبیتہ
کیا مذہب ہی نوع انسان کے - مروی فیاض علی	بیوی - صدرا اسلام صاحب قادی دہلوی ۴۴
یہ مفید ثابت ہوا - صاحب	مسئلہ مشرقیہ تاریخ کی - سید شاکر ۵۵
برسات کی بہار - منشی محمد حسین صاحب دیو ۱۹	عینک سے صاحب
ملک کی حالت - محمد رفیع علی صاحب شیرانی لا ۲۲	سیونہ - محمد عبدالرشید بخیری - ۶۳
اسلام - آغا ظلام حسین صاحب آتش لا ۲۸	غزلیں - مولانا محمد باقر صاحب مرحوم شیخ فخر علی صاحب لا ۶۶

بہارِ عالم محمد عبدالرشید بخیری

۱۳۳۳ھ میں چھپا شائع ہوا قیمت فی جلد ۲۰ روپے
وقتِ قلم دیم چار

خاک کی چٹکل

فقیری کا کیوں زیادہ ٹوٹا اور مجرب نہایا ہو اس لیے کہ وہ یا کاری سے پاک اور بھلی اثرات کا مظہر ہے، دنیا کو روزمرہ اس کا تجربہ ہے کہ فقیری خاک کی چٹکل ہی کبھی کبھی عظیم ہے چنانچہ میں بھی ایک مرد با خدا نے نہایت الطاف کیساتھ آفتابی سرمہ کا نسخہ عنایت فرمایا اور اس سے عام فائدہ رسانی کی اجازت دی۔

تقریبی الفاظ نہ اس کے لیے ممکن ہیں ہم طولانی تقریر سے کام لینا چاہتے ہیں صرف اس قدر کہتے ہیں کہ یہ سرمہ تمام امراض چشم کا کامل اور نہایت مجرب علاج ہے اس کے استعمال سے ایک ایسی نکتہ تر قایم پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی خونخاک مرض میں مبتلا نہیں ہوتی۔ کم سے کم چالیس دن کا تجربہ یہ بھی طرح اس کی غریبوں کا یقین لادیتا ہے۔ اور ایک سال کا استعمال گویا زندگی بھر صحت چشم کا ضامن ہے۔ یہ سرمہ محض خاک کی چٹکل نہیں ہے بلکہ اجزاء جو اہر اس اور ہاتھ سے بنایا جاتا ہے اور ستارگان کی گردش کے موافق آفتاب کے اثرات اس میں شامل ہیں اس لیے اس کا رنگ بھی سفید ہے۔ باوجود ان تمام غریبوں کے قیمت بہت کم ہے فی شیشی چھ ماشہ والی (سے) فی شیشی کیتولہ والی برلے ایک مہ نقد سلائی (سے) چھ روپے۔

نوٹ پوڑیہ بصر میں آزمائش چالیس یوم۔ صرف ایک روپیہ (دعہ)

المشہر
نشی جو حسین خٹک کا نیم آفتابی سرمہ کہ بود و ازہ میرکھ



کہ دو سکر کی بالکل خبر تک نلے آیتہ (۱) نے تکثیر ازواج پر برابری کی بڑی سخت
 قید لگا دی تھی اور اس کے ظاہر سے ایسا سمجھایا تا تھا کہ کامل برابری مراد ہے کہ وہ
 مراد ان عورتوں سے ہے آیتہ (۲) نے اسکو قید سے ڈھیلا کر دیا جس سے معلوم ہوا
 کہ تکثیر ازواج متعدد بشر ہے آیتہ (۲) سے تکثیر ازواج کا سہتہ تو کھلا سحر
 کہیں اس کی صراحتہ نہیں کہ مردوں کو تکثیر ازواج کی کشمکش میں پڑنے کی ضرورت
 ہی کیا ہے مگر جنکو خدا نے ذہن رسا دیا ہے وہ فہم و حکم حریف لکم سے ضرورت
 مستنبط کر سکتے ہیں اور ہم اس کی تبصیح اور پرکھ بھی چکے ہیں کہ عورت تکثیر ازواج
 کی محل ہی نہیں مرد ہے تو مرد تکثیر کا حقدار بشر ہے عورت کا نخل نہ ہونا اور مرد کا
 ہونا یہی مرد عورت میں فساد کا موجب ہے عورتیں چاہتی ہیں کہ مرد تکثیر سے
 مطلقاً مستفید نہوں مرد تکثیر نامحدود کے دعویدار ہیں اسلام نے مردوں کو
 تکثیر محدود کی ڈگری دی۔ اہل عرب اسلام سے پہلے تکثیر نامحدود ہی پر عمل
 کرتے تھے اسلام نے تکثیر کو محدود کر کے عورتوں پر احسان کیا اسپر بھی عورتیں
 اسلام کے فیصلے سے خوش نہیں ان کی ناخوشی کی ایک وجہ اور بھی ہے
 اور وہ معقول ہے کہ مرد کئی بیویوں میں سے کسی ایک کے حسن صورتہ یا کسی اور
 ادا کے مغنوں ہو کر اسی کے ہوتے ہیں۔ آیتہ (۲) کا ممکن سل کا کرنا
 بھی ان سے نامکن ہو جاتا ہے اذا فوات الشرا فوات المشروط کی رو سے
 مرد کو تکثیر کی اجازت سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہیں۔ بات تو واضحی ہو کر
 حُبْلُ الشَّيْءِ ہے و یضیم تکثیر ازواج کا شوق مغرط اور عیش پرستی مرد کیا باز آیتہ (۱)

بقیہ نثر اطراف سے بھی اس کی بڑی کثرت منائی ہے اور یہ جو لوگ قوط میں بچے پال دیتے ہیں
 یاد سے خدمت پیشہ یہ ہم سب کی طرح آزاد ہیں ان کے ساتھ لوٹدی غلام کا سبوتا کرنا
 گناہ ہو خدا کا اور جبرم حاکم کا ۱۲۔

خصوصاً عرب کے جاہل جو کسی قاعدے کے پابند نہ تھے ہمارے نزدیک
 ازواج کو تین چیزوں نے بڑھنے نہ دیا۔ اول درجے میں خون کثرت عیال نے
 دوسرے درجے میں اسلامی شریعت کی تحدید نے۔ تیسرے درجے میں اسلامی فتویٰ
 نے کہ اسیران جنگ میں عورتیں پکڑ آتی تھیں پر عام دستور بین الاقوام کے مطابق
 چاہیے ان سے لونڈیوں کی طرح کار و خدمت کو یا بیوی بنا کر کہو مگر ان سے
 اولاد ہوگی لونڈی بچے کہلاتیں گے شریعوں کی نظر میں ذیل آیت (۱) (۲)
 کا فیصلہ فیصلہ نہیں بلکہ حکم بینی ڈگری ہے ہمارے وقتوں کے عدالت کا یہ قاعدہ
 ہے کہ حاکم عدالت کسی مقدمے کی تجویز لکھتا ہے تو اس میں مدعی مدعا علیہ کا نام
 دعوے کی صراحت مدعا علیہ کا جواب پیر مدعی کی طرف کا جواب الجواب پیر نصیر
 کا ثبوت اور جب مدعا و فیصلے کے دلائل یہ سب باتیں تفصیل کے ساتھ کہنی ہوتی
 ہیں اسکو فیصلہ یا تجویز کہتے ہیں اور فیصلے کے نتیجے کو حکم اخیر یا ڈگری کہتے ہیں
 اسی اعتبار سے ہم نے آیت (۱) (۲) کہ حکم اخیر کیا۔ حکام عدالت جو بے چوڑے
 مدلل و مفصل فیصلے لکھتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انکی عقل اور معدلہ پر اعتماد نثر
 مگر خدا کی نسبت تو یہ احتمال تو کیا و اجہہ ہی نہیں ہو سکتا اسی لیے اگلے مسلمان
 جو حکم ان کو دیا جا تا وہ بے چون و چرا اسکو کان دبا کر تسلیم کر لیتے تھے۔
 بیسے ابو بکرؓ کو پیغمبر صاحب نے معراج کا حال بیان کیا ابو بکرؓ نے سنتے کے ساتھ
 یقین کر لیا اور پیغمبر صاحب کی تصدیق کی اور اسی سے صدیق کہلائے لوگوں نے
 دلیل مانگی تو کہا کہ پیغمبر صاحب کا فرمانا۔ اب نہ دیے ایمان ہیں نہ وہی طبیعتیں
 لوگ مونہہ سے تو ایمان و اسلام کے بڑے بڑے چوڑے دعوے کرتے ہیں
 مگر انکو بے دلیل پوری تشفی نہیں ہوتی یعنی انکو اپنی عقل پر جس کی حقیقت معلوم
 ہے دثوق ہے خدا رسول کے فرمانے پر نہیں یہ سچ ہے کہ ہم عقل بھی کیونہ ہے

مکلف بالشرائع میں اور قرآن میں جا بجا افلا تفکرون اور افلا تعقلون اور
افلا تذکرون سے ہم کو خطاب بھی کیا گیا ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس کے ساتھ
وما اوتیتکم من العلم الا قليلا بھی ہے پس سلیم الطبع آدمی کو چاہیے
کہ سوچ سمجھ کر عقل کو دخل دے ۵

نہ ہر جائے مرکب توان تاقتن کہ جاہا سپر باید انداختن
سوچنے اور غور کرنے سے قدم قدم پر وما اوتیتکم من العلم الا قليلا
کی تصدیق ہوتی ہے دو رکیوں جا و روح سب سے زیادہ قریب چیز ہے
مگر انشک کسی سے یہ عقہہ حل نہ ہوا کہ کیا ہے اور جسم سے کس طرح کا تعلق
رکھتی ہے لوگوں نے امتحاناً پیغمبر صاحب سے روح کی حقیقت دریافت
کی جواب ملا۔ الروح من امر ربی جس کے یہی معنی ہیں کہ یہ باتیں تم نبی
آدم کی ہوائی عقل کی حسمہ باہر ہیں اچطیح ہم نے تکثیر زواج کے بارے
میں تبسیر اسوچا کہ شارع نے تکثیر مدعایت چار کیوں رکھی ہے مگر یہی
خیال ہوا کہ شاید چار سے تعدید مقصود نہ ہو بلکہ مطلق تکثیر مقصود ہوا اور طرز نگاہ
دو دو تین تین چار چار سپر دلالت بھی کرتا ہے علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں
کہ دو کسری زبانوں میں ایک بڑا عدد بولا جاتا ہے اور وہ خاص عدد
مرلہ نہیں ہوتا بلکہ کثرۃ مراد ہوتی ہے ۵

فزع کرڈالونگا گرا بکے تو بولاشبہیل میںے سوار بچھے مرغ سحر جیوڑ دیا

۵ ہزار بار شہویم دہن زرشک و گلاب

۵ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ان لبوں نے نہ کی سبجائی ہم نے سو سو طرح سے مردیکھا

اسی طرح کا ایک واقعہ اعداد کے متعلق پیغمبر صاحب کو بھی پیش آیا تھا

کہ جناب پیغمبر صاحب نے چالیس برس کی عمر میں مغیرہ سری سے سرفراز ہو کر اپنے وطن مکہ میں جہاں سارے جسزیرہ عرب کا مبعدا براہیم کا بنایا ہوا خانہ کعبہ تھا دین اسلام کی منادی شروع کی۔ خانہ کعبہ کے متولی اور مجاور قبیلہ قریش کے لوگ تھے اور یہ قبیلہ کا قبیلہ خانہ کعبہ کی خدمت تولیت کی وجہ سے معزز ترین قبائل سمجھا جاتا تھا۔ پیغمبر صاحب قبیلہ قریش کے معزز ترین خاندان میں پیدا ہوئے ہر چند قریش کا ادب خانہ کعبہ کی وجہ سے تھا اور خانہ کعبہ کا ادب بنائے ابراہیم ہونے کی وجہ سے اور ابراہیم بڑے پختہ موجد تھے یہاں تک کہ انکو عقیدہ حقہ توحید کا موجب کہا جاوے تو کچھ بجا نہیں اور موجب نہ ہی تو مروج اور متحد ہونے میں تو کچھ شک نہیں بہر کیف باوجود کے اہل عرب نسل ابراہیم اور فی زعمہم ابراہیم کے مذہب پر قائم بھی تھے مگر روز زمانہ کی وجہ سے توحید کو چھوڑ کر شرک اور بت پرست ہو گئے تھے خدانے پیغمبر صاحب کو اسی ابراہیمی عقیدہ توحید کو از سر نو زندہ کرنے کی غرض سے پیغمبر بنا کر بھیجا توحید کی منادی کرنا تاکہ سارا عرب کفنی اعدت دشمنی پر کمر بستہ ہو گیا زبان سے ہاتھ پاؤں سے جو تکلیفیں نہیں پہچانی تھیں پوچھنائیں جو اندائیں نہیں دینی تھیں دیں پیغمبر صاحب کامل ۱۳- برس فوق ابشیرتہ صبر و تحمل کے ساتھ تمام مظالم برداشت کرتے رہے اس ۱۳- برس کی مدت میں جو کچھ تھوڑی مدت نہیں لوگ دستور کے مطابق اطراف بجا انب سے سال بھر بت خانہ کعبہ کی زیارت کو آتے اور اپنے طور کی پوجا پاٹ کر کے چلے جاتے اور سمجھتے کج کر آئے اور پیغمبر صاحب تبلیغ رسالت کے لیے آپسے ہی جھگڑوں کے متلاشی تھے جہاں ہجوم دیکھا جانا منادی کی اتفاقاً راست

کے گیا ہوں برس شینے کے قافلے والوں سے بات چیت کا موقع پا کر ان کو قائل معقول کیا دعویٰ رسالت کی خبر تمام ملک میں پھیل چکی تھی قافلے والوں میں کچھ لوگ منصف مزاج اور معقول پسند بھی تھے سننے کے ساتھ تھوڑی دیر بعد پہلے ہی وعظ میں چہ آدمی ایمان لے آئے اور رہنے جا کر دوسروں سے سارا حال بیان کیا اور بہتروں کو اپنا بھینال بنالیا رسالت کے تیرھویں برس ایک جم غفیر پیغمبر صاحب کی باتیں سننے کے شوق میں حج کے دنوں میں گئے پوچھا اور تاک گئے والوں کو خبر نہ ہو شہر سے باہر قافلے سے الگ ایک جگہ تجویز کی کہ وہاں پیغمبر صاحب وعظ فرمائیں اس جلسے میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتوں نے پیغمبر صاحب کے ہاتھ بیعت کی اور بیعت کے علاوہ جب ان کو قریش کے مظالم کی خبر ہوئی تو انہوں نے پیغمبر صاحب سے التجا کی کہ اگر جناب کسی طرح ناخدا ترس دشمنوں کے زرعے سے نکل کر مدینے تشریف لے آئیں تو ہم اپنی جان و مال و عیال کی طرح آپ کی حمایت اور حفاظت کریں گے یہ قول و قرار ہو کر قافلہ مدینے کو واپس روانہ ہوا قریش کو ان باتوں کی خبر لگی مگر بہ دیر جب کہ قافلہ ان کی دست رس سے باہر نکل جا چکا تھا مدینے والوں کی بیعت قریش کے حق میں صحیح سمند ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا لگے پیغمبر صاحب اور ان کے اقل قلیل ضوفا راجل ع بر اصفا فاضل عصفہ سختیاں کر لے آخر یہ ٹھہرائی کہ یہ شخص ہمارے دین آباؤی کے بڑے بچے بڑا ہے تخو لیف تطیع سب کچھ تو کر دیکھا کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی آخر الدوا رقی بس بس ابیا یہ بنیں یا ہم نہیں آؤ آج رات اس کے گھر کو گھیرے پڑے رہیں صبح سویرے نماز کو ماہر آئے تو ایک دم سے سب ٹوٹ پڑیں اور اس کا کام تمام کر دیں دین آئے گی چندہ کر بہر دیں گے جو سوچا وہ کیا مگر

اور چہ خیالیم و فلک پہ خیال کالے کہ خدا کند فلک اچھا مال
 لوگ رات بھر گھر گھیرے پڑے رہے اور پیغمبر صاحب راتوں رات بچھوڑا
 سے نکل اپنے مژدہ دار ابو بکر کو ساتھ لے کے سے تین میل کے فاصلے پر
 غار ثمود میں جا چھے آس پاس سارے کوٹے کھدوے کھوند مارے کہیں
 پتہ نہ ملا پیغمبر صاحب تین دن چھبے رہ کر اوپری راستے سے بالا بالا مدینے
 جا داخل ہوئے یہ داخل ہجرت کہلا یا جس کی یادگار میں مسلمانوں کا ہجری
 سنہ چلا مدینے میں محبت سے پہلے ہی اسلام نے بہترے دلوں میں
 جگہ کر لی تھی پیغمبر صاحب کے تشریف لانے سے لوگ ایسے گرنے شروع
 ہوئے جیسے شمع پر پردانے لیکن باغ میں گل کے ساتھ کانٹے ضرور
 ہوتے ہیں کتے میں قریش تھے تو بیاں مدینہ میں یہود کہ یہ لوگ مدینہ
 اور حوالی مدینہ میں کثرت کے آباد تھے اور طہر سح کا اقتدار رکھتے تھے موسیٰ
 کی امت اور تورات کی پیشین گوئی کی رود سے پیغمبر آخر الزماں کے منتظر بھی
 تھے مگر پیغمبر موعود کو از خود نسل اسحق سمجھ رکھا تھا اور نہیں چاہتے تھے
 کہ شرف نبوت ان کی قوم سے کسی دوسرے کی طرف منتقل ہو۔ چونکہ پیغمبر
 صاحب اسحق کے بڑے بھائی اسماعیل کی نسل میں تھے یہود نے اپنی امانی
 خصوصیت کی بنیاد پر پیغمبر صاحب کے خدا واسطہ کا سیرانہ لیا تھا۔ لے
 تھرات کی پیشین گوئیوں میں طرح طرح کی تحریفیں کرنے غرض مدینے کے
 یہود پیغمبر صاحب کی مخالفت میں قریش کے سے بھی چند قدم آگے تھے
 یہود کے علاوہ خود مدینے کے اصلی باشندوں میں سے بھی ایک گروہ
 پیغمبر صاحب کے موزا افزوں اقتدار کا حقد رکھتا تھا۔

باقی آئندہ

اسلام اب کہاں رہتا ہے!

کل جو ایک سنان خجل میں ہوا میرا گزر
اک کشش پیدا ہوئی ایسی کہ میں بے ساختہ
جا کے، دروازے کے اندر جب کھایں قدم
جسم کی تین کٹیاں گرج کی ہوئی دیوار و پیر
ایک کونے پر تنہا وہ بخت کنواں بدتر زنا
آشیائے طاروں کے تھے کسی محراب میں
سر سے ہانک بے حرکت تھی وہ بے توجہ تھی

آہ! اک ٹوٹی سی مسجد دوڑائی نظر
ادکی جانب کچھ چلا، ادل باختہ جاں باختہ
صحن میں گھاسنوں کو بایا قد آدم کم و کم
سبز مغل کا غلا، اک اک تھا پڑھاندار و پیر
غہ خانہ ایک گوشے میں، قریب لاندہ ام
جاگتے تھے جن میں کچھ بچے تو کچھ تھے خواب میں
الغرض مسجد تھی، حسرت کی اک تصویر تھی

بھٹکا اک حسرت ہوئی یہ ہو کا عالم دیکھ کر
صحن میں آکر میں سئے آسمان کینے لگا
پہلے جو کچھ شک شبہ تھا، وہ نازل ہو گیا
کا اعدم سلام، اور مغفودایاں ہو تو ہو

گھر کو مالک کے غم و یاس عیش و بھیکر
جوش غمناکی میں آکر اس طرح بکینے لگا
آج تیری بے نیازی کا میں قایل ہو گیا
اپنے گھر کی بھی نہیں پڑا، دیڑی ہو تو ہو

میں انہی جگہ میں تھا گویا، کہ اک خوشتر جوا
صحن مسجد رکش عرش معلّا ہو گیا
ہائے وہامت کی راج دج، او پشہ در لغت
چمن پیشانی پر صدقہ سہلال، او عید
ساکھ میں مصنف صوبہ شلخ بلور

ایک گوشہ ہی مسجد کے ٹکڑا ناگہاں
محویت تھا جو میں، محو تجلّا ہو گیا
اہلے پر تم تنو، چتون میں بل بتویر میں
چشم حق میں وہ، کہ جس کے پیر کفر غلامی
سینہ صافی مثال سلمہ در یاسے نور

ہوا بھی محشر بچا، انداز یہ رفتار کا
آزاد میں جی اٹھیں بھاریہ گفتار کا

عرض کی میں نے کہ لے ستر یہ حسنِ حال
سج بتا بھلکھو کہ ہر تو کس چین کا تو نہال
اس گئے جنگل میں سبیلے کیا عرض کرتا ہو
ہمے یہ سنان مسجد، اور تجھ سے فوراً
حور ہو تو، یا فرشتہ، یا پریزادوں میں ہو؟
یا ہمیں کام جیسے خانہ بربادوں میں ہو؟

کھینچ کر ایک آہ اوس نے، تمام کو اتونہ دل
کیا کہیں کیونکر سنایا یہ جواب جاں گسل
میں مشتہ ہوں جن اس اک ناکام ہو
میں لے کا تیا، اقل ہل اسلام ہوں

اب جگہ ملتی نہیں لوگوں کے دولت خانوں میں
اس لئے رہتا ہوں چھپ کر میں انہیں یرانوں میں

تنائے عمارتی پلوار و غی غظیم آبادی

عصمت جسطرح یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ قوم کی ترقی کا انحصار تعلیم انسان پر ہے
اسی طرح اس میں بھی کلام نہیں کہ رسالہ عصمت لڑکیوں کے واسطے ایک بیش بہا نفع ہے
جس میں خانہ داری تعلیم و تربیت - مذہب و غیرہ پر منتخب اہل قلم کے مضامین نقل

سے ہیں

عصمت کواری لڑکیوں کو فرمانبردار بیویاں اور بیویوں کو سلیقہ شعار گھروالیاں
ایک گز یں بنانے کے واسطے ایک لاجواب چیز ہے۔ جو بیش قیمت کاغذ اسلئے
ہے کہ انہیں چھپائی گئی ہو۔ یہی اصل اور تصدیق فرمیں ہو کہ ہر مہینہ شائع ہوتا ہے قیمت شائع
میں عصمت لندن دہلی

کیا مذہب بنی نوع انسان کے مفید ثابت ہوا

یہ ایک فیصل شدہ سوال ہے گاچہ کہ مذہب کی تحقیق انسان کے لیے ایک نہایت ضروری مسر من ہے اس لیے اس پر بحث کیے جانا تو تعجب خیز نہیں لیکن ایک اجتہادی رائے سے غلط خیال قائم کر لینا بیشک تعجب کی بات ہے۔ حضرت زمر م نے جن کے تمدن میں ایسی ہی غلط رائے قائم کرنے کے لیے کہ مذہب فضول اور نقصان پہنچانے وال چیز ہے) جن وجوہ پر ہستہ لال کیسے وہ ایک عجیب پیرا تحقیق ہے فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ مذہب کے لیے نام طور پر دو خیال ظاہر کیے جاتے ہیں۔

اول یہ کہ مذہب ایک فضول چیز اور انسان کے لیے سخت نقصان پہنچانے

والا ہے +

دوسرا یہ کہ مذہب ایک نعمت ہے اور انسان کے لیے مذہب مفید ثابت ہوا میرا خیال ہے کہ جس سیز کے لیے اس طرح متفاد خیال قائم کیے جاسکتے ہیں اور جس طرح یہ خیالات آسانی سے قائم کیے گئے ہیں اسی طرح آسانی سے صحیح نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے۔ مثلاً ہر قول کے قابل اور ہر خیال کے مدعی نہیں نظر رکھکر اس کی یاقت اور قابلیت کے ساتھ کثرت اور قلت پر نظر کرنی چاہی۔ اگر ہم (الفت) اور (بے) دو امتیازی نشان سر لے لیں اور ہر (الفت) کے نیچے پہلے خیال والوں کو اور (بے) کے سایہ میں اس کے مخالفوں کو جمع کریں تو ظاہر ہے کہ مغربی افریقہ کے ماور ز اور برمنہ انسان کا گوشت زحمت سے کہا جائے والے وحشی۔ کسٹریلیا۔ اور اور

غیر ترقی یافتہ جزائر کے جنگلی۔ اسکی قوم کے آدمی کجوروں کے بھاردار پنکھوں سے
 ستر عورت چپائے ہوئے۔ یا قطب شمالی و جنوبی کے برفستانی۔ جانوروں کی
 ایسی کھاؤں سے ڈھکے ہوئے جن پر بڑبڑے بال نہیں نظر آئیں گے اسوجہ
 سے کہ یہ کسی مذہب کے ماننے والے آدمی نہیں ہیں۔ ان کو الٹ کے نیچے
 ہی جگہ پائے کا حق ہے۔ کچھ اور آدمی ایسے نظر آئیں گے کہ جن کو کرامت اور
 اوستدران معجزے اور شبدے میں تمیز کرنے کی یاقوت مرلے کے قوت
 تک حاصل نہیں ہوتی۔ ایسے آدمی جو انسانی کمزوری کیوجہ سے نفسانی فحاشیوں
 کے شکار ہو گئے ہیں۔ یا وہ جنہوں نے مذہبی تعلیم کو حاصل نہیں کیا اور اسوجہ
 سے اذکو ترقی حاصل کرنے کے لیے کوئی سیدھا راستہ نہیں ملا ہے۔
 قس علیٰ ہذا۔ مذہب کے ماننے والے یا مذہب کو فضول اور نقصان رساں
 والے یا وحشی اور جنگلی ایسے آدمی ہوں گے۔ جن کے لیے شایستہ مخلوق اولیٰ
 انسان یا حیوان ہونے کی ہنوز تحقیقات نہیں کر چکی ہے۔ یا ایسے آدمی
 ہوں گے جو۔ مذہب کی شایستہ بنائینا والی تعلیم سے نفور اور معذور رہے ہیں
 برخلاف اس کے (ب) کے سایہ میں ابنیاء علیہم السلام۔ اولیاء کرام علیہا
 عظام حکماء بزرگ نام۔ مہذس اور ستارہ شناسان ہند۔ ودانیا یا نافر
 ایسے شایستہ اور ترقی یافتہ لوگ نظر آئیں گے جو انسان کہلانے کے سستی
 ہیں اور جن کی تعداد نسبتاً (الف) والے گروہ سے اس قدر زیادہ ہے
 کہ جن پر کل بنی نوع انسان کے کہلانیکا اطلاق ہو سکتا ہے۔

الضرع اگر ان دونوں خیالوں کے آدمیوں کو ہی دیکھ لیا جاتا تو نتیجہ
 نکالنے میں غلطی واقع نہ ہوتی عقل سلیم کا عام مسئلہ ہے۔ کہ دانشمند غلطی پر
 جمع نہیں ہوا کرتے۔

کسی اچھی اور نہایت مفید چیز کی ہزاروں لاکھوں بلکہ بے شمار سلسلہ خوبیوں سے قطع نظر کرنا۔ اور اپنی غلط فہمی اور کجرائی سے ایک ایسی بُرائی کو جو اس چیز میں نہ ہو مسترد کر دینا۔ اصول غلط اس اچھی چیز پر التزام قائم کر لینا عقل معاملہ فہم کے نزدیک معنوی انگیزات ہے نہ اسباب کے پیرو اور احکام مذہب کی پابندی کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ

مذہب نے انسان کو جہالت کے تاریک گڑھے سے نکالا۔

مذہب نے آدمی کو ترکیب اور تہذیب کا جامہ پہنایا۔

مذہب نے امن و امان قائم کیا۔

مذہب نے غصہ کی آگ پر صبر و تحمل کا پانی ڈالا۔

مذہب نے جذبات انسانی کی حفاظت کی۔

مذہب نے انسان کو ہمدردی کا سبق پڑھایا۔

مذہب نے روحانی ترقیات کا راستہ دکھلایا۔

مذہب نے معرفت اور حقیقت کے پر اسرار راز کھولے۔

اور یہ دعویٰ ہی نہیں اس کا ثبوت ہی پیش کر دیا ہے۔ اگر مذہبی کتابوں کو دیکھا جائے تو ظاہر ہو سکتا ہے کہ مذہب نے سب سے پہلے اپنی صداقت کا ثبوت دیا ہے اور اپنا مفید ہونا۔ تمام محبت کے لیے قومی دلیلوں سے ثابت کر دیا ہے حیرت کی بات ہے کہ سوال تھا مذہب کے اچھے یا بُرے ہونے کی بابت۔ اور مذہب کے بُرے ثابت کرنے ثبوت میں بُرائیاں پیش کی جاتی ہیں۔ حالانکہ رسم و رواج اور ظالمانہ کیفیات رذیلہ کی۔ یہ بعینہ اسی مثال ہے جیسے کوئی شخص صداقت پر الزام لگانے کے لیے کذب و بطلان کی برائیاں گنوا کر سچ کو بُرا ثابت کرے۔ بطلان مذہب کو مغربی افریقہ کے وحشیوں کی اس جاہلانہ رسم و رواج

سے کیا علاقہ ہے کہ کسی مردہ سردار کے ساتھ زندہ چار آدمی دفن کر دیے جاتے ہیں۔ یا جابلوں کے کسی مردہ بادشاہ کے ساتھ صد ہا زندہ آدمیوں کو مار ڈالا گیا یا جادو کے دہم پر شبتہ آدمیوں کو پڑا ہوا زہر کھلایا گیا۔ یہ تو ہمارے ذلیلہ کی اتباع ہے۔ نہ کسی مذہب حقہ کی پابندی۔

سلمات ہے کہ مذہب کے تو ایسے ذی اہم قیوم کی بنیاد پر ہے۔

الغرض جابلانہ رسم و رواج اور عایمانہ دہم پرستی کے کارناموں کو مذہب کے کارنامے قرار دینا امتیازی قابلیت کی دلیل ہے۔ ایک سی صفات میں اگر غلط فہمی ہو جائے تو تعجب نہیں مگر متضاد چیزوں میں۔ ایسی غلطی کا پیش آنا سخت خطائے عقل یا فہم کی کمزوری ہے۔

فاضل گریجویٹ کا یہ کہنا کہ نامعلوم کے معلوم کرنے کی خواہش کا نام مذہب ہے صریح غلط اور انوکھا خیال ہے۔ سلمات یہ ہے کہ رومانی ترقی سے خدا کی معرفت حاصل کرنے کا نام مذہب ہے۔ مذہب کے لیے ضرورت ہے ایک بنی کی ماورائی بنی کے لیے ضرورت ہے اپنی نبوت کی حجت کو ثابت کر دینے کی معجزات سے خدا کی کتاب کے الہامات، اور صیغہ آلف و جی سے۔

خدا کے پاک نے نبیوں کو اگرچہ وہ آدمی ہی تھے اتنا محبت کے لحاظ سے ایسی شان و شوکت بھیجا کہ بعض کو ان کے انسان سمجھنے میں اتنا تک تاں ہے بعض نے نبیوں کو خدا کا مظہر تسلیم کر دیا۔ اور بعض نے ان کو خدا کا بیٹا۔ یا فرشتہ مان لیا۔ بعض نے ان کو انسان کامل سمجھ کر یہ کہہ دیا کہ بعد از خدا بزرگ تو کی وقعت مختصر۔

مذہب کے فضول اور نقصان پہنچانے کے ثبوت میں فاضل گریجویٹ نے کلیساؤں کی جسم کاریاں صلیبی لڑائیوں کی خون ریزیاں۔ دوپاوریوں کی

انتظامی ناقابلیت۔ مذہب ہندو میں سستی وغیرہ کے مذہم مرام کا جو ذکر کیا ہے یہ محبت پہلی محبت سے زیادہ مبتذل اور کمزور ہے اگر کوئی مذہب کا پابند کسی گناہ کو کبیرہ کا مرتکب ہو۔ یا انسانی کمزوری سے کسی بدکرداری کو اپنا شعار بنالے۔ تو کیا کسی ایسے ذاتی گناہ کا بار مذہب کے سر ہو پا جا سکتا ہے۔

مذہب پر اسوقت تک کوئی الزام عاید نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس مذہب میں ایسے احکام نہ دکھلائے جائیں۔ انجیل پاک میں زنا کے جواز کا کوئی حکم دکھلائے اور پھر عیسائی مذہب پر الزام لگائیے صلیبی لڑائیاں پر جو تعصب اور جاہلانہ شجاعت کا دلولہ مستر اپاتا ہے۔ نہ کسی مذہب کا حکم انجیل مقدس۔ یا قرآن کریم سے ایسا حکم دکھلا کر عیسائیوں اور مسلمانوں کے مذہب پر حملہ کرنا چاہیے۔

ستھی کی رسم ہندوؤں کے ویدوں کا کوئی مذہبی حکم نہیں ہے۔ بلکہ محبت کی فلسفی کا بنیاد گہرا اور پچھرا سدا ہے۔ فاضل ہندوؤں نے اس بستیورانگی اپنی کتابوں میں پوری توضیح درج کر دی ہے۔ لہذا اعتراض سے پہلے قنیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

یونانی۔ یہودی۔ عیسائی۔ اور مسلمانوں کے نام کے ساتھ تمام مذاہب تیسیر اور جدیدہ کو ملا کر صرف مذہبِ اسلام میں انسانی قربانی کی نظیر دکھلائی ہے۔ اور اس ایک لطیفے سے تمام مذہبوں کو متہم اور مذموم قرار دے لیا ہے۔

پہلی غلطی یہ ہے کہ ایک مذہب کی نظیر تمام مذاہب تیسیر اور جدیدہ میں کیئے کیونکہ ثبوت الزام ہی جاسکتی ہے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ خود یہ نظیر انسانی قربانی کا ثبوت نہیں ستر اپا معلومات ہندو یہ تو یہ برس رہا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت

اسحق علیہ السلام کو ذبیح بتایا جا رہا ہے اور معاملہ فہمی کی مدد یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ایک مذہب کی غلط مثال سے ہر مذہب پر الزام قائم کیا گیا ہے کہ ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت کے انسانی قربانی کا ثبوت پایا جاتا ہے ویل ہے یا بچم صاحب کی گولیاں اچھی نطق ہے اور عجیب استدلال ہے
مخدوم مخاطب حضرت ذبیح علیہ السلام کی قربانی کا قصہ۔ خدا اور خدا کے بنی کے تعلقات اور راز و نیاز کا ایک دلچسپ راز ہے۔

مذہب اسلام کی کتابیں اس کی توضیح اور تشریح سے بہری پڑی ہیں اعتقاد کی نظر سے نہ ہی امتیاز کرنے سے پہلے تحقیق کی نظر سے تو ان کو دیکھ لیا ہوتا۔

کہاں خدا اور اس کے حبیب کے راز و نیاز کا افسانہ کہاں انسانی قربانی کا حکم علامانہ قرآن کریم کی جیسی آیت کے ثابت کیجئے کہ خدا نے مسلمانوں کو اس آیت قرآنی سے انسان قربانی کا مستحق اور پابند کیا ہے معاذ اللہ جن مذہب کی تعلیم ہو بنی سلم المسلمون من اللسانہ ویدہ۔ اوسیں انسانی قربانی کا تلاش کرنا اور ایسے مقدس مذہب پر غور و تہی کا الزام لگانا کسی طفل کا کام ہے مذہب اسلام کی برکات عظیمہ اور رحمت کریمہ کی کیا تفصیل کی جائے سب جانتے ہیں کہ شیخ اسلام سے پہلے عربی جاہل حوشیوں کا کیا حال تھا۔ اور پھر مذہب اسلام کے اصول اور بنائے مذہب کی اصلاح نے چند روز میں اولن کی کیسی کایا پلٹ دی۔

مستمرض کا یہ دعوے بھی غلط ہے کہ چاند سورج وریا۔ اور پھاڑ۔ بجلی اور بادل کی مذہب نے انسان سے پوجا کرائی۔ کون سے مذہب نے ایسا کیا اگرچہ اسکی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ تاہم مذہب اہل ہنود پر شاید

یہ اعتراف کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے مذہب کی بابت جس قدر تحقیقات کی گئی ہے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ امتداد مدت کی وجہ سے اس مذہب کا شیرازہ ڈھیلا ہو گیا ہے ایسے آدمی جبکہ نفسِ امارہ نے مغلوب اور مستح کر دیا تھا قابو یافتہ ہو کر۔ اصول مذہب میں رخنہ انداز اور احکام ملت پر تصرف ہو گیا اور بہت سی باتیں جس پر اعتراض ہو سکتا ہے انہوں نے مذہب میں شامل کر لیں ایک عام اصول کے موافق اگر دید آسانی کتابیں جس تو ان میں ہرگز کسی قابلِ اعتراض غلطی کی گنجائش نہیں اور اگر وہ انسان کی بنائی ہوئی کتابیں ہیں تو ان کی لغزشوں سے مذہب حقہ کے دامنوں پر دہسہ نہیں آ سکتا۔ اہلِ سنہ میں ایک فرقہ ہے جو اپنا نام آریہ بتلاتے ہیں۔ ان کا دعو ہے کہ وہ نے مخلوق پرستی کا کہیں حکم نہیں دیا۔ فاضل گریجویٹ کو اگر تحقیق منطوق ہے تو وہ اپنا خیال آریوں کے خیال سے ٹکرائیں۔

فاضل مصنفین نگار نے اعتراض کے پیرایہ میں یہ بھی دکھلایا ہے کہ ہر آنے والے نئے مذہب نے پہلے مذہب کی برائیاں ظاہر کی ہیں۔ فی الحقیقت اعتراض گزشتہ کی یہ توضیح ہے اگر غور کیا جاتا تو آسانی سے سمجھ میں آ جاتا کہ دوسرے مذہب کے۔ یا یوں کہیے کہ دوسرے نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت ہی یہ ہے کہ پہلے مذہب میں بدکردار آدمیوں نے اپنی بدکرداری سے یا محض انسانی کمزوری سے کچھ تصرف کر لیا تھا۔ خدا نے اپنے دوسرے نبی کو بھیجا اور اسکی اصلاح کرادی اس کا ثبوت ہے مذہب کے اصولی مسائل۔ جو اس وقت تک ہر مذہب میں متحد قائم اور لائقِ اقبال چلے آ رہے ہیں۔

فاضل معترض کے خیال کے موافق اگر دماغی ترقی اور روحی معراج کی یہی انتہا ہے کہ آدمیوں میں صرف کتوں کا اتفاق ہو جائے۔ یا وہ لنگوروں کی طرح

ایک تین دو سے اپنے اپنے جنس کو بچایا کریں۔ یا سوہٹ زر لینڈ کے جھیل کے باشندوں کی طرح گاؤں بسا کر ایک جگہ آباد ہو جائیں اور کتنے اور بننے کی صنعتوں کو حاصل کر لیں۔ یا آسٹریلیا کے باشندوں کی طرح اون کی طرز معاشرت ہے تو ہم بھی فاضل گریجویٹ کی طرح سے اتفاق کر لیں گے۔ اور ہم مانے لیتے ہیں کہ فاضل معترض نے بشری نشو و نما کا راز اور انسانی ترقی کا مرکز بخوبی سمجھ اور پایا ہے۔

ہم کو صرف اس بات کے ظاہر کرنے کا حق تھا کہ فاضل گریجویٹ جس دعوے کے مدعی ہوئے ہیں اس کا انہوں نے کوئی قبذل اور نامعقول ثبوت بھی پیش نہیں کیا۔ اگر وہ دلائل اور براہین سے ثابت کر دیں گے کہ مذہب حقہ نے انسان کو نقصان پہنچایا اور مذہب فاضل جیسے تو ہم انشاء اللہ کی تردید کے ساتھ مذہب کے نفع رساں ہونے کا علمی اور عقلی ثبوت پیش کریں گے۔ مذہب حقہ نے انسانی ترقی کا جو ازور کنار باقوں سے انسان کا دل دکھانا بھی کبیر و گناہ قرار دیا ہے۔ جو لوگ مذہب کا پابند ہیں اور جن کو مذہبی تعلیم سے حصہ ملا ہے اور جن کی روحانی قوتیں مزاج علیا پر صعود کرتی جاتی ہیں ان کو بہشت یعنی خدا کی رضا مندی اور دوزخ یعنی خدا کی ناپسند مندی کے امید و بیم نے ایسا سنگسار مزاج اور مصلح کل بنا دیا ہے کہ گناہوں کا ارتکاب گویا اون کی ذات سے مسلوب ہو چکا ہے۔ خدا سے ڈرنے والے محض خدا کے نام سے اس طرح کا پٹنہ لگتے ہیں جس طرح شریچہ رسولی کے خوف سے نہیں کپتائیں مذہب دین کو ترقیات و معانی کے مزاج کو گھرنے سے نہیں روکا۔ بلکہ خود رائی سے راہ غلط پر چلنے کے خطرہ کو میٹ دیا ہے۔ اور ترقی کے سبب دیکھو مقام پر پہنچنے کا ایک پسیدھا اور آسان راہ بتلا دیا ہے جس کو بشمار آدمی اور منظم پر پہنچ گئے ہیں اور پہنچتے

جائیں گے جس کا نام تمام معصود ہے۔ مذہب انسان کو ایسی تعلیم و تربیت حاصل کی ہے جس کو دنیا میں وہ بدلتا نام آدمی خود نہیں دیکھ سکتا۔ ایم کریک کے خدا اس کی برکتوں سے لکھو تفسیر کریں اور پیش اس کے

برسات کی بہار

شکر برسات کی بہار آئی،
 چٹسہ میں نشاۃ وجود کے رنگ
 اب کے کانہ اپنا بے سنس نہ رہا
 رنگ لائے گا فطرتِ ضرور
 دل میں ہے آؤں ان کے گہراؤں
 دل رہا سے اگر رہی ان بن
 کر لوں سامانِ میس بہتیار
 اتنا نام خدا جان ہی ہے
 رنگ جیتے جا ہے ساون کا
 ہے سین پر ہر ایک چمن کا نہال
 روشنی پر ہے سبز و خورو
 یہ دشتِ دل کا ہلہانا خوب
 جمع اسبابِ دلربائی ہیں
 واہ کیا ہلکی ہلکی نکلی دہوپ
 دیکھنا کھیل دہوپ سایے کا
 وہ چلی ہو پڑی پیچھے چھاؤں
 اک ذرا دیر میں چپا خورشید
 لے لو وہ دہوپ ہوگی مفقود
 گھر میں طبعِ شگفتہ گہرائی
 جڑت میں سرورِ لطفِ ڈھنگ
 بچ بخت میں متل و پوشِ ادب
 ہے تپتے دل وہی کا و نور
 جس طبع بن پڑے سلاؤں
 لطف کچھ بھی نہ سکے گی سیر چن
 شاید آج کے آج وہ دلدار
 آجکل مجھے ہر بان بھی ہے
 خوب و کش سماں ہو گلشن کا
 رنگ پھولوں کی لانی ہی ہر ڈال
 اس کی سج و سج ہو لطفِ نگو
 اور یہ پھولوں کا دل بھانا خوب
 لوگ مصروفِ خود نمائی ہیں
 کیا زمانہ بدل رہا ہے روپ
 دیکھنا سیل دہوپ سایے کا
 کیا عجب ہوپ کو پڑے چھاؤں
 اب برائے گی اپنے دل کی امید
 سایہ اسکی جگہ ہوا مو بعد

خوب سی چھائی ہے گہٹا اس وقت کب کس قدر سو ہے ہوا اس وقت
 آئے بادل کے دل کے دل کا لے جھونٹے ہیں یہ جیسے متوالے
 ایں ایہ دن ہر کرات آئی ہے کیا اندھیری گہٹا ہے چھائی ہی
 کیسی آواز آئی رجم جسم کی کس نے ہم کو سنائی رجم جسم کی
 نخی نخی ہے کیا پھوار اس وقت کیسی بوندوں کی ہے قطار اس وقت
 کتنی دل کش ہے یہ فضا دیکھو دیکھو برسات کی گہٹا دیکھو
 ہلکی ہلکی ہوائیں آئی ہیں۔ بجتے خوش بہینی بہینی لائی ہیں
 اب تو کچھ نور شور اور بڑھا سناٹا سی ہو گئی پیدا
 ابر کھلنے پہ لطف آئے گا سبز و تر ہو کے رنگ لائے گا
 سیر کو سوائے باغ جائیں گے لطف برسات کا اٹھائیں گے
 ساتھ ہوں گے ضرور چند اجاب ہم ہیں پہلو سے ہی اور کباب
 خوب پکوان جا کے کھائیں گے غم نہ ہوگا فرے اوڑائیں گے
 اب نہ آئیں گے آئینہ دس دن گہر بلخ ہی میں جائیں گے بستر
 پہنچتے کیا تھے ہو گیا لو کی نظر آتا ہے دوسرا نقشا
 زود پکڑا پھوار نے بڑھ کر عالم اب اب ہے پیش نظر
 زور پانی میں کس غضب کا ہے موسلا دارا اب برستا ہے
 چمپ گئی آست زبیر سانی ہٹے دریا ہر اک طرف جاری
 یہ لودہ زور و شور سے آیا وہ چٹانوں سے جا کے ٹکرایا
 ایسا برا کہ چمپ گئی ہے ریت خوش ہیں ہتھان کہہ گئے ہر کسیت
 زائد امید سے جو یہ برسا ساحلوں سے ٹکل گئے دریا
 دیکھو دیکھو برستے ہیں بادل دیکھو دیکھو وہ بہر گئے جہن تھل

دینے پر سارے کس قدر شفا
 سائے میدان سبز زار ہوئے
 ہو گئے سبز بلخ کے اشجار
 گل کے چہرے پر رنگ تازہ ہو
 ہر طبیعت میں تازگی آئی
 زندہ دل آجکل نہ مائیں گے
 سبز دشت لہلہاتا ہے
 ریلغ اور بلخ ہو گئے یکساں
 آفت چلی کس غضب کی تیر ہو
 پر زمانہ بدل رہا ہے رنگ
 ہے یہ نیزنگ قدرت خالق
 کھل گیا ہے برس کے اب پانی
 گو پہلوشیدہ ابر میں خورشید
 لودہ قوسِ سنخِ نکل آئی
 پچھلے بٹھیں گے نہ اہل شباب
 آؤ کر آئیں سیر گلشن کی
 جتنی برکت کا منائیں آج
 کیا سنا ہے آج کا نظرسر
 پہ کہاں یہ باریاراں کی
 سیرِ قوسِ سج میں نہیں پر لطف
 پہ میتر نہ ہوں گے یہ آرام
 شکر میں دھل دھل کے ہوتی ہیں
 سائے کہار پر بہار ہوئے
 ہر جگہ پر گلوں کے میں انبار
 یاسخ دریا پہ عتازہ ہے
 دل کی افسردگی ہوئی راہی
 سیر دشت وچمن کی ٹھانیں گے
 لطف کیا کیا ہو اسے آتا ہے
 پشیر سر سبز، پھول میں خنداں
 دل کو چاہا ڈاکہ کا نہپ اٹھا
 ہونہ جانے کہیں رنگ میں رنگ
 جس سے ظاہر ہے حکمت خالق
 ابھی نہ جانے لگا یہ سب پانی
 اب برسے کی کچھ نہیں اُسید
 یہ کی دنگ خوشنما لانی
 آنکھیں بے چین ہیں تو دل قیاس
 رنگِ یوں منائیں سادوں کی
 سیر گلزار کی کر آئیں آج
 ہر شکر کیا فنا ہے کیا نظر
 پہ کہاں یہ نمود بستاں کی
 بعد کوٹتے ہیں کہیں پر لطف
 پہ نہ دل بستگی کے یہ ایام

پھر یہ پشیمان برائے نامی پھر نہ مائی پشیمان مائی - محبتیں مائی پشیمان -

ملکی کفایت

پہلا باب

دولت

سلسلہ کے لئے تدن جون ٹلڈ ہو

دولت منتقل ہو سکتی ہے۔ منتقل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شے ایک شخص سے دوسرے شخص کے پاس جا سکے بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ہم اپنے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں دے سکتے ہیں۔ مثلاً پنسل۔ کاغذ۔ قلمدان۔ گڑھی وغیرہ۔ بعض ایسی ہیں کہ ہاتھ سے اٹھا کر نہیں دے سکتے مثلاً زمین یا مکان کہ ان کے دینے کے لیے ہم کو قبائے اور دیگر سرکاری کاغذات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک خدمت گار اپنی خدمت منتقل کر سکتا ہے یعنی ایک آفاقی نوکری چھوڑ کر دوسرے کے پاس نوکر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جب ہم مولوی صاحب کو وعظ فرمانے کے لیے بلااتے ہیں تو عموماً ان کی تکلیف کے بدلے کچھ نقدی نظر کر دیتے ہیں یا شادی بیاہ کے موقع پر پڑھ و مینوں اور بھانڈوں کو گانے بجانے کے بدلے بیل وغیرہ دیتے ہیں۔ مگر دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا منتقل کرنا ناممکن ہے امیر آدمی اپنے روپے کے دور سے جنگل میں جنگل کر سکتا ہے۔ نہاردن آدمیوں کو اپنی خدمت کے لیے نوکر رکھ سکتا ہے لیکن اگر وہ خود بیمار ہو اور بیماری لا علاج ہے تو اپنا سارا مال و متاع خیر کر کے بھی کسی

دوسرے کی صحت نہیں خرید سکتا ہے۔ ولایت کے اٹھائے قیام میں ایک تصویر میری نظر سے گزری جس میں مصور نے نہایت خوبی کے ساتھ اس سٹے کا ایک پہلو دکھایا تھا۔ چونکہ میرے خیال میں وہ اس تصویر کے بڑا نقل تر رکھتی ہے اس سبب یہاں بیان کرنا غیر مناسب نہ ہو گا۔ تصویر پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہار کے موسم میں شام کا وقت ہے آفتاب ابھی غروب ہوا ہے اور چمٹ چٹا سا ہوتا جاتا ہے۔ دریا کے دوسری جانب بہت فاصلہ پر ایک عالیشان قلعہ واقع ہے جسکی دوری کے سبب اونچے اونچے برج بادلوں سے ڈھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس قلعہ کے دروازے سے ایک کچی ٹرک لپ۔ باتک چلی آتی ہے اور دریا کے کنارے ایک نوجوان لڑکی ایک سبز سیدہ انگریزی خاتون کے ساتھ ساتھ کھڑی ہے۔ ان کے چہرے اور لباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں بڑی عالی خاندان ہیں اور قلعے کے سن سیدہ خاتون تو افغانستان کی کوئی بڑی نواب زادی ہیں اور نوجوان لڑکی ان کی بہو۔ شام کے وقت ہوا خوری کے پے دریا کے کنارے ٹھٹھنے آئی تھیں اور اب انھیں رہتا دیکھ کر گھر کی طرف پلٹی ہیں۔ ان کا رخ اس عالیشان قلعے کی جانب ہے۔ فاصلہ پرستہ خیال کے لیے استاد وہ سہمہ دراستہ میں نوجوان مالون ایک فہم ہی ٹھٹھک گئی ہے اور اپنی صراحی دار گردن موڑ کر چشمے کے دوسری جانب کچی چسپنہ پر حشرٹ لگا ہیں ڈال رہی ہے چشمے کے اسطر پوسٹ کی ایک چوٹی سی جھونپڑی پڑی ہے اور اس کے دروازے کے باہر ایک پانی بجتی ہوئی ہے۔ جس پر ایک جوان عورت دھیتنوں کے سے پڑے پینے کو دیں اپنے نہنے بچے کو لیے بیٹھی ہے اور میٹھی میٹھی۔

نظروں سے اُس کے نکھڑے کوتھک رہی ہے۔ برابر ہی اُس کا نوجوان غاوند
 پیٹے پرانے کپڑے پہنے بچے کی طرف منہ جھکائے کھڑا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے
 کہ اپنی کشتی کو ابھی کنارے لگا کر اتر رہا ہے اور اپنے بچے کی صورت دیکھ
 دیکھ کر خوشی کے مارے پھولا نہیں ساتا۔ اس تصویر کے نیچے یہ الفاظ
 تحریر تھے۔ ”نقطہ دولت ساری نعمت نہیں“ جن سے اس سارے منظر کی حقیقت
 معلوم ہوتی تھی۔ اس یہ ہے کہ دنیا کے ہزاروں کام دولت کے ذریعے ہی
 ہو سکتے ہیں مگر وہ باتیں جو زور و جاہ سے زیادہ قیمتی ہیں اس سے ہرگز
 حاصل نہیں ہو سکتیں۔ دولت ہی صرف ایک اچھی چیز نہیں کہ لوگ اس کی
 تناکریں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ دولت ہماری ہزاروں حاجتوں
 کو رفع کرتی ہے اور ہم کو نعمتِ نعمت اور فاقوں سے محفوظ رکھتی ہے
 اس لیے ہم کو اس کی قدر کرنی لازم ہے۔

دولت کی فراہمی محدود ہے۔ دولت کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ
 یہ بے حد نہیں ہوتی بلکہ اس کی ایک محدود مقدار ہو کر ستر آسکتی ہے۔ اس کو
 کو بعض لوگ غلط خیال کریں گے اور وہ یہ کہیں گے کہ ہم تو روزمرہ دیکھتی
 ہیں کہ دولت کو دولت کھینچ رہی ہے۔ امیرون بدن زیادہ امیر ہوتے۔
 جاتے ہیں اُن کے پاس تو دولت کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی۔ امریکہ کے
 باشندوں کو دیکھو کہ جن کے پاس روپیہ پانی کی طرح بہتا ہے۔ مگر شال سے
 اس کی اصلیت اچھی طرح معلوم ہو جائے گی ہوا جو ہم کو چاروں طرف سے
 گھیرے ہوئے ہے اور ہماری زندگی کے لیے اتنی ضروری ہے دولت
 نہیں کہی جاسکتی کیونکہ جتنی مقدار کی ہم کو ضرورت ہوتی ہے سانس لے کر
 اتنی ہی لے لیتے ہیں اور اُس کی کچھ قیمت نہیں دینی پڑتی مگر اسی ہوا کی

مقدار کو محدود کر کے دیکھو تو فوراً دولت کی خاصیت پیدا ہوتی جائیگی مثلاً آجکل جو پانی کے نیچے تیرنے والی کشتیاں ایجاد ہوئی ہیں ان میں لامحالہ ہوا ایک محدود مقدار میں رکھی جاتی ہے تاکہ کشتی چلائے والوں کے کام آئے اور ہر ایک شخص کی صحت اور زندگی کے لیے جتنی ضروری ہے اس کے حساب سے اندر کسی خانے میں ہوا بھری جاتی ہے۔ اسی طرح گہری گہری کالوں میں ہوا کے محدود ہونے سے اس کی قیمت پیدا ہو جاتی ہے اور اس لیے کان میں کام کرنے والے کو اور قسم کی دولت کی طرح بعض اوقات اس کے خرچ میں بھی کفایت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن سطح زمین پر رہنے والوں کے لیے سارا کڑا ہوائی موجود ہے جو قوت چاہیں سانس لیں اور جتنی چاہیں استعمال کریں۔

یہ تو ہم نے دیکھا ہے کہ ہوا اگرچہ اتنی ضروری چیز ہے لیکن اس کی کچھ قیمت نہیں اب اس کے بالکل برعکس ہیرے کا حال ہے کہ اگرچہ اتنا قیمتی پتھر ہے کہ کوئی اور شے قیمت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن بہت کم استعمال میں آتا ہے زیادہ تر تو زیورات میں صرف ہوتا ہے اور بہت سافیشہ کاٹنے میں کام آتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس کے قیمتی ہونے کی بڑی وجہ کیا ہی ہے مگر یہ بھی لحاظ رہے کہ کسی چیز کے کیاب ہونے کا اثر ضروری طور پر یہ نہیں ہوتا کہ وہ قیمتی ہو۔ کیونکہ بہت سی ایسی دھاتیں ہیں کہ جو بہت کم متی ہیں لیکن چونکہ ان کا بھی تک کوئی استعمال نہیں معلوم ہوا اس لیے کچھ ہی قیمتی نہیں۔ دولت کی تیسری شرط اس کا کارآمد ہونا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل دنیا اس کی

اتنے شائق میں بلکہ اگر دیکھا جائے تو دولت کو ہم عام طور پر دولت اس سبب کہتے ہیں کہ وقت پڑے پر وہ ہمارے کام آتی ہے مثلاً ہمارے پاس اگر کھانے کے واسطے کوئی اشیائے خوردنی موجود نہیں اور بھوک کے مارے قتل ہو رہا ہے اس وقت ہیکورولی میسر آئے تو وہی ہمارے لیے دولت ہے کیونکہ وہ فاقہ کی تکلیف سے بچاتی ہے یا اگر ہمارا کسی وقت خوشبو سونگھنے کو جی چاہتا ہے اور ہمارے پاس ایسے ذرائع موجود ہیں جن سے مطلوبہ خوشبو حاصل کر لیں تو وہ چیز جو اس خوشبو کا باعث ہوگی دولت کا ایک جز ہے۔ علی ہذا بخارا تارے کی غرض سے جو دو الپی جاتی ہے اور اس کے اثر سے بخار کی حدت جاتی رہتی ہے تو وہ دو ابھی دولت کا ایک حصہ کہلائی غرض ہر ایک چیز جو براہ راست یا بالواسطہ ہماری خوشی کا سامان مینا کرے یا رنج و کلفت کی مانع ہو دولت میں شامل ہے۔ البتہ یہ سوال ذرا حل طلب ہے کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جو براہ راست ہم کو فائدہ بخشی ہیں اور وہ جو بالواسطہ مفید ہیں براہ راست سے یہ مراد ہے کہ مثلاً روٹی کا نوالہ جو منہ میں جاتا ہے وہ حقیقت براہ راست ہو کہ نفع پہنچاتا ہے مگر وہ چٹی جس میں آٹا پیسا گیا ہے اور وہ تو اجسیر روٹی پکانی گئی ہے بالواسطہ ہمارے آرام کا باعث ہوتے ہیں مگر بعض اوقات اس میں فرق دریافت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ انگلیوں نے جو نوالہ بنایا ہے تو ان کو بالواسطہ ذریعہ آرام کہیں یا براہ راست؟ بہر حال اس فرق پر زیادہ زور دینا اس مقام پر ضروری نہیں ہاں یہ بتا دینا لازمی ہے کہ چونکہ دولت کی اصطلاح میں مختلف

اقسام کی کار آمد اشیا شامل ہیں اس لیے آئندہ ہم ایک جزو دولت کو مال کر کے بھی خطاب کریں گے جیسے رونی۔ اون۔ چمڑہ۔ لکڑی وغیرہ مگر ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ چیزیں اس وقت تک مال نہیں ہو سکتیں جب تک کہ ہمارے کار آمد نہوں۔ مثلاً جنگلوں میں بڑے بڑے تناور درخت وہاں کٹ کر کٹے مال نہیں کہلائے جا سکتے کیونکہ اس صورت میں وہ ہمارے کسی کام کے نہیں لیکن اگر انہیں کو کاٹ کر اور ان میں سے اچھے اچھے شہتیر نکال کر بازار میں فروخت کرنے کے لیے لایا جائے تو وہ مال کی قسم میں شمار ہوں گے۔ اس حالت میں ان کی قیمت اٹھ سکتی ہے اور وہ ہمارے گھروں میں چیتوں کی کڑیوں یا چوبی ستونوں کے کام آسکتے ہیں۔ اس طرح چکنی مٹی کے جس کی شہر کے باہر تخی افراط ہوتی ہے اور جسکی وہاں بڑے بڑے کوئی قیمت نہیں لیکن اسی کو گدھوں پر لا کر ایسی جگہ پہنچا دیا جائے جہاں ضرورت ہو تو وہی مٹی مال کی ایک صنف ہے اور اس کا بیچنے والا بھی اور تاجروں کی طرح اپنے مال پر نفع کما کر زندگی بسر کرتا ہے لہذا معلوم ہوا کہ وہ اشیا کہ جن کی ہم کو وہل ضرورت ہو اور جو ہمارے کار آمد ہوں اور جن کی لوگ خرید و فروخت کر سکیں ان کو اصطلاح میں مال کہتے ہیں۔

روح

ناظرین تمدن براہ کرم خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں

نیمبر عصمت و تمدن دہلی

اِسْلَام

اُٹھی کیا ہوئی آخر وہ شہیتِ اسلام
کیسکے دل میں نہیں ہو وہ حریتِ اسلام
وہ وہ بدبند و مصلحت نہ ہتھام ہے وہ
کہاں ہے اب دُشمن نے میں شکتِ اسلام
بسانِ کھر بھی سر بلند تھا۔ اب تو
خمیدہ مثلِ برہنہ ہے امتِ اسلام

نجومِ خیمت کے پستی میں آج ساری ہیں

نہ آسمانِ چشم ہے نہ وہ تارے ہیں

تھی اک زمانے میں مشہور طاقتِ اسلام
ہر ایک ملک تھا زیرِ حکومتِ اسلام
یہ اوج پر تھا تارہ بلند بستی کا
کہ ہو چکی عرشِ معلٰی پہ شہرتِ اسلام
منگرنے کی گردش لے کہو یا سب کچھ
کہاں ہے زور کہہ رہے وہ دولتِ اسلام

کہوں میں کیا کہ کوئی حد نہیں غنیمت کی

پینلسی تو علامت ہے، پینسیبی کی

جہاں میں غیرتِ غلبہ بریں تہا یہ گلشن
خزاں نے کر دیا تاراج اسے بچشمِ زون
کھلے نہ پھول، نہ ساور پیر نہ وہ بہار آئی
بدل چکا کئی باری نظامِ حرج کہن
لیسے لوٹ زرِ گل کو خوشہ چمنوں نے
نصیبِ بیکو گلیں نے بہرِ یادِ سن

مجاڑ دشت کی صورت یہ لالہ زار رہا

گزر جانے کی آنکھوں میں پھر بھی خار رہا

جزیرِ دست تہی کرتی ہیں اب زبردستی
چڑھی ہو یادہ دولت کی ایسی کچھ دستی
خدا کی شان ہے پست اوج کے طالب
جواوچ والے تھے او کو نصیبِ پستی
خیال میں ہی سودا یوں کے شاہی کا
بناتے پرتے ہیں اپنی نئی نئی بستی

یہ چاہتے ہیں پہنچ جائیں حبِ حکومت کو

مکالمیں شہر سے تیرے بنی کی اہمیت کو

ہمارے پاس وہ اب زور و زور نہیں۔ نہ یہی مارا اور حکومت اگر نہیں۔ نہ یہی۔

وہ جا بجا اگر ہیں تو کچھ نہیں پر وہ وہ جلتے ہیں ہیں کچھ خبریں نہ یہی

ہیں جو کرتے ہیں بڑا نام سنگدل ناحق ہماری آہ سے اُنکو حذر نہیں۔ نہ یہی

بگڑ گئے تو مصیبت کا دن دکھائیں گے

جو روئے ہم تو انہیں لاشخ و لائیں گے

تجھے بھی کیا نہیں باب بنی کر دین کا پاس بجاری خواری و زاری کا کچھ تو کر احس

ساتھیں مال لے بقیہ ارہم کس کو ہمیں تو تیرے سوا اور نہیں کسی کی اس

مٹانا اگر تجھے منظور ہے جہاں سے ہیں پلائے گبول کے پانی میں یرو الماس

نشان دین بنی مس کے خاک ہو جائے

عدو ہوں خوش جو یہ قصہ ہی پاک ہو جائے

تجھے خبر ہے جو اسلام نے کیے ہیں کام کیا جہان میں روشن اسی نے تیرا نام

نشان خلق کو تیرا کہیں نہ بستا تھا بنا گئے ترا گہرند گاہ نیک انجام

بھرا تھا کفر و فحشا سے غائب باری صفائے قلب کے کس نے کیا تافہا تمام

جمائے مہربوت پہ پھر قدم کس نے

زمین پہ پھینک دیئے تو طر کر عنم کس نے

بلند شہرہ کیا کس نے تیری وحدت کا دکھایا خلق کو جلوہ تری جلالت کا

دکھائے معرکہ اسلام کی شجاعت کا بٹھایا سکے زمانے پہ اپنی سمیت کا

دیاد باکے زبردست زیر دست کیے دکھایا دور اک عالم کو اپنی قوت کا

روہ گریز ہی دشمن چہنت تنگ ہوئی

کمان ملنے میں خبری کوئی جنگ ہوئی

عمرات لکھنؤ

شمالی ہند میں لکھنؤ سب سے زیادہ قدیم اور تاریخی شہر ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے اور جس کے گزشتہ افسانے زبانِ سرِ خاص عام ہیں۔ اس کا قدیم نام ”لکھنا پری“ تھا جو اس کے بانی ”لچھن جی“ کے نام سے مشتق تھا اور ہندوؤں کی کتب قدیمہ میں اس کا ذکر موجود ہے اسلامی تاریخوں میں اس کا نام ”لکھنؤتی“ درج ہے اور بعد کو کثرت استعمال سے صرف ”لکھنؤ“ رہ گیا۔ سوچ منسی خاندان کے عہد حکومت میں جب ”اجودھیا“ کو سارے ہندوستان کا دارالسلطنت ہونے کا فخر حاصل تھا اور ”راجندر جی“ نے لنکا سیلون کو فتح کر کے اپنی موروثی سلطنت کے حدود اور بھی وسیع کر لیے تو ان کے وفادار بھائی ”لچھن جی“ نے اجودھیا کے قریب لکھنا پوری کی بنیاد ڈالی۔ اس قدیم عہد کی ایک نشانی ”لچھن سیریل“ اب تک موجود ہے جو سارے شہر سے زیادہ بلند ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس زمانے کے کسی قلعہ کے آثار ہوں۔ کیونکہ ہندوؤں کے قدیم شاستروں میں قلعہ کی تعمیر کے لیے سب سے زیادہ بلند مقام کی ہدایت کی گئی ہے۔

یسرے زمین سوچ منسی خاندان کے زیر حکومت کب تک رہی اسکی صحیح تاریخ بتانا غیر ممکن ہے۔ کیونکہ رامائن کے عہد سے موجودہ زمانے تک بے انتہا انقلابات ہو چکے ہیں اور ہزاروں خانہ جنگیوں کے علاوہ مشہور بودھ مذہب، آناٹر اسیلاب تھا جو دیک تہذیب و تمدن کے نشانات تک کو بہائے گیا تھا۔ صدیوں کے عروج کے بعد بودھ مذہب کو بھی

زوال ہوا اور برہمنی دور شروع ہوا، لیکن مٹے ہوئے نشانات پھر قائم ہو سکے۔ برہمنوں کے سب سے بڑی حامی راجہ وکرا دت کی کوشش سے اجودھیا پر آباد ہو گئی اور اس کو اس قدر مذہبی عظمت دی گئی کہ وہ ایک تیسرے یا زیارت گاہ ہو گئی۔ لیکن لکھنؤ میں کبیرا س کے کہ برہمنوں کا ایک مرفہ حال فخر آباد ہو گیا۔ اور راجپوت دوبارہ حکومت کرنے لگے اور کچھ پٹانہیں چلتا۔ جب ہندوستان کی حکومت اہل اسلام کے ہاتھ آئی اور افغان اس ملک کے حکمران ہوئے تو ہند کے دو سب سے حصوں کے ساتھ اودھ بھی ان کے زیر نگین ہو گیا جو اس سے پہلے قنوج کے چوہان راجپوتوں کے زیر نگین تھا۔ امتداد زمانہ سے ان افغانوں کے بھی کئی فرقے ہو گئے اور بالآخر ایک فرقے آدھ میں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی جس کے فرمانروائے ترقی پٹان کہلاتے تھے اور جن کا دار الحکومت جو پور تھا۔ جو پور اور اس کے مضافات میں ان کے عہد کی کثیر تعداد بظہیر عمارتیں اب تک موجود ہیں۔

لیکن لکھنؤ میں اس عہد کی کوئی عمارت نہیں پائی جاتی۔ ایک عرصہ دراز کے بعد جب مغلوں نے حملہ کیا اور افغانوں کی حکومت تاراج کر کے لاکھ میں چلی گئی تو شاہی کے قریب مسلمانوں کا ایک فرقہ لکھنؤ میں آباد ہوا۔ انہیں عام طور پر شیوخ لکھنؤ کہتے ہیں۔ انہیں اور قدیم برہمنوں میں نہایت دوستانہ برتاؤ قائم ہے اور دونوں اپنے اپنے فرائض مذہبی نہایت آزادی سے ادا کرتے رہے۔ البتہ دونوں فرقوں کی آبادی کے مرکز جدا جدا ہے۔ اس زمانہ میں یہاں صرف ایک چھوٹا قلعہ موجود تھا جو کھٹا قلعہ کہلاتا تھا۔ اس کے بعد شاہ ہنسا صاحب کی مدگاہ تعمیر ہوئی

۱۱۱۱ "کھٹا" ایک امیر سردار کا نام تھا جو مسلمانوں کے ابتدائی عہد میں یہاں کا حاکم تھا

جو موجودہ عمارت میں سب سے پرانے عمارت تھی یہ ۱۵۵ء کے ہنگامہ ہند
میں ہمار ہو گئی جس کی جگہ پر شاہ موصوف کی موجودہ درگاہ قائم ہے ۔
پس یہ جلیل کار و خدمت بھی اسی زمانے کی یادگار ہے جو بنیاد پر خستہ حالت میں
اب تک موجود ہے۔

جب دربار اکبری سے شیخ عبدالرحیم کو لکھنؤ اور گوج کے علاقہ بطور جائگیر
عطا ہوئے تو انہوں نے لکھنؤ قلعے کی از سر نو مرمت کرائی اور اس کے ساتھ
کئی نادر عمارت کا اضافہ کر کے اس کو اپنا محل قرار دیا۔ آج شیوخ کو یہاں
بہت عرصے تک عروج حاصل رہا۔ حتیٰ کہ بہادر شاہ اول کے عہد میں
شیخ ابوالکارم کو اودھ کی صوبہ داری بھی عطا ہو گئی۔ اس سے پہلے
اورنگ زیب کے عہد میں ذوالی خاں یہاں کا صوبہ دار تھا۔ ان سب کا مقام
لکھنؤ ہی تھا۔ یہاں تک کہ خاندان نیشاپور کے اول حکمران نواب برہان الملک
کا دار الحکومت بھی یہیں قائم رہا۔ لیکن ان کے جانشین نواب صفدر جنگ
نے فیض آباد میں چند عمارتیں تعمیر کرا کے وہاں بود و باش اختیار کی۔ ان کے
بعد نواب شجاع الدولہ نے فیض آباد میں بہت سی عمارت کا اضافہ کیا
وہ ان کے عہد تک اودھ کا دار الحکومت فیض آباد ہی رہا۔ لیکن آصف الدولہ
کے عہد میں اس صوبے کا دار الحکومت پھر لکھنؤ کو منتقل ہو آیا اور موجودہ
لکھنؤ حقیقت اسی عہد کی یادگار ہے جو رفتہ رفتہ ایک عظیم الشان شہر
کے درجے پر پہنچ گیا اور جس کی شان و شوکت نے ساحل عالم کی پہچان
میں سیرگی پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ اس کے مجموعی نظارے کے متعلق

(بقیہ نوٹ) اس زمانے میں بہت سی بیچ توین مثلاً "بہار تملہ" اور "میر غیس" اور
وقت پر گئی تھیں کہ انہوں نے اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں۔

بعض مغربی سیاحوں کی رائے حسب ذیل ہے :-

”یہ شہر خوبصورت اور عالیشان عمارتوں کا ایک گنجینہ ہے۔ بنی بنی خدی
”انکھوں میں چکا چوند پیدا کرتی ہے۔ ان پر طلائع نیند جگر کا رہتا
”ہیں اور بے شمار بلند مینار و منبر سبھی کلبساں نند میں جو اپنی
”اس عالیشان عظمت کا ثبوت دیتے ہیں جن کے لیے وہ مشہور ہیں۔“

(منظر)

”تا سبغ و ب، ہو رہا ہے اور اس عظیم الشان شہر کا شور و غل کہ کسی قدر
”نمی چہ ہے۔ سرسبز و شاداب باغات پر تاریکی چھائی ہوئی اور ہمارے
”ارگوں، دور و نزدیک ہستیاں بلالائی برج و دینار میں جو شعلوں کی
”طلح دکھ رہے ہیں۔ یہ نظارہ نہایت ہی تابناک ہے جو ہر
”کے سیر دنی بچا کھ سے مشابہ ہے۔“ (ٹیسٹر)

”اس شہر کے نظارہ کا مشرق میں نہایت ہی خوبصورت شہر
”ہے تمام تقاضے سے پاک ہے۔ صرف بنارس اس کا مقابل
”یا مشرقی قاہرہ نہیں میں نے بحشم خود دیکھا ہے۔ اس کا
”نظارہ اس قدر خالص شہر کی انداز پر مبنی ہے کہ ایک ایسے
”شخص کے لیے جو مشرقی ممالک میں رہا ہو اس کی حقیقت بیان
”کرنی غیر ممکن ہے۔ بیشمار شاہی محلات۔ پبلک عمارتیں
”مندروں اور سجدوں کے عالیشان گنبد اور مینار شہر کو
”اس طرح اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہیں جس طرح
”چاند کے گرد ہالہ“

(Ireland's From Wall
Street to Cashmere
1853)

"ایک پوسٹ خانہ، ایک مالیشانی لون، سینا میں سبز چمن
اور سنہرے گنبدوں، جھیل پتو، نوٹش گیموں، پوپل، پورٹوکی
لمبی قطاروں، ہوا چھتوں کے مرتفع ایوانات (جو مکن تاج)
"چکیلہ بنروزاروں کے مندر سے نکالے ہوئے) کا پرستان،
"سیلو، ایک دیکھتے چلے بازار نام چھبنا پیدا کرنا ختم نہ ہو جس کے
"بسط میں خوبصورت شہر کے گنبد جگمگا رہے ہیں، آفتابی
"شعاعوں سے سونے کی چمک، دیکھ کا لطف، شہر کی نظم اور
"گنبدوں کی چمک سے شہر، منطقہ البروج کا گمان ہوتا ہے،
"سارے شہر میں کوئی بداعادہ نظر نہیں آتی۔ یہ شہر کہنہ
"چیمبر سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ فن معاشی کے اعلیٰ نمونے
"جو ہے، ماسٹر پیمبر ہوا ہے ہماری آنکھوں پر، "سب سے
"پیدا کرتے ہیں۔ طلائی میناروں اور گنبدوں کی چمک دیکھتے
"سارا قہر اٹھ کر نہ رہتا۔ بے روم۔ اچھوت، قسطہ، ٹائیڈ اور
"شہر میری نظریں سے گزر رہا ہے۔ میں کوئی اس کے برابر
"خوبصورت اور کس شہر کی مانند نہیں جانتا۔ میں اس سے زیادہ
"غور سے دیکھتا ہوں، اس میں درخت، پیرس کی عورتوں کی زیادہ بچ

ہوتی ہیں۔
(Russell's diary 1853)

خصوصیات تعمیر و اقسام تعمیرات

لکھنؤ کی تمام عمارتیں عموماً خشکی ہیں جن میں اینٹ اور چونے کے سوا دوسری چیزیں نہیں استعمال کی گئیں پتھر یہاں عموماً کیاب تھا۔ اور لکڑی اگرچہ کثرت سے موجود تھی تاہم وہ بھی خال خال استعمال کی گئی ہے پتھر کی کیابی نے یہاں کی عمارتوں کو دہلی و آگرہ کی عمارات کی طرح بلند و مرتفع نہیں ہونے دیا، لیکن یہاں کے معماروں نے اینٹ اور چونے سے وہ کام لے لے کر اون کی تعمیرات میں پتھر کی سی صفائی اور استحکام پیدا ہو گیا۔ ہے۔ ان کی بنیت کاری میں سنگتراشی کی صناعی اور آب و تاب موجود ہے اور صدیوں کی بے مرستی پر بھی ان کی مضبوطی میں سرق نہیں آیا ہے۔ بعض بعض عمارات میں اگرچہ استعمال ہوا ہے تو محض چھوٹی چھوٹی برجیوں اور طاق و رواق میں جہاں خشکی صناعی کی گنجائش نہ تھی اور وہ بھی عمارت کے بالائی حصے میں تاکہ اسکا نظارہ دل فریب ہو جائے۔ ان عمارات میں عموماً بہت چھوٹی قسم کی اینٹیں استعمال کی جاتی تھیں جو چونے کے ساتھ اس طرح پیوستہ جاتی تھیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنا مشکل تھا۔ چونکہ عام طور پر پیپ اور گہونگوں کو پونہ لک کے بنایا جاتا تھا۔ چھوٹی اینٹوں کے استعمال سے نہ صرف عمارت کا استحکام مد نظر تھا بلکہ فن معر سی کے بہتے صیغوں میں مدد دیتی تھی جس سے مینڈیروں اور کاشیوں کی نازک صناعی میں آسانی ہوتی تھی جو دوسری صورت میں ممکن نہ تھی۔ عمارات کے بالائی

حصوں میں جو در سے نظر آتے تھے زیادہ شاندار بنانے کے لیے
منڈیروں کی جگہ مختلف قسم کی برجیوں، گلہ سٹوں اور طاقتوں کی قطاریں
قائم کی جاتی تھیں اور دوسرے کھلے حصوں میں بھی عمدہ قسم کی صنایعی کھائی
جاتی تھیں۔ چنانچہ پرے کی قتالی دیواروں میں بھی فرضی محرابیں وغیرہ قائم
کر کے عمارت کے بیرونی حصوں کو دلفریب کر دیا جاتا تھا۔ لیکن تعمیر
صنایعوں کی زیادہ کثرت عمارت کی روکار اور اس کے اندرونی حصوں
ہوتی تھی اور مسرابوں میں نسبت کاری کی انتہا کر دی جاتی تھی جو لکھنؤ کی طرز
تعمیر کی خاص خصوصیت تھی۔

۱۔ اقسام تعمیرات میں۔ محلات و مکانات، مساجد و مقابر وغیرہ ہر قسم کی
عمارتیں شامل ہیں۔ ان میں معمولی درجوں کے علاوہ حوض، حمام، تہ خانے
اور بستان سرا بھی ہوتے تھے۔ بڑے بڑے محلات میں دیوان خانے بھی
قائم کیے جاتے تھے اور مجلسائیں بھی ہوتی تھیں۔ بارہ دری بھی ایک
قسم کی پبلک عمارت تھی جو شادی خانوں کا کام دیدیتی تھی۔ پشتیر سب
عمارتیں ایک ہی چار دیواری سے محدود ہوتی تھیں اور اس مجموعے
کو ”محل“ کے نام سے خطاب کیا جاتا تھا۔ ان محلات کا صدر دروازہ عموماً
نہایت بلند اور کشادہ ہوتا تھا جس میں عمارتی دار ہاتھی آسانی سے
گزر جاتا تھا اور اس کے بالائی حصے میں نہایت خوبصورت درجے قائم
کیے جاتے جو خوبت خانہ کا کام دیتے تھے۔ عام پہانگوں میں تاج پو
اور مچھلیاں، الترنائیاں جاتی تھیں جو شان اور دھ کا خاص معرکہ تھا
گنبد اورینارند ہی عمارت کے لیے مخصوص تھے تاہم بعض بعض
شاہی محلات میں بھی نفیس گنبد نظر آتے ان میں کمرہ بھی گنبد غالباً

نیشاپور کی طرح سر تعمیر کی روانہ نہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آصف الدولہ کی مشہور مسجد اور حسین آباد و آرمی جگہ وغیرہ میں یہی قسم کے بناؤ نظر آتے ہیں۔ شہر کے کئی کانٹین اور نصیر الدین جہد کی قبرستان میں بعض عربی طریقہ کے گنبد و مینا میں جو بنائے گئے ہیں، ان سے بہت زیادہ سادہ اور سفاک ہیں۔

البتہ و مابعدہ علاوہ اوجہی بہت قسم کی تعمیرات میں جو لکھنؤ میں خاص حشمت کہتی تھیں، مثلاً تالاب اور پل، ہزار ہا دہائی وغیرہ۔ انکی شہر میں خاص کثرت تھی۔ تاہم اب عموماً مریج ہیں جن کے چاروں طرف خستہ شیریں کی قطاریں قائم ہیں انہیں بعض بالکل کھیلے ہوئے ہیں جیسے راجہ کی تہہ۔ اسے "کاتالاب" اور بعض مختلف قسم کی عمارات کا مجموعہ ہیں۔ جن میں مردانے اور زنانے گھاٹ جدا جدا قائم کئے گئے ہیں اور ان کے

ساتھ دوسری عمارات کا بھی احاطہ ہے جن سے ان کا نظارہ بہت دل فریب ہو گیا ہے۔ اس قسم کے تالابوں میں حسین آباد کا تالاب اور "پتھری والا تالاب" واقع دولت خانہ آصف الدولہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حسین آباد کا تالاب جس کی بیشتر عمارات اب منہدم ہو گئی ہیں متعدد عمارتوں کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر طرف نہایت خوبصورت مریج او اور گوشکیں قائم تھیں اور شاہراہ کی بائیں جانب زندہ حیوانات کے کمرے

تھے جن میں شیریں، بچہ، پارسیہ اور دو سستہ بنگلی درندے بندرتھے تھے۔ پلوں کی ساخت مختلف قسم کی ہے اور سب میں محرابیں لازمی طور پر موجود ہیں۔ انہیں زیادہ بالکل خستہ ہیں جیسے آصف الدولہ کا پل جو صرف عام میں "پچا پل" کہلاتا تھا اور حال ہی میں منہدم ہوا ہے۔ نہانہ شاہی میں اس کے ارد گرد بہت بگھان آبادی تھی اور خاص پل پر سپر کو

محسن بر سرِ نوحہ حافظ علیہ الرحمۃ

تا دل اندر خم آن زلف و توانقام عقل میں ہوش و خرد جملہ پیش و آدم
نہیب ملت و آئیں ہمدرفت از یادم فاش میگویم و از گفته خود و نشادم

بندہ عشقم و از ہر دو جهان از آدم
طافتم گشتہ ز بیداد تو لے گرد و نالاق ز خدا فرو دل من بہت فراق اشتاق
یقہستی است بے بر من محنت زدہ شاق طائر گلشن قدسم چہ وہم شرح فراق
کہ دریں داکہ حسادۃ چون افتادم

نہیں مکن و جا عالم بالانتم بود بلکہ بر کنگرۂ عرش بریں چایم بود
چہ وہم شرح کجا مکن و مادانم بود من ملک بودم و فردوسن برین عالم بود

آدم آورد دین و خیر سرب آبادم
قصر و نہرین بام بلور و لب حوض روبرو جلوہ دیدار حضور و لب حوض
چہ وہم شرح دلا حور و لب حوض سایہ طبری و دجوتے حور و لب حوض

بہوشتے سر کوئے تو برفت از یادم
نامہا پند و نصیحت تودہ و دیگر بار گر چہ صدار نمودی و نمائی تو ہزار
من نہ آنم کہ ز خاطر دوم ہر نگار نیست بلوح دلم جز الغف قامت یار

چہ کنم حرف و گریا و ندا و استادم
بر سرم پرخ جفا پیشہ بلا با انداخت بلکہ از آتش حسرت بگرم را بگذاخت
چہ کنم قسمتم این است ہمد و امید سامنت کوکب بخت مرا بیچ منجم نشاخت

یارب از ادا و گیتی بچہ طالع دادم

شدہ تانزل من گوشہ ویران عشق گشتہ ام عاشق و گشتہ دیوانہ عشق
مست گشتہ بہ یکے جرعت ز پیمانہ عشق تاشدم حلقہ بگوش و برینہ عشق

ہر دم آید غم از تو بہ مبارک باد دم

آپنہ گوئم تو بیدل ہمہ آن باشد است گر شوی غول و چکی از قرہ با بر تو است
دیدہ اگر گریہ اگر کور شود ہم با باست میخور و خوں دلم مرد یک دیدہ ہر سزا
کہ چہ سزا دل بجز گوشہ مردم دادم

شہید

یا سہیل - پروفیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم - اے مصنف

خواب ہستی کا دور سرائی اور تہذیب انجمن کی سبلی کتاب جس کے

واسطے عرصہ سے لوگ بے چین تھے چھپ کر تیار ہو گئی ہے

اس کتاب میں قابل مصنف نے بنگالہ کی ایک نازنین یا سہیل

کا واقعہ اس قدر دلچسپ اور پر لطف لکھا ہے کہ بے ساختہ داد بخانی

پڑتی ہے قابل مصنف کا اسم گرامی بتا سکتا ہے کہ کتاب کس پائے

کی ہو گی قیمت ایک روپیہ (عدرا) علاوہ محصول ڈاک وغیرہ

لڑکوں کی انشائیں حایان تعلیم نوان کی عرصہ سے خواہش تھی کہ

کوئی انشائیہ لکھ سکے واسطے مولوی محمد عبدالرشید صاحب انجمن

کی قلم سے نکلے لطف زبان کے واسطے کچھ لکھنا بے سود ہے

ہر خط ایسا موثر ہے کہ ایک ایک حرف کیجھ پر گرتا ہے قیمت

ایک روپیہ ناظرین محنت و تہذیب سے آواز آئے (ہو)

نیچریت و تہذیب

بیوی

میرے نظریے اکثر ایسی مثالیں گزری ہیں جن میں عورتوں نے بڑی بڑی مصیبتوں کا مقابلہ نہایت ہمت اور صبر کے ساتھ کیا ہے۔ وہ مصائب جسم و دل کے بھی کمر ہمت توڑ ڈالتی اور ان کو بالکل عاجز کر دیتی ہیں۔ عورتیں ان کا مقابلہ اپنی تمام قوت کے ساتھ کرتی ہیں جن سے ان کی کیکر بٹس کی عظمت اور بالاتری ثابت ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض مرتبہ ان کی جدوجہد بڑے بلند پایہ پر پہنچ جاتی ہے۔

ایک عورت کا جس کے قوائے جسمانی کمزور ہیں اور وہ ہرام میں اپنے خاوند کے مطیع ہے۔ جو زندگی کی چھوٹی چھوٹی مشکلات کا سامنا روزانہ کرتی رہے اور باوجود اس کے آرام آسائش سے لبر کر تی ہو کسی ناگہانی آفت کے آجائے پر اپنی دماغی قوت سے کام لے کر اپنے خاوند کا بڑے وقت میں معاون و مددگار ہونا، اور نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ مصیبت کا سامنا کرنا، اس سے زیادہ اور کیا بات دلوں پر اثر کر سکتی ہے ؟

جس طرح کہ انگور کی بیل کسی بڑے درخت کے تنے کے ارد گرد چڑھی رہتی ہے اور جب وہ مستحکم درخت بجلی کے گرنے کے اثر سے گر پڑتا ہے تو انگور کی بیل اسی طرح اس کو چھٹی رہتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہ وہ اپنی نازک پتھریوں سے اس کو تسلی دے رہی ہے اور اس کی ٹوٹی ہوئی شاخوں کو ملائے رکھنے کی کوشش کر رہی ہے، اسی طرح اس صانع عالم نے یہی بات عورت میں رکھی ہے جو اپنے خاوند کے عیش و آرام

کے زمانہ میں اسکی مطیع اور گہر کی زینت ہے، مگر اُس کے کسی بلائے ناگہانی میں گرفتار ہو جانے پر وہی بیوی اُس کی مؤنس اور مددگار بن جاتی ہے ہمت بڑھاتی ہے، اور اس کے شکستہ دل کو ٹوٹا بس بندھاتی ہے اور شریکِ حال ہو جاتی ہے،

میں ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو اُس کی شادی کی مبارکباد دے رہا تھا۔ اُس کی بیوی بچے اس کے چاروں طرف جمع تھے ان میں باہم بڑی محبت تھی۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارے لیے اس زیادہ اور خوش قسمتی نہیں سمجھتا کہ تم بھی بیاہ کر لو اگر تم بالدار ہو تو وہ تمہاری دوست کی شریک ہوگی اور اگر تم غریب ہو تو تمہاری راحت و آسائش کا ذریعہ۔ اور اس بات کا مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ ایک تنہا آدمی کی نسبت ایک شادی شدہ مرد کو کسی مصیبت سے نجات پانے کا زیادہ موقعہ حاصل ہے کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ ان لوگوں کا خیال کر کے جن سے اُس کو محبت اور جن کا دار و مدار اس کی روزی لگا کر لانے پر ہے، خوب دل لگا کر ہر قسم کی منت و مشقت کرتا ہے لیکن زیادہ تر اس وجہ سے کہ کچھ تو اس کے تفکرات گہر کی دلچسپیوں سے کم ہوتے ہیں اور کچھ یہ سمجھتا کہ اس کو تعویذ ہوتی ہے کہ خواہ دنیا میں اُس کے لیے سوائے تاریکی کے کچھ ہی نہ ہو تاہم گہر کے اندر محبت کی ایک چوٹی سی دنیا قائم ہے اور وہ اس کا حکران ہے۔ لیکن ایک تنہا آدمی ایسی صورت میں اپنے آپ کو اس دنیا میں اکیلا اور بے یار و مددگار پا کر اپنی تمام ذمہ داریاں بھول جاتا ہے اور اسکا دل مانند اُس عارت کے جس میں کوئی آباد نہ ہو چاروں طرف ویران منظر دیکھ کر بیٹھ جاتا ہے +

یہ باتیں مجھ کو ایک واقعہ کی یاد دلاتی ہیں جس کو اگر ایک گہر کی چوٹی سی کہانی کہیں تو بیجا نہ ہو گا۔ میرا ایک دوست انجلی نام تھا۔ اس نے ایک خوبصورت اور سلیقہ شعار لڑکی سے شادی کی تھی۔ یہ لڑکی فڈیشن کی بڑی دلدادہ تھی لگژر وہ کچھ مالدار نہ تھی لیکن میرا دوست متول آدمی تھا۔ وہ یہ خیال کر کے کہ اس کی بیوی ہر ایک بچپ ہم میں شریک ہوا کرے گی، بہت خوش ہوتا تھا وہ اس خیال پر بہت خوش ہوا کرتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے لیے عمدہ اقدار کی تمام چیزیں میسر کرے گا، مین سے عورت کی دلربائی پر خوشگوار اثر پڑتا ہے، یہاں تک کہ اس کے زندگی ایک طلسمات کا نمونہ اور وہ ایک ہری کمال بن جائے گی۔

ان دونوں کے طبیعتوں کا اختلاف ایک نہایت عمدہ مجموعہ بن گیا۔ میرا دوست فدا سنجیدہ اور خیال پرست تھا اور اس کی بیوی زندہ دلی کے عہد تصور تھی۔ میں نے بار بار دیکھا ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی بیوی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ اور جب کبھی میں اس کی بیوی کی تعریف کرتا تھا تو اس کی نگاہ فوراً اپنے خاوند کی طرف پڑتی تھی گویا اس پر پتہ اور ناپسند کا انحصار ہے۔ جب وہ اس کے کندھے پر جھک کر کھڑی ہوتی تھی تو اس کا نازک اندام اور اس کا قومی بدن، دونوں کر ایک دلکش سین، پیش نظر کرتے تھے۔ جب یہ ایک مشتاق اور پُر اعتماد نظر سے اس کی طرف دیکھتی تھی تو اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں ہو جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کے بار محبت سے دبا جاتا ہے۔ آئندہ خوشیوں کی اُمیدوں کے ساتھ شادی کے گلہ زراستہ میں ان سے بہتر کسی اور میاں بیوی کو چلنا نصیب نہ ہوا۔

بدقسمتی سے میرے دوست نے اپنا تمام روپیہ تجارت میں لگا دیا۔ اور شادی ہوئی۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس نقصان اٹھانا پڑا اس کی تمام دولت برباد ہو گئی۔ وہ بالکل مفلس ہو گیا۔ ایک عرصہ تک اس نے اپنی حالت کیلئے نہ بتائی۔ لیکن اس کا دل ٹوٹ گیا اور اس کے چہرے پر ہنس رنگی چھا گئی۔ اس کی زندگی کے حالات جان کئی تکلیف سے کم نہ ہتھو۔ اور وہ اس واقعہ کو افسوس نظر کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ لیکن محبت کے تیز اور دور بین نظر مار گئی اور وہ اس کے دل کا حال جان گئی اس نے اس کا خاندان جو اصل حال چھپانے کی کوشش کرتا وہ اب ساکھ جاتی، وہ اس کے خوش کرنے اور دل بہلانے کی باتیں کرتی تاکہ اس کا غم غلط ہو سکے اس سے غم کا تیرا اور گہرا بھیتا چلا گیا جس قدر وہ اپنی بیوی کو معمول سے زیادہ محبت کرتے پاتا اس قدر اس کو یہ خیال کر کے رنج ہوتا، کہ میری بیوی پر بھی یہی غم کا پہاڑ ٹوٹنے والا ہے۔ وہ یہ سوچنا تھا کہ کچھ عرصہ بعد یہ خندہ پیشانی جاتی رہے گی، اس کے گیت، گلے چھٹ جائیں گے اور اس کی آنکھوں کی چمک رنج سے دھندلی ہو جائیگی اس کا خوش حشر دم دل جواب سینہ کے نیچے ہنایت آہنگی حسرت کر رہا ہے اس مصیبت سے آگاہ ہو کر ایک وزنی شے کی مانند بیٹھتا چلا جائے گا۔

آخر کار وہ ایک روز میرے پاس آیا اور نہایت مایوسی کے ساتھ اپنا ماجرہ بیان کیا۔ جب میں سبب سن چکا تو میں نے دریافت کیا کہ تم نے اپنی بیوی کو بھی خبر کی یا نہیں؟ اس سوال پر وہ بے اختیار رنار و قطا رو یا اور مجھ سے رو کر کہا خدا کے واسطے مجھے حشر کرو، اور میری

بیوی کا نام مست لو، اسی کی مصیبت کا خیال تو مجھے پاگل کیے دیتا ہے۔
 میں نے کہا اس سے کیا فائدہ۔ آخر اسے معلوم ضرور ہو جائیگا۔ تم
 اس سے یہ واقعہ کب تک چھپاؤ گے۔ اگر اسکو یہ خبر اور ذرائع سے لگ گئی
 تو اسی اور بھی زیادہ سنج ہو گا۔ ہمارے خود کہہ دینے سے اس کو کچھ طمینان
 ہو جائے گا کیونکہ ایسے شخص کا طرز بیان جس کو ہم سے محبت و محنت سے
 سخت چیز کو بھی نرم کر دیتا ہے، علاوہ ازیں تم اپنے بیلن اس کی ہمدردی
 سے ہی محروم کر رہے ہو، امر دیتے ہی نہیں، بلکہ تم اس پرستہ محبت کو بھی
 جو دو دلوں کو یکساں لانے ہوئے ہے، کمزور کر رہے ہو۔ اسے بہت جلد
 معلوم ہو جائیگا کہ کوئی چیز پوشیدہ طور پر تمہارے دل کا شکار کر رہی ہے
 اور سچی محبت میں کوئی بات چھپایا نہیں کرتے، خاص کر اس صورت میں
 جبکہ طرفین میں سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو، اور دوسرے کو خبر نہ کی جاوے
 کیونکہ اس سے یہ گمان پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید اس کو میری محبت کم ہے
 جو مجھے اپنا راز دار تصور نہیں کرتا،

زلزلے نے کہا تیرے پیارے دوست! بھلا یہ تو خیال کرو، کہ اسکی تمام
 آئندہ امیدیں کس طرح پامال ہو جائیں گی؟ یہ کہہ کر کہ اب تیرے خاوند
 اور نصیب میں کوئی فرق نہیں، اس کی روح کو کیسے صدمہ پہنچاؤں؟
 میں اس سے کیسے کہوں، کہ اب جتنے دنیا کی تمام نعمتوں اور سوسائٹی
 کے تمام تکلفات سے دست کش ہونا پڑے گا؟ اور میرے ساتھ بچہ کو
 بھی مفلسی اور گناہی کا شکار بننا پڑے گا؟ آہ! میرا اس سے یہ کہنا کہ میں
 بچہ کو اس روشن راستے سے جس پر تو بے خوف چل رہی تھی، ہٹا کر ایک
 تاریک گڑھے میں ڈال دیا ہے! وہ بیوی جو ہر ایک آنکھ کو روشنی بخشتی

تھی اور ہر ایک جس کی تعریف کرتا تھا کس طرح مفلسی کے کٹھن رہتے طے کر سکتی ہے؟ وہ ناز و نعمت سے بڑھی پئی، وہ کس طرح، لوگوں کی بے پردہائی گوارا کرے گی؟ وہ سوسائٹی کے دیوی تھی، آہ! اس کے بتا دینے سے اس کا دل ٹوٹ جائے گا! اسے شک اس کا دل ٹوٹ جائے گا!

میں نے یہ خیال کر کے کہ بے حد رنج کے باعث یہ اس قسم کی تقریر کر رہا ہے اسکو زور دیا۔ جب اس کا جوش کچھ کم ہوا۔ اور وہ چپ ہوا تو میں نے نہایت احتیاط کے ساتھ پیردہی ذکر چھڑا۔ اور اس کو صلاح دی کہ وہ اپنی بیوی کو سب ماجرہ کہہ نہ دے۔ اس نے میری بات کو قبول نہ کیا پھر میں نے کہا تم کس طرح اس سے چھپا سکتے ہو؟ یہ ضروری ہے کہ وہ اس واقعہ سے آگاہ ہو اور پھر تم دونوں کو مناسب حال تدبیر اختیار کرو۔ تم کو اپنا طرز عمل بدن ہوگا یہ دیکھ کر کہ اس کے چہرے پر اوداسی چھا گئی، انہیں نہیں اس کے تم اپنا دل مست نہ کھاؤ۔ میں جانتا ہوں ہوں کہ تمہاری خوشی کا انحصار کبھی نالشی باتوں پر نہیں رہا۔ تمہارے اب بھی بہت دوست ہیں جو تمہاری اتنی ہی عزت کریں گے، وہ اس بات کا خیال ہی نہیں نہ لادیں گے کہ اب تمہاری مالی حالت بہت گری ہوئی ہے، اور حقیقت میں مالی حالت کا لطف حاصل کرنے کے لیے مخلوٹ ہی میں بسر کرنا ضروری نہیں۔“

اس نے ایک بار ہی چلا کر کہا اگر مجھ کو غار میں ہی بند کر دیا جائے اور میری بیوی میرے پاس ہے تب بھی میں خوش رہوں گا، اگر وہ میرے ساتھ رہے، تو میں مفلس کیا خاک میں ملنا بھی گوارا کروں گا۔ خدا اس رحم کرے! خدا اس پر رحم کرے! یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور اس کا چہرہ بچ اور محبت کی زندہ تصویر بن گیا۔“

میں نے آگے بڑھ کر محبت سے اس کا بازو پکڑ کر کہا کہ میرے پیارے دوست
 تم جہین جانو، کہ اس کی محبت میں بالکل کمی نہ ہوگی بلکہ اور زیادتی ہوگی، کیونکہ اس کی
 تمام چسپی ہوئی قوتوں اور دلی ہمدردی میں اس سرورِ جان پڑ جائے گی، اور اب
 اس کو بلا خیال دولت و ثروت، خاص تھاغی و راحت سے الفت ہوگی
 خدا تعالیٰ نے ہر ایک راست باز عورت کے دل میں ایک ایسی صفت
 رکھی ہے، جو خوشحالی کے وقت میں تو ظاہر نہیں ہوتی لیکن مصیبت اور
 تنگدستی کے تاریک زمانہ میں اپنی روشن شمعوں سے اعانت کرتی ہے
 کبھی غصے کو جب تک کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ دنیا کی دشوار گزار گھاٹیوں کو
 طے نہ کر چکا ہو، اس کی فرشتہ صفات کی قدر نہیں ہوتی۔

چونکہ میں نے نہایت متانت سے گفتگو کر کے، چند مثالوں سے
 اس کو بوجھنے کے کوشش کی تھی اس واسطے میری تقریر نے زلزلے کے لہر
 بٹا اثر کیا۔ میں چونکہ اس کے مزاج سے واقف تھا اس لیے میں نے
 اپنی بات بہت زور و دیکر بیان کی اور کہا کہ گہر جا کر اپنی بیوی سے تمام
 حال کہہ دو اور اپنے غمگین دل کے بوجھ کو کچھ تو ہلکا کرو۔

اگرچہ میں نے یہ تمام باتیں کہنے کو تو کہہ دیں تاہم یہ اندیشہ پیدا ہو گیا
 کہ دیکھئے اس کا کیا نتیجہ ہو؟ اس عورت کے تحمل اور برداشت کا کون سا عنصر
 صحیح اندازہ لگا سکتا ہے، جس کی گزشتہ زندگی عیش میں بسر ہوئی ہو؟
 شاید اس کا عیش اور زندہ دلی اس نئی اتفاقیہ مصیبت کا سامنا کرنے
 سے گھبرا جائے، اور گزشتہ راحتوں کا خیال دلیر اور گہرا اثر کرے؟
 نہ صرف اس خیال سے کہ اب اعلیٰ سوسائٹی کی شرکت سے محروم رہنا
 ہوگا، بلکہ یہ بات اور مشکلات کا بھی پیش خیمہ ہوگی، اور ان مصیبتوں کا

سامنا کرنا پڑے گا جن کا اس کو اب تک خیال بھی نہ آیا تھا۔ جب کہ میں دوسرے دن صبح کو زلزلے سے اٹھا، تو مجھے بھی اندیشہ تھا۔ زلزلے سے مل کر معلوم ہوا کہ اس نے اپنا راز اپنی بیوی سے بیان کر دیا۔ میں نے پوچھا کہ تنہائی بیوی نے اسکو سن کر کس طرح سہنا گوا کیا؟ اس نے جواب دیا ایک فرشتہ کی مانند۔ میرا اجرہ سنکر اس کی تشویش رفع ہو گئی کیونکہ اس نے اپنی باتیں میرے گھر میں ڈالیں اور کہا کیا یہی بات تھی جس نے تم کو اس قدر غموں میں ڈال دیا؟ پھر زلزلے نے یوں کہا اے نادان! تو اس مصیبت کا پورا اندازہ لگا سکتی جو ہم پر گزری اور گزرے گی! تو اخلاص کے معنی بجز اس کے کہ تم کسی نظم میں اس کا ذکر پڑھو یا ہوگا، ابھی طرح نہیں سمجھی ہے ابھی تک تو اپنی نئی حالت کی مصیبتوں کو کامل طور پر نہیں سمجھ سکتی! اور نہ تجھے ان آسائشوں کے چھوٹ جانے کا کوئی بچ بچا ہوگا لیکن جب یہ دقیقہ ہماری روزانہ زندگی میں پیش آئیں گی اور چھوٹی چھوٹی ضرورتیں لاحق ہوں گی، اس وقت تجھ کو پوری حقیقت کھل جائیگی اور اصل آدائش اس وقت ہوگی۔

میں نے کہا اب جبکہ تم نہایت دشوار گزار راستہ طے کر چکے ہو یعنی اپنی بیوی کو تمام حال سننا چکے ہو، تو جس قدر جلد تم اور لوگوں کو اس سے آگاہ کر دو اتنا ہی بہتر ہے اس کے بیان کرنے سے تم کو ضرور صدمہ ہوگا لیکن اور تکلیفوں سے بچ جاؤ گے، ورنہ تم کو ہر وقت اس کا خیال رہے گا اور رنج تازہ ہوتا رہے گا، مفلسی کا ظاہر کر دینا اس قدر شرمندگی کا باعث نہیں، جتنا کہ شیخی خورے کا حال کھل جانا، مفلسی میں غرور کرنے والے اور خسار حالت کو اچھا ظاہر کرنے والے کی قلمی ضرورت کھل

جاتی ہے۔ اپنی تنگدستی کو آشکار کرنے کی ایک فوجیت باندھ لو، پھر تم کو اس کے ظاہر ہو جانے کی غلش جاتی رہے گی!

اس بات پر میں نے لڑلی کو بالکل آمادہ دیکھا۔ اس میں نو ذمام کو نہ تھی۔ اور اس کی بیوی اس مصیبت میں اس کا ساتھ دینے کو ہر وقت تیار تھی، پر لوگوں سے چھپانے میں کیا حاصل تھا؟

کچھ دن بول لڑلی میرے پاس شام کے وقت آیا۔ اس نے اپنے رہنے کا مکان فروخت کر ڈالا اور گاؤں میں ایک چوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا۔ گاؤں شہر سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس نے وہ اسباب بیچنے کے کام میں مشغول تھا۔ "میں گھر کیسے متعدد چیزوں کی ضرورت تھی، اور وہ بھی اس نے قسم کئے، اس نے اپنا تمام بیش قیمت سامان بیچ ڈالا، لیکن اپنی بیوی کے بجائے کا باجر رہنے دیا۔ لڑلی نے کہا کہ باجر رکھ لینے کی خاص وجہ ہے وہ ہماری آپس کی ابتداء کی محبت کا عزم ہے اور ہمارے ہی مستقبل کے قصہ سے اس کا تعلق ہے، میرا بہت سادہ خوش کن وقت وہ ہونا تھا جبکہ میں بوجہ پر جھک کر اپنی بیوی کی رسیدی آواز کو سننا کرتا تھا، یہ سن کر مجھے ہنسی آگئی وہ اس وقت اپنے نئے مکان کو جارہا تھا جہاں اس کی بیوی تمام سامان کو سلیقہ سے رکھ رہی تھی مجھے اس کے خانگی معاملات میں دلچسپی دینے کا شوق اور بڑھا، اور چونکہ وقت اچھا تھا میں اس کے ساتھ ہویا۔ وہ دن بہ کام میں مصروف رہنے کے باعث تنگ گیا تھا۔ چلتے چلتے وہ کسی سوچ میں پڑ گیا، اور ایک سزاؤں کھینچ کر یہ کہا "غریب بیوی" میں نے انجان بن کر پوچھا۔

اس کا کیا ذکر ہے؟ اس کو کیا ہوا؟ "یہ سن کر اس نے بے چینی کے ساتھ میری طرف گہرا امد چلا کر کہا "کیا ایک تباہ حالت میں مبتلا ہو جاتا

کچھ حقیقت نہیں رکھتا؟ ایک چھوٹے سے گھر میں دن کاٹنا اور ذرا کاموں کے لیے محنت تکلیف گوارا کرنا کیا یہ کچھ غیر معمولی بات نہیں؟ میں نے پوچھا تو کیا اُسکو اپنی حالت کا بدل جانا کچھ ناگوار ہوا؟ اس نے متعجب ہو کر جواب دیا ناگوار ہونا کیا؟! وہ ہمیشہ کی خوش مزاج ہے اور اب پہلے سے زیادہ میں اُسکو خوش پاتا ہوں، اس نے مجھے ہمیشہ آرام دیا، اس کی محبت میں کبھی فرق نہ آیا میں نے کہا قابل تعریف بیوی ہے! میرے پیارے دوست تم اپنے کو غریب بتاتے ہو؟ تم اتنے کبھی مالدار نہ تھے۔ تم کو ان لاتعداد خرمیوں اور بیکوں کے خزانوں کا کچھ بھی پتہ نہ تھا جس کے اب تم اپنی بیوی کی بدولت مالک و منتار ہو۔

نرلی نے کہا "میرے اچھے دوست اگر نئے مکان میں پہلا دن مہنی خوشی کٹ جائے تو میرا خیال ہے کہ میں باقی زندگی آرام سے بسر کر سکوں گا کیونکہ اس نے آج پہلی مرتبہ مصیبت کا تجربہ کیا ہے، وہ آج ایک چھوٹے اور جھرمٹا مکان میں آئی ہے، اور تمام معمولی چیزوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہی ہے۔ پہلی مرتبہ اس کو گھر کے کاروبار کی تکلیف کا حال معلوم ہوا۔ پہلی مرتبہ آج اس نے چاروں طرف ایسی دیواریں دیکھی ہیں جو آرائشی سامان سے خالی ہیں، اور تقریباً تمام آرام کی چیزیں گہریں نہیں ہیں شاید اس وقت تک کردہ زمین پر بیٹھی ہوگی، اور اپنی اس مفلکی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہوگی۔" میرے دوست نے جو کچھ کہا وہ درست ہے اور اسی واسطے میں اُسکو رو نہ کر سکا۔ میں خاموش ہو رہا اور ہم دونوں آگے بڑھے بڑی سڑک سے مل کر ہم ایک تنگ راستہ پر آئے۔ جس کے دو طرفہ اس کثرت سے خود و درخت لگے ہوئے تھے کہ وہ ایک گہرے تنہائی معلوم ہوتا تھا۔

آؤ کا ہم مکان کے سامنے آگئے یہ مکان شاعر کی طبیعت اور مذاق کے عین مناسب تھا، اس کی وضع گاؤں کے مکانوں کی سی تھی ایک انگور کی ہری ہری بیل اس چپٹہ ہی ہوئی تھی، کچھ دمنوں کی شاخیں اسپر اپنا سایہ کیے ہوئے تھیں۔ دروازہ کے سامنے، پولہار پولوں کے گھیلے ایسی خوبصورتی اور ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جس سے دیکھنے والے کے عمدہ مذاق کا ثبوت ملتا تھا۔ سامنے سبز گھاس کا ایک چھوٹا سا قطعہ تھا۔ لکڑی کے دروازہ سے بلکہ مکان تک ایک چھوٹا سا راستہ جاتا جس کے دو طرفہ سبز بھاڑیوں کی قطاریں تھیں۔ جہنی کہ ہم وہاں پہنچے، ہم کو گلے کی آواز سنائی دی۔ لڑی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہم دونوں ٹھہر گئے۔ اور کھڑے کھڑے رہے۔ یہ گلے کی آواز اس کی بیوی کی تھی اور رگ بہت سادہ اور خوشتر تھا مجھے اس کا خاندان خاص طور سے پسند کرتا تھا۔

میں نے دیکھا کہ لڑی کا ہاتھ جو میرے بازو پر رکھا ہوا تھا، کانپ رہا ہے۔ وہ ذرا آگے بڑھا کہ آواز صاف طور سے سن سکے۔ اس کے قدموں کی آہٹ کسی کے کان میں پڑ گئی اور ایک خوبصورت روشن چہرہ کھڑکی کے باہر نمودار ہوا اور پرنظروں سے چپ گیا۔ ہلکی ہلکی قدر اس کی آواز مکان میں سے آنی شروع ہو گئی۔ اور اس کی بیوی خوش خوش ہم سے ملنے کو آگے بڑھی۔ وہ گنواہی وضع کا خوبصورت سفید رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی اور کچھ تازہ پھول اس کے بالوں میں لگے ہوئے تھے، اس کے رخساروں پر تازگی تھی، اور اس کا تمام چہرہ مسکراتے کے باعث چمک اٹھا، مجھے اس وقت اس کی صورت بہت ہی

بھلی اور اچھی معلوم ہوئی۔

اُس نے کہا تم میرے پیارے جانے اچھے تمہارے آئیے بہت خوشی ہوئی، میں تمہاری بے حد منتظر تھی، اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد اُس چھوٹے راستہ تک تم کو دیکھنے کو جاتی تھی۔ میں نے مکان کی پشت پر ایک سینہ درخت کے نیچے لگا رکھی ہے، اور ان کیاریوں میں سے کچھ ترکاری توڑ کر رکھ لی ہے، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم کو ترکاری بہت مرغوب ہے۔ ہمارے ہاں بہت عمدہ ملائی ہے، اور ہر ایک چیز اس قدر خوش فائدہ ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ ادو! ادو! اہم کچھ خوش ہیں۔" پیچارہ زلی بے اختیار ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو گلے لگا، اس کے بائیں اپنی گروں کے گرد ڈال میں، ادو اس کو بار بار پیار کیا، اس سے باہل نہ بولا گیا لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو بہا رہے۔

اس واقعہ کے بعد زلی نے مجھے اکثر مرتبہ اس بات کا یقین دلایا کہ اگرچہ میری مالی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی ہے اور میری بیوی بھی بہت خوش رہنے لگی ہے، لیکن مجھے اُس وقت سے زیادہ، کبھی حقیقی اور کامل خوشی نصیب نہ ہوئی۔

زلی نیک خوش سیرت و پارا

کند مرد درویش را پادشاہ

مسد السلام حقی سولہوی

لرکین کی نشاۃ حامیان تعلیم نسوان کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی فنکار کیسے واسطے مولوی محمد عبدالرشید صاحب انجمن کی قلم سے نکلے لطیف زبان کے واسطے یہ کہنا ہے سو ہے بظاہر اسنوثر ہے کہ ایک ایک حرف اچھے پر گزرتا ہے قیمت ایک روپیہ (۱۰۰) مطلقاً حضرت وقتن سے آئندہ آزاد رہتا ہے

مسئلہ مشرقیہ تاریخ کی عینک سے

نمسلو

یورپ کی سیاسی تاریخ سے باخبر یا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کی تو میں کہتا ہوں
ورنہ مسئلہ مشرقیہ کی ماہیت سمجھنا تو دور کنارہ، ہم آشنا بھی نہیں جاسکتے کہ یہ کیا
چیز ہے اور کس خطہ زمین پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ باوجود اس امر کے
کہ جب تک سرزمین طرابلس پر جنگ چھڑی ہے، حریفوں کی سنگینوں کی
چمک، غارتگری، انہوں کی دھمک، کبھی چٹمک برق کا ہول، کبھی تبسم
شرار کی سرخوشی، پیدا کر رہے ہیں، اور اجارہ نویسوں کے اٹھتے فکر
کی جولانیوں کے لیے نئی نئی زمینیں نکال رہے ہیں، چنانچہ نظر بتاتا
جنگ، ان کی چشم قلم عنان بالا پر بھی اشارے مار جاتی ہے، کیونکہ
جنگ طرابلس ترکوں کے جسم سیاسی کے اس ناسور کی ایک شلخ ہے
جس نے سو سو برس سے زیادہ سے ان کی زندگی تلخ کر رکھی ہے، لیکن
میں سمجھے سو گدھا۔ اور ناٹھی کی جانے والا کے مصداق اجبار میں حضرات
ان بہم غفلوں پر سے گزرتے ہیں، اٹکتے ہیں اور کچھ وہیں کا جھجکا ہوگا
کہہ کر اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں، مگر وہ بیچارے بھی کیا کریں، ہمارا ہی دور
زبان میں سیاسی لٹریچر و اسلامی تاریخ ہی سرے سے انشاؤ کا معدوم تھا
مسئلہ مشرقیہ کے جنم لینے سے پہلے یا انیسویں صدی کے آغاز
میں یورپ کی حالت بہت دگرگوں ہو گئی تھی، نیپولین کی مافوق العادت
فتوحات نے تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا تھا۔ اور حقیقت یہ

کہ فرنگیوں کی ساتوں ٹوپوں کو ایسا ناچ بچایا تھا کہ اگر وہ اتفاق و اتحاد کر کے
خونناک غنیمتِ عام سے اپنی ہستی کو نہ بچاتے، تو وہ تمام یورپ پر چھا جاتا،
یورپ و عاصیِ برطانیہ غلطی کو، کہ اس کی زوردار تحریک سے، وٹنگٹن
کی سرکردگی میں، دولِ یورپ کا متفقہ ٹڈی دل لشکر اس شخص کے
سلسلے آکھڑا ہوا جس کے نام سے آگینٹین اور بچلیس کی ہڈیاں بھی قبر میں
لڑتی ہیں، اور چند سال تک سرگرم پکار رہ کر آخر اسکو بساطِ یورپ سے
مطلقاً ہٹا دیا۔

نیپولین کی دولِ یورپ سے بین سال قیامت خیز معرکائیوں نے
ہندو ایزوارز (صد سالہ جنگ) کی داستانیں بھی دل سے محو کر دی
تھیں، آدم زاد تو آدم زاد، زمانہ کا دل بھی توپ و تفنگ کی گرج و
کرکڑک سے مکتا گیا تھا، فوق الانسان کوششوں کا ایک اہل و جنس
کو نیچا دکھانے میں نمونہ پھر گیا تھا، سلاطینِ یورپ کا دو دو قرن
سے جنگ کے متوحش خواب دیکھتے دیکھتے خون خشک ہو گیا تھا، لیکن
اس عظیم مہم سے فارغ ہوتے ہی دول کا دل ہلکا پھول ہو گیا اور امن
امان کی زندگی بعد ہزار حسن و فریب ان کی نگاہوں میں کہنے لگی، وہ
نہایت بیقرباری سے اس کے دامن سے پٹ گئے، اور فوراً
سترِ ارداد باہمی ہوئی، کہ یورپ کا اخلاقی و تمدنی شجر جس کا تار و پود
بھی باقی نہ رہا تھا، اس سرِ نو لگایا جائے، یورپ کا سیاسی محلِ مسک
بوناپارٹ نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی، نئے برس سے چنا جاتا
اور تیر یورپ کی نہایت ایمانداری سے سیاسی تقسیم کر کے خیر و امن کا
agamenon. & achilles -

ایک ستمسارہ بلند کیا جائے، جو قیامت تک جنبش نہ کھائے، ان عافیت اندوز
تجزیوں کو معرض عمل میں لانے کے لئے سلاطین یورپ نے وائٹا دار الخلافہ
آسٹریا میں ایک کانگریس منعقدہ میں منعقد کی جسکو یورپ کی پولیٹیکل مہسٹری
کی داغ بیل، اور عیسائی طاقتوں کے اتحاد و ترقی، اور ترکوں کے انحطاط کی
آفات بنیاد سمجھی جا رہی تھی!!! اور جس کے واقعات کی لڑائی کا ایک انا موصوفہ
جنگ طرابلس ہے۔

مذکورہ بالا کانگریس کے چند اجلاس مغربِ قہلم مغرب کے نظام سیاسی
و اتحادی کو راہ پر لگانے کے لئے ظاہر انا کافی تھے، اس لیے ایک طرف
تو دول اپنے اپنے ملک میں اصلاحوں کی ریل پیل کر رہے تھے۔ بالخصوص
فرانس جس کا معرکہ آرائیوں اور خانہ جنگیوں سے شیرازہ بہر گیا تھا، اس کے
مجمع کرنے میں مصروف تھا، موجودہ جرمنی اپنی اقلیم کے پر اگندہ منتشر
احضار کو جوڑ رہا تھا، ہسپانیہ اور پرتگال اپنے مطلع سیاست پر سے بھاڑ توکی
گھٹا دو کر رہے تھے، اور اٹلی اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ایک مرکز میں
پر لا رہی تھی، دوسری طرف یورپ کے جال سیاست متفرق مقامات پر
سال ببال بین الاقوامی جلسوں میں غیر معمولی فصاحت و بلاغت کے ساتھ
گوچ رہے تھے، اور اپنے سیاسی و اقتصادی فوائد کے جوڑ توڑ کے
ساتھ یورپ کی تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو ایک سلک اخوت میں منسلک کر رہے
تھے کہ دفعتاً بلقان کے پہاڑوں پر سے ایک طیبت افزا سیماہ بادل اٹھا،
اور ان کی آن میں دولت عثمانیہ پر چھا گیا، اگر نذر اڈل زار روس، جنہوں
نے سیچی براوی کے پاک اتحاد کا بیڑا اٹھا یا تھا، یہاں تک کہ کانگریس کی کاروائی
مبصرانہ و ناقدانہ نظر ڈال رہے تھے کہ ۱۹- مابعد ۱۸۷۸ء کو بینا میریہ غیر لیکر

پہنچا، کہ دیر سے ڈینیوب کے ارد گرد کی تمام میدانی ریاستوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے، اور عزم باعزم کر لیا ہے کہ دولت عثمانیہ کو داغ کر دیں۔ ایجنٹوں سے اکھاڑ دیں اور قدیم ہائے نظام سلطنت کو اس کی جگہ بحال کر دیں۔

یہی ابتداء تھی اس نوبت آثار اور سن سوز مسئلہ کی جس میں دولت عثمانیہ کی قسمت کا فیصلہ سر بستہ ہے اور جس کا نام دول یورپ کی تیسری بارگاہ نے، اپنی سیاسی خط و کتابت کی سہولت کے لیے، ایسٹرن کونجین یا مسئلہ مشرقیہ رکھا۔

جب اس ناہنجار مسئلہ مشرقیہ نے جنم لیا، تو اس وقت ترکوں کو سرزمین یورپ پر قدم رکھے ہوئے چار سو برس گزر چکے تھے۔ لیکن اس مدت دراز میں عمرانی اصول کے تباہی سے نہ مفتوحین کو اپنے میں ملا سکے نہ خود ان میں مل سکے، مذہب، طرز معاشرت، انداز خیالات، سب میں زمین آسمان کا فرق تھا، یورپ بہمیت سے انسانیت کی طرف صحو کر چکا تھا، مسلمان اپنے علوم و فنون کو کہو چکے تھے، ان کا آفتاب کمال نصف النہار پر چل گیا، اپنی عالمگیر ضیاء سے ایک عالم کو مستیز کر کے جانب غروب ڈھل چکا تھا، اقوام مغرب نے اسے دیکھ کر اسکی تاباں شعاعوں سے اپنے فانوس عقل و ہوش کو روشن کر لیا تھا، اور پران لوگوں کے سامنے، جو انہیں حقیر، خوشہ چین اور اپنا ذلتہ رہا سمجھتے تھے، جدید علوم و فنون کے پرلگاکے آسمان ترقی پر اڑنے لگے تھے، یہی مفید غول جن کے دلوں پر مسلمانوں کی عظیم الشان مہاربات کے ہزاروں سکتے بیٹھے ہوئے تھے رب النوع جنگ کہلانے لگے تھے

بھلا اب ترکوں کو کیوں غلامی میں لاتے دوہی صدی کے دور میں انکی طرز ماند و بود پر موندہ آنے لگے، ان کو یورپی کفن میں ایک بے میل عنصر سمجھ کر ترقی یافتہ عیسائیوں پر سکرائی کے ناقابل سمجھا ان کے مغربی تہذیب کے دوش بدوش نہ چلے اور اس کے قبول کی نصیحت ان مسلمانوں کے باعث اپنی سطح مہر تفع سے نیچا خیال کیا۔ انتہا یہ کہ ان کے دعوہ کو چشم شرش مفساد قرار دیکر ان کے اخراج کی ٹھیر لسنے لگے، اللہ اللہ

آنا کو نیم خوارہ مابود خور و مشاں

اکنوں ز نیم خوارہ ایشاں خوریم آہ

وہ جسکو خدا رکھے، اس کو کون چکے کے بموجب رب اٹھانے والی یورپ کی قیباہ چشمکوں کو ترکوں کے قیام کے لیے سکندر سی بنا دیا ورنہ (خدا و دین نہ دکھائے) آج ترکوں کا یورپ نام و نشان ہی نہیں آتا ترکوں کی خدا داد مہارت حسریہ دول یورپ کے اور قنازہ فیہ

کی سہرا ہی کے لیے اول اڈل نعمت غیر متبر قہر بھی جاتی تھی، چنانچہ یہ اسی کا طفیل ہے کہ مملکت فرانس اسل احسن عہد کے اعتراف میں جو مسلمان غلام نے نہایت نازک وقت میں فرانس اڈل شہنشاہ فرانس کی مدد پر اسٹریا کے خلاف اپنے بر جیروت جو انان ترک کا لشکر بھیج کر کیا تھا باوجود اپنے گوناگوں و قیامت خیز انقلابات حکومت کے آج تک اپنے

مسن کا منت پذیر اور شہریم ردا یات دوستی و خوشنودی باب عالی کا خیال کرتا رہا۔ مملکت آسٹریا بھی روس کی کشور کشا یا نہ ہوس کو جان اسلام کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اندھ خطرناک سمجھنے لگی آسٹریا کو روس کے غول بیابانی کی زد کا جنوباً سبب کرنے کا ایسا خوف پیدا ہوا کہ وہ

اپنے تمام مذہبی تعصبات کو بھی بھول گیا، اور دولت عثمانیہ کی سلامتی کا وسیعہ
 پڑھنے لگا، ورنہ اس سے قبل اپنے مہنوار روس کے مانند سلاطین عثمانیہ کو یورپ
 کے مانر سلاطین میں شمار کرنا یورپ کی توہین شان سمجھتا تھا۔ لیکن اسے اپنے
 قہر کی خیر منگتے ہوئے اس نے غوثی سلطان المعظم کو یورپ کے جائز سلاطین
 میں تسلیم کر لیا۔ علیٰ ہذا انگلیتوں نے بھی مجید قلعزم اور شرق کے تمام
 تجارتی راستوں پر اپنا قبضہ وقت راجہ کر کے رکھنے کی غرض سے دولت
 عثمانیہ کی بقا کو اپنی مذہب سیاسی کارکن اولین قرار دیا، اور یورپ
 میں صرف ایک نزار اور وقت ایسا باقی رہ گیا تھا، جس کا خون بائزرنگ
 سلاطین سے ملتا تھا، اور اسی بنا پر اپنی کا لقب سیرز اختیار کیا تھا
 وہ جانتا تھا کہ یہ ترک وہی ترک ہیں جنھوں نے ہمارے آبا و اجداد کو
 مالک اپنے چوکر صغیر ہستی سے مٹا دیا تھا، اور ان کی سلطنت کا ورق لٹ
 دیا تھا، پنا پختہ طبیعت بشری کے اقتضائے اسے ابا عن جسٹہ ترکوں
 ترکوں کے خلاف مساندانہ جذبات پہنچتے تھے، وہ ترکوں کا جانی دشمن اور
 ان کے خون کا پیاسا تھا۔

اگر برطانیہ عظمیٰ ملحقہ سلطنت کا جس کی ہمدردی ترکوں کے
 ساتھ یعنی حتیٰ خوف نہ ہوتا تو وہ ترکوں کی بربادی میں کوئی دستہ نہ
 اٹھاتا اور اس کے کانگریس کبھی کی کامیاب ہو جکتی۔

”شوکت“

ناظرین تمدن براہ کرم خط و کتابت وقت خبر حسریداری ضرور تحریر
 فرمایا کریں ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔ پنجر

سیمون

راستہ کے سنسان فرسائیں مٹی کے شہور پیار لیس کا سلسلہ دو ٹنک پہلا
ہوا تھا۔ چنانچہ تین سے زیادہ منزلیں ملے کر چکا تھا اور اس مکان غلطی میں جو
چاروں طے شدہ طاری تھا صرف آٹھ کی آواز رات کا کو الوداع کہہ رہی تھی دامن
کوہ میں ایک خانقاہ تھی جس کے کئی عظیم و نیروی کو نیر باد کہہ کر اپنے معبود کی
تسبیح کرنے لگے تھے۔

خانقاہ ٹنک برنگ کے یولوں سے آگستہ تھی سرسبز و شاداب پودے
لہلہا رہے تھے اور ہوا پھولوں کو گدگد کر گدا کر چادر مہتابی ٹا رہی تھی
دفعتاً ایک مرجین جھروختوں پر ٹہل رہی تھی اور جس کو تنہا پا کر ہوا نے
اپنے دست گستاخ بڑھا دیے تھے اکتا کر گلاب کے پودوں کے پاس
آئی یولوں نے اس کا استقبال کیا پودوں نے اسے سجدے کے چاہا
اس کے پاؤں میں لوٹا اور درختوں نے سرسراہٹ کر اس کی آمد پر مبارکباد
کے نعرے لگائے۔

مسند صفت شقی کا ایک نمونہ تھی اور سب سال منڈنا پر ایک تازیانہ
بہاں سا وہ اور چال ستانہ رسیلی آنکھیں میا کا نہ پھولوں پر دار کر رہی تھیں کہ
ایک نوجوان قریب پر پہنچا جس کی صورت دیکھتے ہی مرجین پہلے تھپک
کر پیچھے ہٹی اور پہچان کر یہ کہتی ہوئی آگے بڑھی۔ ایسٹن آگئے۔

ایسٹن بدشاہی گر حاکم گنڈہ دوچارا تھا جس وقت میں بیاں پوچھا ہوں
تمہارا پیغام جس وقت میرے پاس پونچھا ہے آفتاب غروب ہوئی کی

تبدیلیاں رہا تھا ساگر میٹ کیس اور دیاسلانی کے بیٹے میں ضرور توقف تھا
و رڈ سی آفتاب کے ساتھ جتا خور کار مسافرت میں مجھ کو وغادے گیا رمانہ
ہوا اہل۔ چاندنی رات اور یا کا کنارہ ٹنڈی ہوا اور یہاں تک پہنچنے
کی امید دلی جو کیفیت تہی بیان نہیں ہو سکتی۔

مرحومین میرے واسطے معنور اقداس نے جو کچھ حکم دیا ہے تم نے من لیا ہوا
ایلیٹن۔ میں نے یہ اڑتی سی خبر کل دیر کو کراپ میں سنی تھی کہ شہنشاہ مظہر
نے پانچ سال کے واسطے اپنی بیماری بیٹی اور میرے دل و جان کی
مالک سیمونہ کو جلا وطن ہونے کا حکم دیا ہے۔

سیمونہ۔ ہاں اس حکم کی تعمیل میں چند گھنٹے باقی ہیں اور محض ایک سفر
اور چھپاکی ذمہ داری پر مجھے آج پورے تین سال بعد اتنی اجازت
ملی ہے کہ مقدس پوپ کی زیارت کر لوں ایلیٹن اب میں تم سے
پانچ سال کو خیریت ہوتی ہوں تم غاند انشا ہی کی ایک رکن ہو اس
خیال کو اپنے دل سے دور کر دیجئے امید نہیں کہ اب جانبر ہو سکو
گی۔ مادہ وفامبری سرشت میں ولایت تھا میں تم پر نہیں اپنے خیال
قربان ہوئی خوشیوں پہری دنیا تم کو مبارک ہو نصیب سیمونہ کی
یہ انگوٹھی اس کی یادگار۔ اپنے پاس رکھنا۔ بس خدا حافظ۔

ایلیٹن کی آنکھ سے اس وقت آنسو گر رہے تھے مضبوط نہ ہو سکا تو سیمونہ
کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا آنکھوں پر رکھا اور اس کے سوا کچھ نہ کہا،
”ہوا کے جھونکو اس وقت کے شاہد رہنا“

سیمونہ اس فطرتی اصول کے بموجب جس نے اس کے منہ پر ہر سکوت
لگا دی تھی ہر چند کوشش کر رہی تھی کہ حالت ظاہری کیفیت قلب کو

آشکارہ کر دے مگر واقعات موثر تھے اور وقت نازک گورنمنٹ نے شکایت
رہبان تک نہ آنے دی۔ مگر اس کا لازمی نتیجہ دماغ کی پریشانی اور اضطراب
قلب تھا آگے بڑھی ایٹشن کے کندھوں پر سر رکھ دیا اور بیہوش ہو گئی۔

(۲)

خانقاہ کے اندر مقدس پوپ جس کا آخری نبوی فعل شہنشاہ
سلاویٹس کے باپ کے سر تاج شاہی رکھنا تھا ایک سٹی کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا
ایطالیہ کا مشہور پرنسپل کو صبح کا پیغام لے آیا ہے سامنے کی دیواروں پر
میں تصویریں لگا رکھی ہیں دہائی طرف یسوع مسیح۔ بائیں طرف ہولی ورجن
اور چپیں صلیب عیسوی۔

شہنشاہ بگم مقدس پوپ کے آگے سجدے میں پڑی ہے تاج شاہی
خاک پر لوٹ رہا ہے لباس گرد آلود ہے اور گو خانقاہ سے باہر شاہی ہاؤس
کا رڈنگلی تلوار کا پیرہ بے رہا ہے مگر اس موقع پر کوئی اتنا ہی نہیں کہ ملکہ کا
سر اٹھا کر اسکو تسکین دے جب بگم کی تمام رات اس حالت میں بسر ہو گئی
تو پوپ کے گرد اٹھائی سفید پلکین انقلاب مانہ کی تصویر چھیں آنکھوں سے
شعلہ نکل رہے تھے خنجر بزاں ہاتھ میں تھا اور قہر آلود نظریں ملکہ کے سر پر
کچھ تامل کے بعد مقدس پوپ کھڑا ہوا اس کا تن بدن کانپ رہا
تھا خنجر دوسے ہنڈیکا اور کہنے لگا۔ ملکہ! تو میری گودیوں کی کہلائی ہوئی
ہے گو پچاس برس سے زیادہ ہو گئے مگر میرے سامنے ہی وہ وقت جب
تو پنگورے میں پڑی تھی بھولا نہیں ہوں میں وہ دن جب میں نے تجھ کو
اصطبلخ دیا کل تو ایک لاشے محض تھی اور آج تسلیم ایطالیہ کی شہنشاہ بگم
تو اپنے گذشتہ پچاس سال میں در در بروز ترقی کرتی رہی سینکڑوں سال

تیرے آگے سر بسجود میں اور ہزاروں جانیں تیرے قبضہ قدرت میں مگر ہم
 بچاؤ سال جو تیرے واسطے نعمت تھی میرے لیے مصیبت۔ اور اب
 میری دلی آرزو یہ ہے کہ اگر زندگی کے کچھ تھوڑے روز باقی ہیں تو ایسی سرین
 پر رہوں جہاں یورپ کا سایہ تک نظر نہ آئے۔ اینٹن اور سیمنہ کی محبت
 پردہ ہو کا نہ کہا یہ عیسائی نژاد یورپ کے باشندے مرد و عورت سے بالکل
 آشنا نہیں شباب کا ہوت دو نو سو نو سو رہے جو اچھی طرح مٹی خزا
 کرے گا۔ مگر خلوص جوشیوہ نہایت ہی اس سرین سے مدد نہیں کہ گم ہو گیا
 اٹھ اٹھ ملکہ سہ اٹھ صبح صادق کا سہانا وقت ہے ٹھنڈی ٹھنڈی محل
 سہارا جا ایسا نہ ہوتا تاز آفتاب رخ نازک کو تکلیف دے مبارک ہو گا
 وہ وقت جب میرے پاؤں اس غنا باز وطن کو خیر باد کہیں یہ لہلہاتے
 ہوئے غم سزا رہتے ہوئے چشمے گاتے ہوئے پرند جن میں غم سبز ہوئی
 ہمیشہ ہمیشہ کو غصت ہوں۔

شہزادی اقدس انسان امیری یہ مجال نہیں کہ آپ کسی امر پر بحث کر سکیں
 ہولی ورجن کا سایہ آپ کے سر پر (تصویر کی طرف دیکھ کر) خداوند میری التجا
 اشرارے وہ پاک ذات جس کے آگے میرے باپ اور دادا نے تسلیم
 خم کیا میرے اوپر رحم کر اور کلیجے کے ٹکڑے سیمنہ کو جلا وطن ہونے کی
 مصیبتوں سے بچائے۔

پوپ۔ جا جا جا اچلی جا اچلی جا! ملکہ ایتالیہ کی بسنے والی کوئی روح رحم کی سختی
 نہیں یہ جو کچھ ہو رہا ہے نہایت خفیف سزا ہے نہ اسے اعمال
 و افعال کی بیدرد و اظالموں سنگد لو! ایک بچی کی چند روزہ جدائی
 نے دیوانہ بنا دیا مگر ادغاباز ملک کی ملکہ جا... جا... چلی جا... چلی جا...

۳

بحیرہ روم کے مشرقی کنارہ پر ایئر بیڑیا میں ایتالیہ کا وہ محل آسمان سے
 باتیں کر رہا ہے جو خاندان شاہی کے قیدیوں کے واسطے مخصوص ہے
 یہ محل جو ساٹھ برس کے قریب غیر آباد رہا اب ایک مرجین کا مسکن ہے،
 ہر چار طرف سنگین پہرہ ہے اور پرندہ کو بھی اجازت نہیں کہ اندر جا سکے
 سیمنو نے ایک نوٹری پٹنگ پر مردوں کی سی صورت لیٹی ہے، اس کے
 گلابی رخسار زرد ہو چکے ہیں اور گود نہایت ذلت کے ساتھ قیدیوں کی
 سی زندگی بسر کر رہی ہے مگر محبت کا تاج اس کے سر پر جگمگا رہا ہے کڑی
 چکٹ میں امد بال پریشان مگر جیسٹن کی پوٹ اس وقت بھی خدا کی قدرت کی
 ایک تصویر ہے دو بیش بہا ہیرے سرگوشیاں کر رہے تھے کہ ایک
 سیلی حاضر ہوئی جبکہ سلام کیا اور ایک پھول نذر کیا۔

سیمنو کا پھول کو ہاتھ لگانا تھا کہ خیالات کہیں کے کہیں پہنچے، یا
 دلہا نے اس کو خون کے آنسو رو دلوادیے ایشین کی تصویر اس کے سامنے
 ہتی اور باپ کے ظلم اس کا کلیجہ توڑ رہے تھے کہ ایک فوجی جوان سگریٹ
 پیتا ہوا اس کمرہ میں داخل ہوا۔ جبکہ دیکھ کر سیمنو چپختی ہوئی بھاگی اور یہ
 کہتی ہوئی باہر آئی۔ اسے نمک حراموں یسوع کا واسطہ سمجھو اس ظالم میجر
 سے بچاؤ،

میجر شہزادی صاحبہ سیدی طرف سے مطلق خوف نہ کیجئے میں اپنی فوج
 کے ایک جانباز کپتان کی وصیت پوری کرنے آیا ہوں اگر آپ بھائی
 دیں تو میرے پاس آپ کی ایک امانت ہے مد پیش کر دوں۔
 میجر گینس کی زبان سے ان الفاظ کا ادا ہونا تھا کہ سیمنو سہم گئی،

قریب آئی اور نہایت جماعت سے کہا فرمائیے،

گیلیفس ٹرپولی دار تو آپ کے سامنے ہی شروع ہو چکی تھی اس معرکہ میں آپ کے اقبال سے اٹلی نے جس شجاعت کا ثبوت دیا ہے اس نہ صرف دشمن کے پھلے چڑا دیے بلکہ تمام یورپ کو دھلا دیا میں کل اس فوج کا سپہ سالار ہوں جو بغاڑی میں مکر و ترک اور عربوں کا قہر بنا رہی ہے۔ پر رسول کا خنزیر معرکہ قابلِ دید تھا جس میں ہزاروں مسلمانوں کے سر لٹا لیکر تلوار نے تن سے علیحدہ کر کے شہر پر پورا قبضہ کیا مگر افسوس ہمارے ہی دو افسر اور تین سپاہی زخمی ہوئے جس میں سے ایک مجی ایلٹن آج صبح کو جانبر نہ ہو سکا آخر وقت اُس نے مجھے یہ انگوٹھی دی اور کہا شہزادی سیمونہ کی امانت ہے پوچھا کہ میری روح کو خوش کرنا،

یہ بیان ایک بجلی تھا جس نے اندر ہی اندر سیمونہ کو جلا کر خاک کر دیا آنکھ میں آنسو نہ تھے لب پر آہ نہ تھی۔ مگر جیروکارنگ یہ پتہ دے رہا تھا کہ دل مجروح اس صدمہ کی تاب نہ لا سکا۔ وہ گم سم مٹیہ گئی انتہائے مہکا و نکالیت میں امید کی جو جھلک کبھی تروتازہ کر دیتی ہے اس وقت اس کا انقطاع حقیقت سیمونہ کی زندگی کا خاتمہ تھا تاہم اس نے استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا اور میجر گیلیفس سے کہا تو کیا ایلٹن کی لاش دفن کر دی میجر نے کل صبح کو میری موجودگی میں دفن ہو گئی۔

سیمونہ نے کہا آپ کی عنایت سے یہ ممکن ہے کہ میں بھی رسم تدفین میں شریک ہو سکوں۔

(۴)

دور پہلے مسلمان وقت میں عدالتِ عالیہ کا شاندار کردہ وکیلوں اور گواہوں
بھرا ہوا ہے وہ روزہ پر دور وہ فوج کھڑی ہے مگر خلعت کا جھوم اس قدر یاد
ہے کہ مسخ گار وہی مشکل انتظام میں کامیاب ہو سکا ایک متبرک صورت نیک
سیرت بزرگ ماخوذ ہیں اور ہر شخص گردن پہنچے کئے ساکت کھڑا ہے دفعۃً
جیفت جج نے گردن بلند کی اور سرایا۔

مقدس پوپ اعلیٰ عہد کی موجودگی میں جو الفاظ آپ نے فرمائے اس سے
بظہر کہ علیہ کی توہین و تذلیل ہوئی بلکہ آپ نے تمام یورپ کو ظالم و
سفاک بنا کر مذہب عیسوی کی وہ ہتک کی ہے جس نے گورنمنٹ
کو نہ فقط صدر پوپ یا بلکہ آپ کی طرف سے بالکل بدظن کر دیا ہر جگہ
جبکہ اسلام سے ہمارا معرکہ ہو رہا ہے اندیشہ ہے کہ آپ کا وجود
بغوات کا باعث ہو اور رعیت بڑک اٹھے اس لیے میں آپ کو
موقع دیتا ہوں کہ اگر آپ اپنی بریت میں کچھ کہنا چاہیں تو کہیں۔
پوپ یہ سفر زحواً مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے فسر
منصبی کو اس خوش اسلوبی سے انجام دیا اور انصاف کے کسی پہلو کو
جس کی آپ توقع ہے نظر انداز نہ فرمایا! انریل ججوا و حقیقت
میں نے شہزادی کے سامنے یہ لفظ کہے اور اگر یہ کہنا جرم ہے
تو میں واقعی اس کا مرتکب ہوں لیکن انصاف کے مدعیو! ایمان کو
ہاتھ سے نہ دو اور بتاؤ! کیا مذہب عیسوی کی تلقین ہی تھی کہ ہزاروں
بنگاہن خدا کو خانہاں برباد کر دو بڑھوں اور بچو نکو تہ تیغ کرو اور
محض اس لیے کہ تمہارے جسم میں طاقت ہے کمزور کو فوج کر دو!

اُنہیں جس ہیرادی سے بوسینا اور ہرنی گونیا کے واقعات میں لکھو گیا
 انسان تہ تیغ کیے ہیں۔ تاریخ اسکو فراموش نہیں کر سکتی جس چالبازی اور
 مکرو فریبک فرانس نے مراکو میں قتل عام کیا ہے عالم بالاکے شاہد اس سے
 اغماز نہیں کر سکتے اور بے ایمان حکومت کے بے ایمان حجوتم نے طرابلس
 میں بگتاء اور مظلوم بڑھوں اور بچوں کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا دنیا اسکو
 بتول نہیں سکتی اکیا ایسے عیسائی منہ دیکھنے کے قابل ہیں اور کیا یہ سزائیں
 کسی پتے عیسائی کے بننے کے لائق ہے، جلد حکم دو اور مجھکو پھانسی ٹھنڈی
 کر میں تم مککاروں کے ہندے سے رہائی پاؤں +

(۵)

راست چاندنی ہے اور جاڑا گلابی ایک نیچے کے قریب اس ناپید اکنڈ ہمنڈ
 میں جو کچھ فوروم کے نام سے مشہور ہے ایک تاریہ کشتی شمال مشرق کی
 طرف ہی چلی جا رہی ہے۔ میجر گلیسن اور بد نصیب سیمونہ دونوں خاموش بیٹھ
 ہیں سیمونہ کا کھن پانی میں پانڈ کی طرح لٹ رہا ہے کچھ دیر سکوت کے بعد
 گلیسن اٹھا سیمونہ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا اور بے منت کہا۔

شہزادی! مجھ پر جسم کرا

سیمونہ یہ میجر گلیسن آپ کے ایک ایسی عورت کو دہکا دیا ہے جسکا دل محبت
 سے چور ہے یہ آپ کی شان کے خلاف تھا اگر آپ اپنے امادہ سے
 باز نہ آئیں گے تو قہین یہ کہے کہ یہ بتا ہوا پانی سیمونہ کا خاتمہ کر دے گا +
 میجر گلیسن کی آنکھیں غصہ سے پٹک اٹھیں اس نے خیر کمر سے
 نکالا اور سیمونہ کو گرا۔ اُس کے سینہ پر رکھ کر کہا

اگر تو ابھی ہٹ سے باز نہیں آتی تو یہ خیر تر فیصلہ کر دیتا ہے۔

ٹیک سے ہوتے جب میجر گلیسن نے خنجر کی چمکتی ہوئی دھار نازک اندام سیمون کے سینہ پر رکھی ہے ایک کشتی پاس سے گزری جس کی آواز سن کر سیمون اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیا اس آدمی رات کے سناٹے میں جبکہ ایک ظالم میری عصمت برباد کرنے کے درپے ہے اس سمندر میں جس کا کوئی کنارہ نہیں کوئی شخص ایسا ہے جو میری عصمت کے پھانسنے میں مجھے مدد دے۔“

میجر ”بھری اور بڑی اسس پاس کی تمام دنیا اس وقت میرے قبضہ قدرت میں ہے کسکی ہستی ہے کہ میرے پیچھے سے تھک چڑھے سیمون اگر زندگی عزیز ہے تو میری درخواست قبول کر ورنہ یہ خنجر اب سینہ کے پار ہوتا ہے۔“

میجر گلیسن کے یہ لفظ ختم ہی ہوئے تھے کہ برابر کی کشتی ٹشکی اور ایک جوان مسلح ترک نے اس کشتی میں آنے کی کوشش کی میجر گلیسن بید بختے ہی اُٹھ کھڑا براغض مسلک کوئی حد نہ تھی للکار کر کہا کہ اوکا فرخبردار اگر اوکا مر کا قصد کیا چشم زدنی میں صبح عالم بالا کو پرواز کر جائے گی۔

نوجوان ترک کے واسطے یہ بڑی مصیبت کا سنا تھا اسکو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ظالم کشتی تار پٹہ دے مگر ارادہ کا پچھتاہلی ہی جہت میں اندر داخل ہوا۔ اب میجر گلیسن کو تاب نہ تھی اس نے دور ہی سے ریفٹل کافر کیا رات چاندنی تھی اور ترک گتاتی مہلت نہ ملی تھی کہ وہ اپنے ہتھیار نکال سکتا سر اور سینہ کو پکار گولی پھیلی پہلی۔ اور غصہ نکال کر آگے بڑھا میجر گلیسن نے دو سر افراں اور کیا اور اگر ترک اس وقت بیٹھ جاتا تو اس کی لاش کشتی میں ٹپتی ہوئی دکھائی دیتی وہ بیٹھتے ہی اُٹھا اور خنجر کھینچ کر سر پہ جا پونچھا۔

اب ہتیاروں کا وقت نکل چکا تھا اور محض گاؤں زوری تھی لیکن ترک کا ایک ہاتھ
مکڑوہ چوکا ہوتا مگر اس نے ایک لغوہ مار کر اس زرد سے ٹکلیس کو نیچے پھینکا کہ
عاشق بدغیب چچ اٹھا اور آٹا فانا کشتی میجر گلیس کے خون سے شین ہو گئی۔

سیمونہ کی رسیلی آنکھیں یوں تو شروع ہوئی ہیں سے جو ان ترک کی شجاعت کی دہ
دے رہی تھیں مگر اب وہ اٹھی قریب آئی اور کہا۔

میں کن الفاظ میں آپ کا شکر ادا کر دوں۔

ترک۔ میں شکریہ کا محتاج نہیں میری کشتی تیار ہے میں جاتا ہوں آپ
صرف اتنا بتائیے یہ مرنے والا کون تھا اور آپ کو کہاں سے لایا۔
سیمونہ۔ میں کون ہوں یہ دریافت نہ کیجئے یہ میجر گلیس افواج اطالیہ کا
کمانڈر تھا۔ آپ کو تکلیف تو ضرور ہوگی جبکہ بونغازی یا طرابلس پہنچا دیجے
آپ کا کیا نام ہے؟

ترک۔ میرا نام حسن ہے میں نہایت خوشی سے آپ کو طرابلس پہنچا دیتا ہوں
مگر حاصل پر اطالیہ کی چپاس ہزار فوج میرے خون کی پیاسی ہے
طرابلس سے کچھ دور ادھر آپ کو اتار دوں۔

سیمونہ۔ اطالیہ کے کبھی منفذ کی اب اتنی مجال نہیں ہے کہ آپ کی طرف
ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ لے آپ اطمینان سے چلیں اطالیہ کے
آپ ممان ہیں؟

کشتی نے طرابلس کا رخ کیا یہ کہنا مشکل ہے کہ سیمونہ کی ان نظروں میں
جبار بار جوان ترک پر پڑی تھیں محبت شامل تھی یا نہ تھی مگر یہ ظاہر
ہے کہ ایلٹن کی موت کا صدمہ وہ فراموش کر چکی تھی اور اس نے مکر کہا
کیا کوئی چیز دنیا میں ایسی ہے جو آپ کے احسان سے مجھے سبکدوش کر دے؟

حسنؔ ہاں ہے اصرار یہ ہی کہ آپ مجھ کو اپنا محسن تصور فرمائیں۔
سیمونہ مجھ کو اجازت دے بیٹھتے کہ میں آپ کے اس ہاتھ پر پٹی باندھ دوں
جس سے اب تک خون جاری ہے۔

حسنؔ یہ خود ہی تہم جائے گا آپ اس کا خیال نہ کیجئے
سیمونہ یہ سن کر اپنی بلاؤں میں سے رومال نکالا۔ اور حسن کا ہاتھ اپنے
ہاتھ میں لے کر رومال باندھا۔

حسنؔ آپ کے نازک ہاتھ ان کاموں کے قابل نہیں آپ کی عنایت نے
مجھ کو اور بھی گھائل گیا۔ آپ کی فرج کی روشنی نظر آنے لگی۔

ساحل کے قریب کشتی جا کر ٹیر جی سن اور سیمونہ اوترے اور کیمپ کی طرف
پلے مگراس سے پہلے کہ یہ دونوں پوہنیں ملحق نے یجر گیلنس کے قتل کی
واردات کی رپورٹ کی اور گو سیمونہ ہر چند چینی چلائی مگر حسن پاشا گرفتار
کر کے کورٹ مارشل میں پیش کر دیا گیا۔ باقی آئندہ

”رکشہ انجیری“

سیکیمین۔ پرنسپل مرزا محمد سعید صاحب ایم اے مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب و نتیجہ خیز
ناول ہے اور تمدن انجینی کی پہلی کتاب جس کا موضوع ملک کو استعمار بھاری ہو گئی ہے یہ
کتاب جو درحقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان
طلباء کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ اسے
سانس وادینی پڑتی ہے یہی جو اس تمام تہذیب کی جان اور ہنگامہ کی ایک مشہور نازنین
ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفہ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے قابل
مصنف کا ہم گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کا کافی ضمانت ہے قیمت فی جلد (۵۰ روپے)

منیجمنٹ و تمدن۔ دہلی

غزلین

جناب حاجی محمد باقر صاحب مخوم بکابلانی

من نمی گویم کہ جان از قایم بگمانه است انقدر زانم مکن خانه ام جانانه است
از شراب ذوق سترم پیرس از بخودی ساقیم دل خون دل می دہد ام پیلہ است
فہم حیران عقل سرگرداں چشمن ذات او دل بسودائے خیالش زرد شہ پیلہ است
آنکہ ماہ عالم بجز یہ فصیح بزم اوست چشم بلور مخلص پروین دل پر دانہ اوست
وہم بہت زخار آرزو بیرون کشید ہر کہ در گلزار ہستی عاقل و فرزانہ اوست
در دل حق بین بجز عشق تحقیق رو نیافت ہر کہ عشق مجازی بہت آن بتخانہ است

باقر اسمودی دہلہ ضیض عشق اوست

ہرے کر عشق او خالی بود ویرانہ است

چشم میگوں سے محبو آنکہ اودان کیا تھا ہوش کہو بٹھا ہوں مینائے میں گنا کیا تھا
پہول جو نکلا وہی چاک گریباں نکلا بلبل نہار بہتے سوز سے گنا کیا تھا
آتش عشق سے دل خاک ہوا ہر کسیر را کہہ کو ادبیت بیدر د! جلانا کیا تھا
تیرول و زتھا یا آہ شہر بار تھی یہ کوئی بلبل ہی سے پوچھے کہ ترانا کیا تھا
غم سے یاری نہ تھی مجھ کو نہ امے کہنکا ہائے افسوس وہ بچن کا زمانہ کیا تھا
آینے ہی میں تھے صحن گلستاں کے رہے سویم گل کا بہی واللہ زمانہ کیا تھا
تیرے افصال نہوتے جو سیر شاہل قہر و فتنے کے سوا میرا ٹھکانہ کیا تھا

سایا بر کمر نے تجھے گھیسرا فوراً
لے خزیں وادی عشاق میں آنا کیا تھا

مہل قیمت (پیر) رعایتی (عدم) علاوہ محصول۔ آخر گشت ۱۹۱۲ء تک محصول

عہد جدید کے متعلق ایک نازا و دفعہ

امام مولوی سکیم بشیر احمد خان صاحب دہلوی چیف میڈیکل آفیسر ریست ہوسٹاں
ناول محل حبیب بزم دیہی پل سمول ہوا۔ خدا معلوم آپ کی تحریر میں کیا کشش مقناطیسی
کہ باوجود عدم لطف صحتی بغیر ختم کیے چوڑے کو دل گوارا نہیں کرتا۔ بر خلاف تمام
دہلوں کے آپ کا رنگ مخصوص ہے اور یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ آج کل علاوہ
مشاغل و رہار۔ انتظامات طاعون میں سخت مہمک ہوں۔ اور ایک لمحہ کی بھی فرصت
نہیں۔ مگر آپ کے مصنفہ ناول کے وسط دوراتوں کی پیاری نیند کو قربان
ہی کرنا پڑا۔ علاوہ سیکر جس شخص نے دیحالبے صہ سند کیا۔ اور غائبانہ
آپ کے مشاق ہیں۔ ۱۹۔ اپریل ۱۹۱۲ء

مندرجہ ذیل کتب بھی اعانت پر ملکتی ہیں

سیر خطبات	۴۰	دیگر وقتیدا	۴۲	حلولۃ اخبار	۴۴
فسانہ لندن ہر حصہ	۴۰	فتح اندلس	۴۲	عبار شہزادہ	۴۲
انتقام کامل	۴۰	مقدس نازنین	۴۲	روز البرٹ	۴۴
غیب ال دہن	۴۲	حسن انجینیا	۴۲		

المشتہر محمد عبدالمجید مہتمم کتب خانہ حبیبیہ ڈاک خانہ گوہر گنج ریاست بھوپال

ڈاکٹر برن کی نبائی ہوئی مشہور دوائیں

ستائیس برس کے ساہے ہندوستان میں استعمال میں آرہی ہیں :

(۱) دماغ سے زبردستی اچھلتا ہو کس دم داکے دو ایک نوٹاد ہی سے دب جاتا ہے۔

(۲) دماغ اور کس دم داکے استعمال کیا جائے تو دماغ بڑھ جاتا ہے۔

(۳) پورے دماغ یا جن کا دماغ کا ساتھی ہو گیا ہو وہ بھی اس دوائی سے بہت پالتا ہے
دماغی وائے اک محمول ایک کھیشی تک ہر آد قیمت ایک کھیشی ایک دہیہ چار آد ہر
ڈاکٹر میں طاعت بننے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں خاصہ ہیں۔

مقوی گولیاں اسٹیکینا اور ڈوفینا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں مغز بڑھ رک۔ ماس اور
خون کو طاعت دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہونے والی کمزوری مٹا دیتی ہے
یاد۔ بھولنا۔ ماتہ پیر کا پنا ملقوہ۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہونے میں بہتہ کی خوراک
تین گولیوں کی کھیشی قیمت ایک دہیہ اک محمول ایک کھیشی تک پانچ آنہ۔

مرض ستوات کی دوا یہ ہر ایک قسم کے مستورات کی دوا ہے طبعی و غیر طبعی
پروردہ کی عمل کی کمزوری پیٹ جانگ میں درد و عجز کو

شاکر اس دوائے استعمال سے روح کی خرابی تمام دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے ایک فہم اس دوائی
بھی آزمائش کیجئے قیمت ایک کھیشی ایک دہیہ (مہر) ۱۶۔ خوراک، ڈاک محمول ۶
ان دوائیوں کی مفصل حالت معہ شریکوں کی پوری کتاب بلاقیمت ملتی ہے منگا کر چڑھتے

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برن۔

نیشنل۔ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ آغا منصب علی کشمیری دروازہ دہلی میں

(فرمائش کے ساتھ اجناس کا حوالہ ضرور دیں)

ستمبر ۱۹۱۲ء تک

معاشرتی تمدنی ادبی فلسفی اخلاقی تاریخی اور علمی مضامین کا
مخزن

ایڈیٹر محمد عبدالرشید بخیری شیخ محمد اکرام

:- فہرست مضامین :-

تصویر..... سلطان عبدالحمید خان۔	جلوہ دیباہ دہلی... حضرت اکبر
امہات دانشورین علمی و ادبی فنکارانہ مصائب مرصعہ۔	۱ فلسفہ بصیرت۔ سید برہنہ صاحب الدیبا دی
بنی نوع انسان کے لئے مذہب کی بنی بنی غرض صاحب	تصویر ارشد۔ مولوی محمد حسین صاحب جمعی کھنوی
مفسرہ ثابت ہوا (۱) مولیٰ خاں دوشی خاں	۹ انتقام۔ عبدالحمید شاہ صاحب لکڑی۔ اے
غیر۔ نیاز محمد خاں صاحب نیاز فقیروری	۱۹ خرمہ ابنیم جنگیاد و جید آبادی (مولانا سید
حاکم۔ سلطان جید صاحب جوش (علیگ)	۲۱ شاگردین مرصعہ کھنوی۔ (امجدین صاحب
سرکار بنی کریم سلم۔ مولانا قاضی عادی صاحب مولوری	۳۳ سیونہ۔ محمد عبدالرشید بخیری۔
تاریخ اسلام کا دردناک (۱) مولیٰ محمد ضعیف الدین خاں	۴۲ رابعات مہر۔ فنی مسیح زین صاحب مہر
دوسرے	۳۴ امہ مراد آبادی

باجا محمد عبدالرشید بخیری جھولی

کلیہ قسم اول ہے
قیمت ۳ روپے
تین روپے
قیمت ۳ روپے
قیمت ۳ روپے

نئے شہنشاہی شہرین

شاہی حکیموں کا دواخانہ یونانی نورتن - دہلی

معزز قاریین! مشہوریم دواخانہ نورتن اپنے خاندانی بحرات اور کل یونانی مرکب ادویات مثل اطر فیصل - جوارشات غیرے سے عوق اور عجوبہ ذبیہ نہایت مسجج اور عمدہ تیار کھٹے سے دینا بھر میں اپنی شہرت اور نیکی نامی چل کر چکا ہے یہ دواخانہ معتمد الملک حرم الدواخانہ عالی جناب حکیم محمد حسن اللہ خالص صاحب مرحوم کی یادگار رہے اور عالیجناب حاجی حکیم محمد بدر الدین خالص صاحب کی سرپرستی میں مدت دہائی سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہے یہ کوئی معمولی دواخانہ نہیں ہے اس نیکی نامی اور ہر معجزہ دہلی اور غفیس ادویات کا شہرہ لندن - آسٹریلیا - افریقہ - جاوا - عدن - وغیرہ پہنچ چکا ہے اس دواخانہ کو بڑے بڑے شاہی حکماء کے خاندانی بحرات کا بھی فخر حاصل ہے۔

اس دواخانہ کی بڑی فہرست مع خبرتہ طریق علاج مفت ملتی ہے

طلاحت { جوانی کی غلط کاریوں کے لیے اکیس - کچی دلائی کو بھی مفید ہے فی کبس ایک تولہ دو روپے آٹھ آنے (دعہ)

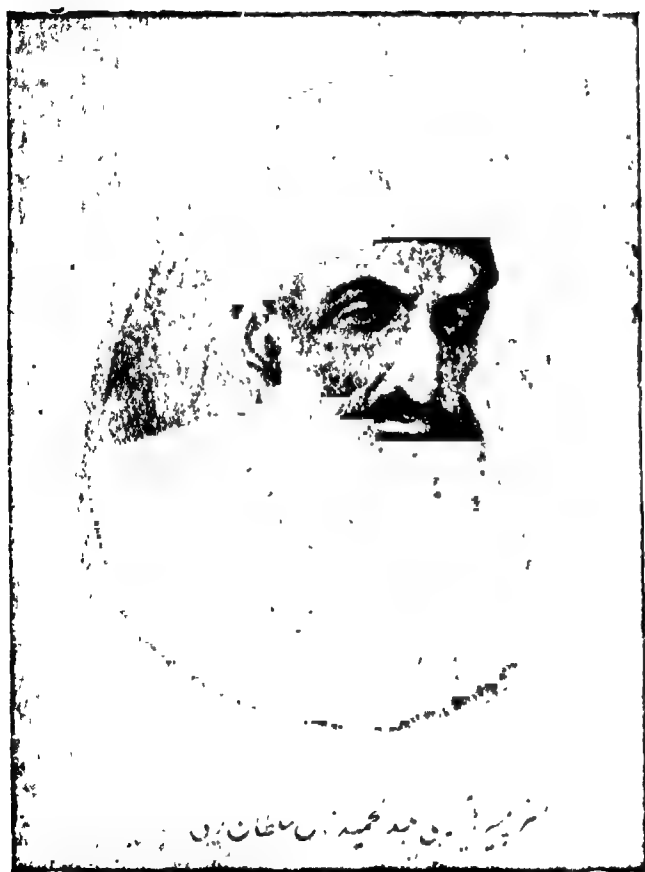
حب مقوی { اعضا دریسہ کی کمزوری کو دور کرتی ہیں سست کو جیت نامرد کو مرد بناتی ہیں (۲۴ عدد) ایک روپیہ آٹھ آنے (دعہ)

حب زاک { یہ گویاں سزاک کا بہت جلد روگ کہو دیتی ہیں قرص کو بہت جلد بھر دیتی ہیں (۲۰ عدد) ایک روپیہ آٹھ آنے (دعہ)

حب صیان { یہ گویاں منی کو گاڑتا کرتی ہیں اور ہستی کو روکتی ہیں باہر طرقاتی اور رکاوٹ پیدا کرتی ہیں (۲۰ عدد) ایک روپیہ - (دعہ)

نوٹ - ہر مندرجہ بالا دوا کی پوری مقدار کامل صحت کے لیے کافی ہوگی ہر چہ تہرکب استعمال ہوا اور ورنہ ہوگا

الحمد للہ
حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ یونانی نورتن دہلی بازار فرشتخانہ



مفتی محمد رفیع الدین صاحب مدظلہ العالی

مکتب

امہاتِ الائمہ

گزشتہ سہ پیر

(اثر مس العلاء مولوی حافظ محمد نذیر احمد صاحب - ایل - ایل - ڈی - رحیم)

یہ لوگ درود و یسودیوں سے میل جول رکھتے تھے مگر مسلمانوں کے مقابلے میں تھے مغلوب اور اسی نے ظاہر میں مسلمان بنتے تھے غرض یہ لوگ ایسا جوا کھیلتے تھے کہ طاقی اور حقیقت دونوں داؤں اپنے قرآن میں منافقوں کو جایز بنش کی گئی ہے منافقوں سے ہی لوگ مر رہے ہیں ان کا رئیس تھا ایک شخص عبد اللہ بن ابی بن سلون مدینے کے رہنے والوں میں اوس اور خزیج دو برابر کی ٹکڑے کے بڑے زبردست قبیلے تھے ان میں پشت با پشت سے خانہ جنگیاں چلی آتی تھیں عبد اللہ حقیقت میں قبیلہ خزیج کا بڑا باوقف سردار تھا پیغمبر صاحب کی ہجرت سے پہلے لوگ اس کو بادشاہ بنانے کی طیاریاں کر رہے تھے شامی تک

بنوایا تا پیغمبر صاحب کی تشریف آوری سے منصوبے ناتمام رہ گئے تو عبد اللہ
 کو پیغمبر صاحب کا جتنا حسد ہو توڑا پیغمبر صاحب کے آئے پیچھے برسوں اسلام
 میں سے کچھ ہی رہا۔ بعد ازاں منافق اسلام کی بیخ کنی کے درپے پیغمبر
 صاحب کو دیکھ کر اندر ہی اندر اس کا خون کھوسنے لگتا تھا اسی کا بیجا باب
 ظاہر و باطن اسخ العقیدت مسلمان جہاں پیغمبر صاحب کا پسینہ گرے اپنا
 خون گرانے کو موجود پیغمبر صاحب کو کس عبد اللہ سے عجیبی مارکی طرح کی بڑی
 سخت تکلیفیں پہنچیں۔ انہماجیہ کے از ہر ہارشتے نمونہ از خوداریہ کہ ہجرت کے
 دو سکر برس مسلمانوں سے اور قریش سے بد رکی لڑائی ہوئی اس لڑائی
 میں باوجود کے کہ لشکر قریش کے مقابلے میں مسلمانوں کی کچھ ہی حقیقت
 نہ تھی قریش کو فاش شکست ہوئی۔ چوٹی کے سردار مارے گئے بقیہ سیف
 گرفتار۔ مگر بہاتے بہاتے ہی قریش دھکی دینے لگے اگلے برس
 اس اتفاق شکست کا بدلہ میں تو یہی چاہتے تھے برس لشکر جلد سے دینے
 کو آگیا چار و تاجار لڑنا پڑا پیغمبر صاحب کا قاعدہ تھا کہ جو بات کرتے تھے
 سب کی صلاح سے پیغمبر صاحب کی اپنی رائے تو یہ تھی کہ مدینے کے باہر
 چل کر رہیں۔ لوگوں سے شورہ لیا تو منافقوں نے بڑی سختی کے ساتھ
 اختلاف کیا کہ نہیں شہر کے اندر مکانات کی آڑ پکڑ کر لڑنا مناسب ہے
 لڑائی تو آخر کا پیغمبر صاحب کی رائے کے مطابق مدینے کے باہر دو
 ڈھائی کو سس کے فاصلے پر کوہ احد کے پاس ہوئی مگر منافقوں کے
 اختلاف کی وجہ سے بہتر سے لوگ تو مدینے سے نکلتے ہی نہیں اور
 جو بادل ناخستہ دکھائے کو نکلی ہی تھے انکو بھی عبد اللہ ہکا کبے لڑے
 لڑایا بعض نے اسکو بہتر پس پیش سمجھایا کہ اس طرح کی صیرخ مخالفت مسلمان

۲ زل کو دوران نکال نہ کر کے کوہی۔

ہمیں مدینہ میں نہیں رہنا دین کے تو کہنا کیا ہو۔ لیکن حجنا الی اللہ لکن حجنا لا
عن صغارا اذل۔ اسوۃ منافقین (منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو غارت
اس نے اپنے تئیں اس سے تعبیر کیا اور پیغمبر صاحب کو نہ دیا نہ ڈال
سے۔ بنی اسرائیل اپنے آپ سے باہر ہو گیا اور پیغمبر صاحب اس کو نہ دے سکتے
تو اس نے باپ کو قتل ہی کر دیا ہوتا اس ایک واقعہ میں کتنی ہی باتیں مضمر ہیں
عبداللہ کی حد درجے کی گستاخی بیٹے کی عقیدت پیغمبر صاحب کا حکم بالآخر
وہ وقت آیا جو سب کو آنا ہے کہ عبداللہ مر رہے اس کو جب جاہ نے
بتا دیا اب آخری وقت میں اس کو جاہ کی طرف سے بالکل نا اُمید ہی تھی
تو اس نے الغریق یثرب بآل العشیرہ کے لیے تبرکات پیغمبر صاحب
کا کرتہ منگوایا پیغمبر صاحب نے اس کے بیٹے کی دلداری سمجھ کر تو ایسا کر دیا
کہ اے ایف وستماتہ سمجھ تو یا عبداللہ کے ظاہری اسلام کا لحاظ سمجھ تو بے اصل
اور اپنا کرتہ بھجوا دیا عمر کے منع کرتے کرتے اس کے جنازے کی نماز
پڑھائی۔ شریک دفن ہوئے اور ویتیک قبر پر کھڑے ہوئے اس کے
حق میں دعا کوستے رہے دشمن کے ساتھ اس کے مرے پیچھے اتنی عدا
کا اظہار پا کہ نفس پیغمبر کے سوا کسی کے ہر سکے بات کے سلسلے
میں غصہ کے روکنے کا ذکر کیا تو ان کے منع کرنے کی وجہ ہی اسلام
کی خیر خواہی تھی کہ یہی منافق اسلام کی چلتی گاڑی میں روڑے اٹھاتے
رہتے تھے اور عمر شریف اباس اور مزاج کے کیقہ سخت بھی تھے
نظر ہمالیات ملکی اس وقت کے اسلام کو پیغمبر صاحب کی نرمی اور ان کی
سختی دونوں کی یکساں ضرورت تھی جیسے کہی کہ اس کو وقت یہ پانی پانی
لے ڈوبتا ہوتا ہے اس کے کا سہارا پکڑا کرتا ہے ۱۲

اور وقت پر تائش آفتاب نہ

درستی و نرمی بہم در بہ است جو گزن کہ جراح و مرہم بہت
 یہ عمری ہیبت ہی تو تھی جس کی وجہ سے پیغمبر صاحب ابتداء نے رسالت
 میں خدا سے دعائیں مانگا کرتے کہ اللہم اعز الاسلام بابی جہل
 بن ہشام۔ اور عمر بن الخطاب۔ یہ عمری ہیبت ہی تو تھی کہ عمرؓ کے
 اسلام سے پہلے مسلمان تھوڑے ہی سہی مگر کسی کی جرأت نہ تھی کہ
 ادا کے نازکے لئے خانہ خدا کی طرف رخ تو کر لے ہاں عمرؓ اسلام
 لائے تو سب کو دندناتے ہوئے ساتھ لیکر کسے لئے چہت پر چڑھ کر
 اذان دی نماز پڑھی قریش خانہ کعبہ کے گرد بیٹھے دیکھا کہ کسی نے جوش کی
 یہ عمری ہیبت ہی تو تھی کہ پیغمبر صاحب کے دینے گئے پیچھے باقی ماندہ مسلمانوں پر
 قریش کی طرف سے بڑی سختیاں ہونے لگیں جتے ہیں تو سند کے جاتے
 ہیں جاتے ہیں نوجوانے نہیں پاتے نہ پائے رفتہ رفتہ روئے ماندن۔
 تو بیچارے جو رقی پہچے رات نکل بہا گئے اور کسی طرح گر گئے پٹنے
 بیٹے چاہتے عمرؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو دن و رات سے ساز و سامان
 سفر درست کر کے ہتھیار لگائے اور پکار پکار کر کہتے ہوئے چلے کہ
 جسکو اپنی بیوی کو راٹھ اور اپنے بچوں کا یتیم کرنا نہ ملو یہ وہ شہر کے باہر ہے
 اور مجھے روکے یاں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا ایک سے نہ ہو بلکہ کہ جاتے
 کو پکڑتے یہ عمری ہیبت ہی تو تھی کہ اسلام کی بنیاد تو پیغمبر صاحب نے
 رکھی اور عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں روم اور فارس جیسی زبردست
 سلطنتوں کو زیر کر کے اس بنیاد پر سلطنت اسلام کی ایک شاندار عمارت
 لے خداوند ہشام کے بیٹے ابو جہل یا خطاب کے بیٹے عمرؓ سے اسلام کو غلبہ عنایت ۱۲

بنا کر پڑی کی اصلاح ثابت و فرجھا فی السماء عمر کی خود غصلت کی بوجہ
 تو مختصر یہ ہے کہ وہ اسلام کے آگے کسے باشد کسی کی لگی لپٹی نہیں سمجھتے
 تھے انہوں نے پیغمبر صاحب کے ساتھ منافقوں کا اور رئیس المنافقین
 عبد اللہ بن ابی کربنہ و دیگر تباہ اور منافقوں کے بارے میں آیات
 قرآنی سنی تھیں اور ان کے دل پر نقوش تھیں اِنَّ الْجَمْلَةَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ
 اَوْ لَا فَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ اسلامی جوش
 میں اگر انہوں نے پیغمبر صاحب کو عبد اللہ کے جنازے کی نماز پڑھانے
 سے روکا اور سبعین سے ستر کا عدد خاص نہیں بلکہ مطلق تکثیر مراد لی
 عمرؓ اصل عرب تھے ان سے بڑھ کر عادات زبان عرب کے کون
 واقف ہو سکتا ہے اور پیغمبر صاحب نے باوجود یکہ انصاف عربی سے
 سبعین سے ستر کا عدد خاص مراد لیا اور ستر یا کہ میں ستر بار سے زیادہ
 بار عبد اللہ کے لیے استغفار کروں گا شاید خدا اس پر رحم
 کرے بات اس پر چلی تھی کہ آیت فَاَتُخَوِّمُ اَطَايِبَ لَكُمْ مِنَ النَّسَاءِ
 وَ ثَلَاثَ عَرَبَاہِ کے اعداد کی نسبت ہمارا ذہن اس طے نقل ہو کہ عرب
 نہیں اعداد خاص نہیں بلکہ مطلق تکثیر غیر محدود مراد ہو گیا کہ اردو اور فارسی
 رباہوں میں ہے پھر زبان عربی سے سند لینی چاہی تو آیہ اِنْ تَسْتَغْفِرْ
 سَبْعِينَ مَرَّةً فَاَنْتَ غَافِلٌ میں آئی کہ پیغمبر صاحب نے سبعین سے ستر کا عدد
 خاص سمجھا اور عمرؓ نے اسکو تکثیر پر محمول کیا اس کے ضمن میں ہم نے
 لکھے پیغمبرؐ تم ان کے حق میں مغفرت کی دعا کر دیا ان کے حق میں مغفرت کی دعا نہ کرو
 ان کے لیے یکساں ہی اگر تم ستر دفعہ ہی ان کے حق میں مغفرت کی دعا کرو گے
 تو خدا ہرگز ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔

ہجرت اور منافقوں کا حال اور عسکر کا حال بہت سے مضامین لکھ ڈالے ناظرین ان مضامین کو بے سرتی کے مضامین سمجھیں گے مگر ہمارا اندر یہ ہے کہ موسے کو کوہ طور پر پیسری اور معجزہ عصا دیتے وقت خدا نے موسے سے اتنا ہی پوچھا تھا کہ وہاں کائنات بے مینٹک عیسائی موسے نے جواب میں عرض کیا ہے عصا ہے تو کوہ علیہا واہش بھا علی غنم اولی فیہا مادب اخترے۔ واما ملک بینیک یا موسے کا جواب عصا کے بس کرتا ہے مگر موسیٰ کو شوق ہم کلامی پروردگار نے بس نہ کرنے دیا ہم کو بھی پیسری صائب کی باتوں میں خرقہ آتا ہے کچھ کہنا ہو ہو تو خود بخود بات جی سے نکلی چلی آتی ہے اگلے کو ہم اپنا ایمان اور اسی کو ہم اپنا اسلام اور اسی کو ہم اپنا عمل سمجھتے ہیں اور اسی کے بہرے پر بجات آخرت کی اس لگائے بیٹھے ہیں بہر کیف ناظرین سے درازی سخن کی معافی مانگ کر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ گو عمر بخانے خود زبان عربی کے محاورات اندر اسایب الکلام کے بڑے ماہر تھے اور قریش کی نصیح تر عربی ان کی ماوری زبان تھی مگر پیغمبر صائب کو زبان دان کے اعتبار سے بھی ہم سب سے برتر اور بہتر سمجھتے ہیں۔ اور خود صحابہ نے بار بار اس کا اعتراف کیا ہے پس آیہ ان تستغفر لھم سبعین قرۃ کے قیاس پر مٹنے و ٹٹنے و ریلج میں ہی امداد خاص مرادیتے ہیں نہ مطلق کثیر۔ اور بخاری کی دو حدیثوں

۱۱۔ موسے تمہارے دہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ ۱۲۔

۱۳۔ میری لاشی ہے میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اسی (مے اپنی بکریوں پر دستوں کے) پتے جڑتا ہوں اور (اسی لاشی) میں میرے اور بی موافق ہیں ۱۴۔

تو ہمارے خیال کو ظن فاسد قرار دے کر اس کا قطعی فیصلہ کر دیا عن ابی
ہریرۃؓ ان غیلان اسلم فحدثہ عشر نسوة فقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم امسک ربعا وفارق باقیہن عن کعبۃؓ ان نوفل
بن معاویہ اسلم وحدثہ خمس نسوة فقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم امسک اربعا وفارق واحداً۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ سے روایہ ہے کہ غیلان مسلمان ہوا تو اس کے
پاس پوری دس عورتیں تھیں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ چار (عورتیں) کو رکھ لیا اور باقی (چھ عورتوں) کو چھوڑ
دے کیسے کہتے ہیں کہ معاویہ کا بیٹا نوفل مسلمان ہوا ہے
تو اس کے پاس پانچ عورتیں تھیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ چار کو رکھ لیا اور ایک کو چھوڑ دو +

غرض یہ بات تو طے پاگئی کہ مسلمانوں کو قرآن کی رو سے وقت
راہ میں چار بیبیوں تک کے جمع کرنے کی مشروط اجازت مطلق
تکثیر کی نسبت تو بقدر کافی اور پرکھا جا چکا جس سے ظاہر ہو گیا کہ تکثیر
نسل آدم اور مرد اور عورت کی نظرۃ دو چیزیں تو متقاضی ہیں کہ
مرد کو تکثیر ازواج کی اجازت دی جائے تاکہ وہ نسل کو بڑھا سکے
اور چونکہ عورت میں تکثیر ازواج سے نسل کے بڑھانے کی صلاحیت
نہیں اس کو تکثیر ازواج کی اجازت دینا لامحلہ لیکن تکثیر نسل کے ساتھ
اسکی بھی ضرورت ہے کہ مرد اور عورت جو میاں بی بی ہیں امن و عافیت
کے ساتھ زندگی بسر کریں +

مشکل یہ ہے کہ تکثیر ازواج حد شرعی کے اندر ہو یا باہر جائز ہو یا ناجائز

ہر حالت میں منافی امن و عافیت ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے اس کے
تو ہر شخص یہی نتیجہ نکالے گا کہ تکثیر کی اجازت گو وہ مشروط اجازت ہے
صرف قرآن میں لکھنے کے لیے ہے کوئی مرد اس سے بطریق جائز
مستفید نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام جو دین فطرۃ ہونے کی شہنی دار ہے
مِلَّةٌ مَّحْمُولَةٌ سَمْعًا اور مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَمٍ مِّمَّا يَتَّبِعُ
ہو گیا مجموعہ محالات کو میانیوں میں ناممکن لتعمیل احکام بہت ہیں جیسے
رہبانیت یا یہ کہ کوئی دائیں کٹے پر چار پانچ مارے تو بے تامل تو بایاں
کلمہ بھی سامنے دے کہ لے اور مار یا کل کے لیے ذخیرہ مت کر یا اپنے
جانی دشمن کے لیے اپنے اکلوتے بیٹے کی طرح خلوص دل سے
دعا کر۔ اس طرح کے احکام کتاب میں لکھے ہوئے شاندار ہیں عملاً
ہج ایسے احکام کے ہوتے نہ دنیا چلتی ہے اور نہ چل سکتی ہے۔
ہاں اسلامی حکم جزاء سِنَّةٌ مِّثْلُهَا مِنْ عَفَا وَاصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ
ایک واجبی اور معقول بات ہے لیکن تکثیر ازواج کا حکم تو وہی میانیوں
کی بات ظاہر میں تو یہ اعتراض بڑا قوی معلوم ہوتا ہے لیکن تکثیر ازواج
شرعی کا ناممکن لتعمیل ہونا تسلیم نہیں ہے۔

باقی آئندہ

مہتر افرونی بیگم :- وہ کتاب ہے جو ڈھونڈ ہے نہیں ملتی تھی اور اب
عصمت اکینسی نے نہایت محنت و صرف سے تیار کی ہے قیمت ۱۰ روپیہ
زبان کی سلاست دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قابل مصنف مولوی سید احمد
صاحب نام ہی اسکی نوچوں کی کافی ضمانت ہے قیمت ۸ روپیہ
نیچر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجئے۔

بنی نوع انسان کے لئے مذہب ثابت مفید ثابت ہوا

ہم زمرہ زمرم کی دل سے قہر کرتے ہیں جس نے مدہوشان مذہب کے
سرود کا کام دیا ہے اور تجربوں کو ہوشیار کیا ہے !!
قبل اس کے کہ ہم ان خیالات و توہمات معذور مغالطات کے منہ صاف کرنا
تقریر کریں اجمالاً تناظر و عرض کر دیتے ہیں کہ مشر زمرم نے اپنی اس کواچی
میں علاوہ اس کے کہ محض مغالطوں سے کام لیا ہے اور کو مذہب کے معنی سمجھنے پر
غلط فہمی ہی ہوئی ہے! چنانچہ کہیں تو عقائد باطلہ کو مذہب قرار دیا ہوا
اور کہیں رسم و رواج اقوام وحشیہ کو!! اور کہیں مغلوبان شہوات نفسانہ کے
اصول و قوانین تحصیل لذت فانیہ و نیویہ کو!! اور کہیں زہر قاتل پلگیاں دار
عصب اتہی کو مذہب کا شعبہ قرار دیا ہے! اور کہیں جہالت و غفلت
کو مذہب کا مترادف ٹھہرایا ہے! اور آخر میں مذہب کی تعریف لائنہ ہونا
یورپ کے تخیلات سے اخذ کر کے صاحبان مذاہب کو اس سے
آگاہ کیا ہے یعنی مذہب نامعلوم چیزوں کے معلوم کرنے کا نام ہے۔
شاید مشر زمرم کو ان کے تخیلات سمجھنے میں کمی قدر تعافل ہو اس لیے
کیونکہ ان کے نزدیک مذہب کی تعریف صرف اتنی ہی نہیں ہے۔
بلکہ یہ بھی ہے *To know the unknown.*

the one thing which has been unknown
and shall always be unknown

جس کا مطلب محض اوصاف باری تعالیٰ میں تدبر و تفکر کرنا ہے! نہ دیگر اشیاء کے
جہاں دریافت کرنا جیسی ہے کہ جب ایسے عجیب و غریب تبدیلیات و توہمات کو مذہب
ستمار دیا جائیگا تو اس سے وہی نتائج فاسدہ ظہور میں آئیں گے جو اس کے
مقدّمات سے متوقع ہیں بقول شخصے ۵

خشتِ اوّل چوں ہند سمار کج تا شبروے رو و دیوار کج
پھر ایسے نتائج و ہمیشہ کو مطلق مذہب کے نتائج قرار دینا منافی اللہ تعالیٰ
اور اہل فہمی نہیں تو اور کیسا ہے ۹

اس لیے ہم پہلے مذہب فطرت (اسلام) کی صحیح تعریف و تقدیر سے ناظرین
کو آگاہ کر دیتے ہیں تاکہ محض حقیقت سمجھنے میں وقت نہ ہو۔

مذہب ان اصول و ضوابط کا نام ہے جسکو خلاق عالم نے اولاً اپنی مخلوق
کی فطرت و نجس پر میں ادن کی درستی معاش و معاد کے لیے و ہمیشہ نشتر
اور ثانیاً اپنے رسولوں کی وساطت سے اوس کو ادنیٰ تک پہنچایا تاکہ غلبہ شہوات
و شائع بقاء نوعی کی کشمکش میں اگر مذہب ابھی محو ہونے سے محفوظ رہے اور جو اس
امان سے زندگی بسر کرنا چاہیے اوس کو مستقیم پر رفتار کرے۔ اس لیے
تمیز تمدن اور اخلاق حسنہ سب ایک ہی حقیقت کے مختلف حیثیت متعدد نام
ہیں۔ یعنی تمدن صورت باطنیہ ہے اور تمدن حسن خلق اس کے ظاہری اور
بیر مدنی آثار ہیں۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ دین و مذہب صورت اعتقادی کا نام ہے
اور تمدن ہے اور اخلاق حسنہ صورت عمل کا نام ہے پس مرتبہ اعتقاد و تدین اور
مذہب اور مرتبہ عمل تمدن اور اخلاق و کرکٹ ہے۔

مذاہقت رکھتا ہے اور تمام خواہشوں کو بوجہ حسن پورا کرتا ہے۔ جو خدا کے متعلق انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ تثلیث پرستی اور امام پرستی منہام پرستی وغیرہ سب لغویں سچی پرستش ہی ہے جو اسلام نے سکھائی ہے یہ وہ مذہب ہے جو عابد و مہبود کا درمیانی پردہ اٹا کر بندے کو اپنے خدا کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے اور خالق سے مخلوق کا رشتہ جوڑ دیتا ہے خدا ہی اسی کامل مذہب پر ہمیشہ قائم رہے۔

نہ تو سہی ہے خلق میں تیسرا فناء کیا

کہتی ہے تجھ کو خلق حسدا فابناء یک

پس چونکہ کل بنی نوع انسان و حیوان میں مذہب فطری ہے ایسا جب تک بنی نوع انسان میں خواہشات نامشرعہ نہیں پیدا ہوتیں نہایت امن و امان سکون و اطمینان سے زندگی بسر کرتے رہے اور جب خواہشات نفسانی پیدا ہوں تو فتنہ و فساد و خون کی بنیاد قائم ہوتی قابل نے اپنے حقیقی بھائی بائبل کو قتل کیا ابجنت نصر نے بیت المقدس کو تاراج و برباد کیا اور بنی اسرائیل کو قید کر کے اپنی غلامی میں رکھا جنگ صلیبی میں لاکھوں نفوس ضائع ہوئے مسیح علی ہذا

ابتداء آفرینش میں جبکہ ناجائز خواہشوں نے مذہب فطری پر غلبہ نہیں پایا تھا ہر ملک امن و سکون اور سب کے اخلاق نہایت عوامتہ اور مجاہدات نفسانی کو ناجائز مسائل سے پورا کرنے کے لیے ہوئے توفتنہ و فساد برپا ہوا اور خون کے ندی نالے دین پر جاری ہوئے تھے یہ سب اس لیے کہ ہمیشہ لامذہبیت کے گروہ میں نہ رہے کیونکہ اگر لوگ انہیں تواریخ و عوا بط کی پابندی کرتے جو ان کو انبیاء علیہم السلام سے غفلت میں نہ رہا کرتے

تو وہ ہرگز دوسروں کے حقوق پر دندان آزدان نہ کوئے اور اپنے نفوس
 آذر کو صبر و صلہ سے کثرت میں رکھتے حیوان اور انسان میں منسرق
 ہے گو ان کا مذہب فطری جس پر عدد و زمرہ و بقا رکاتے ہیں بعینہ ہمارے
 مذہب فطری جیسا ہے۔ لیکن اون کی خواہشات نفسانی محدود ہیں اور
 وہ دوسروں کو مغلوب کر کے اپنی خواہش پورا کرنے کی کوشش نہیں
 کرتے ہیں۔ اون کا قدم دائرہ مذہب فطری سے باہر نہیں ہوتا کہ انہیں
 کشت و خون کی نوبت آئے اور شیرازہ اخلاق و اتفاق درہم و برہم ہو
 ان کی خواہشات لاتعد و لا تحصى ہیں اور یہ اون سب کے پورا کرنے
 کی طمع میں بائمال مذہب فطرت کی زنجیروں کو توڑ کر آزادی کا اعلان
 کرتا ہے اور حالانکہ اپ لاندہیت کی مضبوط زنجیروں میں مقید
 ہو جاتا ہے۔ پس یہ خیال کہ غیر مذہبی دنیا نسبت مذہبی دنیا سے زیادہ
 پُر اس اور جامع اخلاق حسد تہی۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ان لوگوں کا
 مذہب فطری تو نفس نفس امارہ کی تگ و دو سے بائمال نہیں ہوا ہوگا
 جس طرح اب تک حیوانات کا خاک محفوظ ہے! لیکن جب اون میں مقصد
 طبیعت بشری تناسخ بقا نوع کا خیال آیا ہوگا اور زیادہ کی حسدیں پیدا ہوں
 ہوں تو فتنہ و فساد برپا ہوا ہوگا۔ کیونکہ ان کی ترقی حیوانات کی طرح محدود نہیں
 ہے۔ اس لیے جب تک انسان درجہ حیوانیت میں رہا ہوگا بیک قیمت
 تک۔ پراسن زندگی حیوانوں کی طرح بسر کرتا رہا ہوگا۔ لیکن جب اوس کی
 فطرت نے اوس کو زیادہ ترقی کرنے کے لیے اکسایا ہوگا اور اوس کا
 کوئی بہتر عیب رہی اُس کے ہمراہ نہ ہوگا تو مزہ و دہیسی ہی خوشی و ریحانی
 ہوگی جیسا معترض نے بیان کیا ہے۔

مذہب میں قربانی قربانی جائز سمجھی گئی ہے تو یہ مذہب فطری کا
نشا، ہرگز نہیں ہے۔ یہ ان نفس پرست خود غرض پریٹ اور بکار یونگی
ساخت پر دخت ہے جو اپنے ٹیپلوں اور مندروں کے خداؤں
کو زیادہ خونناک اور مضر ثابت کر کے دافوں سے فوائد کثیر حاصل کرنا چاہتے
تھے مشاہدہ ہے کہ جس بت کو زیادہ خونخوار اور مضر خیال کرتے ہیں اسی ہی
زیادہ ہوگ اور چپٹر عاوا چڑھاتے ہیں +

اسلام کی قربانی کا وہ مطلب نہیں ہے جو سمجھا گیا ہے۔ مہلت اور کی
یہ ہے کہ ایک روز ابوالافیات جناب ابراہیم نے دیر کے بعد مہانوں
کے آنے کی خوشی میں بھپڑے کو بھجری میں اوس کی ماں کے سامنے
فوج کر دیا۔ جس پر اون کو تہیہ ہوئی کہ اپنے فرزند کو اپنے ہاتھوں سے
فوج کر دے۔ پری کا فرہ چکھو پس جب وہ مستعد ہو تو اوکو صاف بکھیا
اسلام نے انتہاء حب کی مروت کی تعلیم دی ہے اور طریح کی انسانی
قربانی کو روکا ہے آپ زمانہ جاہلیت کی تاریخ کو ملاحظہ فرمائیں بنی نوع
انسان کو زندہ درگور کرنے سے کس مذہب نے روکا؟ اسلام نے
ان بتوں کو جس پر انسانی قربانی ہوتی تھی چکنا چور کر دیا۔

معتزلی کا یہ طعنہ کہ اہل مذاہب سب اور سب تک میں تفریق نہیں کر سکتے
پس اس کے جواب میں اگر ہم یہ کہیں تو بجا ہے کہ خود معتزلی کا مانع
سبب اور سبب کے سمجھنے سے قاصر رہا ہے جبکہ حرکت بائبل کا سبب
سیکریٹ کے دہریوں کو بتلا کر انہیں ان مذہب کو لا یعقل ٹھہرایا اور خود
مذہب اور غیر مذہب کا تلخو بٹا کر جو اثر اور نتیجہ اوس معجون فلاسفہ
سے پیدا کیا ہے اوسکو بلا توقف مطلق مذہب کا اثر اور نتیجہ

قرار دیدیا ہے۔ جو حقیقت مطلق مذہب کا نتیجہ اور سبب نہیں ہے! شہد میں
زہر ملا کر دیدینا اور پھر شہد کو موصف کا سبب بتلانا سبب اور سبب کی عدم تفہیم
نہیں تو اور کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خلیقی ظلم و تعدی کشت و خون اور
سارے اخلاق ذمیسہ کا سبب لانا ہمیت کا وجود میں آنا ہے جس سے
بے روک ٹوک خواہشات نفسانی اور شہوانی پوری کی جاتی ہیں اور سارے
اصول و ضوابط فطری طاق چسکے رہ جاتے ہیں۔

اگر مذہب فطرت کے مغلوب ہو جانے پر انبیاء علیہم السلام اور کو
دوبارہ رول نہ دیتے تو یقیناً انسان اپنے جذبات کے پورا کرنے
میں کمزور و کمزور و کمزور کرتا رہتا اور فترتہ رفتہ کل بنی نوع کا خاتمہ ہو جاتا۔ یہ
مذہب کا ہی طفیل ہے کہ نوع انسان اب تک موجود ہے ورنہ کب کا
خاتمہ باخیر ہو چکتا۔

۱۰

مذہب کی ترویج سے پیشتر جو قومیں تھیں ان میں سے کچھ
کے زریں اصول پر عامل تھیں یقیناً ادن کا زمانہ پر امن ہوگا
اس لیے کہ ان کا مذہب فطری جو مذہب یقینی کی حالت اولیٰ کا نام ہے
ادن کا بدتر ہے۔

راعیسائیوں کا عیسائیوں کو قتل کرنا یا مسلمانوں کو یا اوس کے عکس پس اگر
یہ قتل قصاصی تھا تو فطرت کا تقاضی یہی ہے کہ ظالم سے مظلوم کا قصاص
لیا جائے ورنہ وہ اور نفوس ہی ضائع کرے گا۔ اسلام نے قصاص کو
نہایت مندرجہ سمجھا ہے قال عز وجل فی القصاص حیوۃ یا اولی
الالباب لے صاحبان عقل حسنہ قصاص میں جو ہے اگر تم قصاص
لینا ترک کر دو گے تو ظالم کا ظلم لاتنا ہی سلسلہ اختیار کرے اور ہتھار

جی نوع کا ایک روز خاتمہ ہو جائے گا *

اور اگر حصول اغراض ذاتی کی خاطر تباہ تو مذہب کا کیا قصہ رہے؟
مذہب اسلام تو فتنہ و فساد اور قتل و قمع کا سخت مخالف ہے قرآن مجید
اصول اسلام ہے اسکو ملاحظہ فرمائیے لا تقسدا فی الارض بعدا ^{بعض}
یعنی حالت امن و امان میں خستہ مت ڈالو!
ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق کسی نفس کو ناحق ست
قتل کرو۔

مذہب اسلام نے انسان کو ہرگز جائز ترقی ہے نہیں روکا بلکہ اسکو
یے تو قصودیت سے تاکید فرمائی ہے۔ فقال عز وجل ليس للانسان الا ^{سعة}
یعنی اگر ترقی کی خواہش ہے تو کو خود کو کوشش کرو ورنہ حالت جمود ہی میں سڑ
جاؤ گے! مذہب اسلام نے ہرگز مذہب فطرت کو غلط نہیں کہا اور نہ کبھی اسکی
تردید کی ہے البتہ غیر فطری اصولوں کو اور جو اس پر عمل کرتے ہیں غلط
بتایا ہے قل عز وجل ما كان ابراهيم يهوديا ولا نصرانياً ولكن كان
حنيفاً مسلماً!

جنت دوزخ کا خیال محض بے بنیاد نہیں ہے بلکہ ایک نہایت محکم اصل
پر مبنی ہے وہ یہ کہ ہر شخص فطرۃً ظالم سے مظلوم کا قصاص چاہتا ہے۔ اگر
ما جان مذہب کو اس دنیا میں نہیں ملتا تو دوسرے عالم کی امید پر مطمئن ہو جاتا
ہیں لیکن اگر کسی لاند مذہب کو یہاں نہیں ملتا تو وہ فساد پر آمادہ ہو جاتا ہے۔
چپکا نہیں بیٹھتا اسن عامۃ میں خلل ڈال دیتا ہے۔ پس اگر یہ خیال ہی سہوتا تو
مسلمہ نہیں کہ کیا انجام ہوتا۔

اگر مذہب کی بنیاد محض توہمات پر مبنی ہوتی تو ایک لاکھ جو تیس ہزار

اور امین اوس کی انصافیت اور ترویج میں تکالیف شاقہ کو ہرگز گوارا نہ کرتے ایک کو دیکھ کر دوسرے کو نصیحت ہو جاتی۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ہر نبی نے پہلے سے زیادہ مصائب کا مقابلہ نہایت اطمینان و یقین سے کیا ہے اور اول سے آخر تک اپنے دشمن میں ثابت قدم رہا ہے!

جہاں جیشہ کو خواہ کسی ہی سخت قید کی دھمکی دی جائے یا شتر پہنچا، مہار کی آزاد کر دیا جائے وہ ہرگز اخلاقِ حسنہ سے متعلق شہروں کے کیا آسپہ ناما کشوں کو نہیں دیکھتے۔

مذہب اسلام میں حسن، قبیح، اشیاء عقلیہ ہے تقلیدی اسی نے اسلام ہمیشہ بُرائی کو محبت بُرائی کے سمجھا تا ہے فقال عز وجل لا تقربوا نفواحش ما ظہر منھا وما بطن یعنی برائیوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا طہنی بُرائی سمجھ اور اذن کے قریب تک مت جاؤ کیونکہ بُرائی بُرائی ہے اور یہ محض منالطہ ہے کہ کیرکٹ اور مذہب دو علمِ ہدایت اور جب احسا چیزیں ہیں ہم نے مذہب کی تعریف میں واضح کر دیا ہے کہ مذہب مرتبہ اعتقاد ہے اور اخلاق دیکرکٹ مرتبہ عمل۔

نیکی ہمیشہ نیکی سمجھ کر کی گئی ہے۔ اور خوشنودی پر دروگاہ اوس کا انعام ہے بدیہی ہے کہ تحقیق علمِ علم کی خاطر ہے نہ سکاڑپ کے یو! مذہب اسلام نے اپنے ہی اوپر ہر وساکرنا سکھایا ہے فقال عز وجل من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یراہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرّا یراہ یعنی جو بھنا عمل کرے گا اتنا ہی اوس کا نتیجہ حاصل کرے گا وقال لا تزہوا ذرۃ وذرّا آخرے کوئی کسی پر ہرگز بردہ نہ کرے کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کرے گا وقال لیس للانسان الا ما سعى

مذہب اسلام نے قلوبِ ذالی کی ترتیب کئے اور اُن سے فائدہ اٹھانے کی سخت تاکید کی ہے قال عز وجل ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عندہ مسئو لا قوۃ سامعہ قوۃ باصرہ اور قوۃ فہم سے اگر تم کام نہیں لو گے تو اس پر تم سے سخت مواخذہ ہو گا اندہب اسلام ہمیشہ انسان کی دماغی حلقائی اور سوشل ترقی کا سبب ہوا ہے کیونکہ وہ ہدایات جو ان ترقیات کا باعث ہوتی ہیں اُن کا ماخذ محض انبیاء و مسلمین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں آپ تاریخ عالم کو ملاحظہ فرمائیں۔

خاکسار

بنی بخش مولوی فضل ونشی فضل

یا اسمین } پروفیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم۔ اے مصنف
خوابِ ہستی کا یہ لاجواب و نتیجہ خیز ناول اور تمدنِ کھنسی
کی پہلی کتاب جس کا عرصہ سے ملک کو انتظار تھا تیار ہو گئی ہے یہ
کتاب جو حقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے۔

قابلِ مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلباء کے واسطے لکھی ہے
اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بیاضتہ
داد و دینی پڑتی ہے۔ یا اسمین جو اس تمام قصبہ کی جان و نور نگار
کی ایک مشہور نامورین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفہٴ حیات کے
بچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے قابلِ مصنف کا
اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت ہے۔ قیمت ۵۰
منہج عصمت و تمدن (دہلی)

عن

ہستی تاج کہ کھڑو باد لاج ہے تو
 ہے سکون یا راحت اہتائے جادۂ
 کامرانی ہے میں صنطرہ سچی گرم
 موج کی بیتابیوں سے عرض ہر کھل گیا
 درویشیابی قلب صاحب محل ہے تو
 خجہ تلخی ناکامی ہے ظاہر میں مگر
 چشم حق میں میں خلیع خاطر سل ہے تو
 تھکا فلتش تو آدم و حوا کی مار دلیں ہو
 یہی خلد سے تو جس کا آئیں ہوا

شانِ ابدی شکیستہ عدۂ بنائے سے ہے
 شخصہ نوک پریشانی پہ ہے کارِ شام
 پارہ پارہ سے کھنڈیہ رازِ صبحِ افشاہ
 ہونک لپے کو تو ہو غلط میری دشمنی
 قصی پر دانہ، سرو و خندہ بزمِ وصال
 صنطرہ ابرازِ غم سے ہے تم عشقِ تارِ باب
 رواقِ عارض سوا و گیسو پہچان سے ہے
 عملِ شگفتہ صنطرہ اشبنم غلطان سے ہے
 خندہ ال بقاض غنچہ پیکار سے ہے
 مہرِ عالم دوست اپنی ہستی سوزاں سے ہے
 ایک شمع شبنم کے دیدہ گریاں سے ہے
 بعضہ کیمت ساز ہستی ناز و نغمات سے ہے

گل گریباں پاک ہے نوخیز شبنم بھر ہے
 بے فشا تا کہ، تو میں بھی ہے تھقل بھی ہے

آٹھ، دلی رشت طلب پیدا سرشاریدہ کر
 پھونکے فضل کو اپنی شعلہ آواز سے
 آپ بھی غمیدہ ہوا اور میں کو بھی غمیدہ کر
 گرمی ہنگامہ سے ہر قلب کو غمیدہ کر

سُرمہ آسا اہل بنیش کی نگاہوں میں سما ذرہ ہستی کو اپنے اور بھی سائیدہ کر
 شور پیدا کر جہاں میں نالہ بیتاب سے زخمی ہائے سینہ کو اپنے نمک پاشیدہ کر
 کر کے غزیاں شمع ہستی کو دکھا اس کا فزع لینے نذر شعلہ غمسم جامہ کو سیدہ کر
 اک زمانہ دیکھ سے نصرت سری شکل ہلال اور بھی اپنے تن کا ہیدہ کو کا ہیدہ کر
 کارواں کی چشم خوابیدہ کا ہو جتا در و تو
 جب وہ سر گرم تگیا پو ہو، تو بن جا کر د تو

ساقیا چربلوہ پیرا ہوا سی انداز سے زندہ کرے اہل مغل کو اویسی اعجاز سے
 طائر سردہ، ہما سی تنگی پر نظر سے زور بازو گھٹ گیا، پردہ گئے پرواز سے
 جھانک لے پھر پردہ برویائی سے ذرا پھر سکھا طرز فغاں چشم نوا پرواز سے
 دہ خدائے خزان کے نئے، وہ مرد و چراہ ہو گئے بیگانہ سب پنشنہ سار سے
 ہمنوا ہوں نیر کا میں بھی، بھلا ممکن کہاں جب کراہا تک نہیں جاتا یاں آواز سے
 محو کر دل سے خطا دلدادگان حسن کی رُو ٹھٹھا ہے یوں بھی کوئی عاشق مانجا
 بنٹ گئی غیر و نہیں ساری سلطنت ہلام کی
 راہ ہی نکھائیے ہم آپ کے اکرام کی +
 نیاز محمد خاں نیاز، فتنہ سوری

لوگوں کی انشاء { حایان تعلیم نسواں کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی لکھ
 لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبدالرشید صاحب انجیری کی قلم سے نکلے
 زبان کے واسطے کچھ لکھنا بلے سود ہے ہر خط ایسا نوثر ہے کہ ایک ایک اور
 کلیجہ پر گزرتا ہے قیمت ایک کو پیہ۔ اظہر بن جمعت و مدن سے آٹھ سائے
 منیچر جمعت و مدن ملی سے طبع ہے

حارث

(۳)

نیانسیق

(سلسلہ کے نئے سنی کا تقدیر ملاحظہ ہو)

یہ بھی کچھ پستہ قامت نہیں ہوں۔ درمیان قد مان میں بھی چہرہ اوچھا سہجہ چاہیے۔ مگر وہ تو مجھ سے بھی ایک سناٹا نکلتا ہوا تھا! میں نے جس وقت اس کی طرف دیکھا کہ قدرت کے ساتھ دیکھا۔ تو گویا خود بخود میں سمجھنے لگا کہ اس سے پیشتر خوبصورتی اور ذہانت کو، انسان کی ظاہری شکل و شبہات میں، اس قدر زخمی کے ساتھ اکٹھا کبھی نہیں پایا! اس اپنے میں ڈھلا ہوا سر، ایسا سبز جس سے قوت و ادراک دونوں ظاہر ہوتے تھے، بھرے بھرے ٹالوں کے درمیان پرستم جیسے شانوں کے درمیان۔ بے عیب تناسب کے ساتھ غزواتا اجہرہ بالکل کرتابی، بزرگ نہایت عمدہ زرد، زرد رنگ میں شعلہ کی طرح چمکنے والی سیاہ بہو زالی آنکھیں، اور ان آنکھوں میں عجب اور غضب کی کشش کچھ مسترت اور کچھ مصیبت ملی ہوئی کشش! اگر اس شاندار چہرہ کا دہانہ ناقابل شبہیہ مانہ انتہائے خوبصورتی کے ساتھ گولائی سے ہوتے، اس قدر رنگ نہیں کہ زمانہ پن کی نزاکت جھلکے۔ بلکہ مضبوطی، استقلال، اور مردانگی کی شان دالادمانہ سچ پوچھتے تو تمام نقشے کی زکھ تھا! مجھے اچھی طرح خیال ہے کہ، اطمینان کی حالت میں۔ یا بالفاظ دیگر، بنیہ کسی تعیش کے۔ اس مانے سے ایک قسم کی درستی، نفرت، بلکہ ظلم

چلتا ہے: اور محض ایک ہلکی سی سکراہٹ کے ساتھ، وہی عجیب و غریب
 وہانہ ایک ایسی لطافت ظاہر کرتا تھا جس کی تشبیہ کسی انسانی جذبہ سے
 نہیں دی جاسکتی، ایک بجلی کی چمک کی طرح، چشمِ زدن میں میں حیرت زدہ رہتا
 بہت دیر تک تھا، سکنت کے عالم میں کھڑے اس وقت کہ یہ سب سنہری پہاڑ رازِ ناقابل
 بیان چیز کیا ہے؟ یہ تمام اثر ڈالنے والے نیچر کے نمونے اپنے
 نو دار و دوست کے اُبھرے ہوئے خدو حال میں نے پہلے ہی غور میں
 نظر میں معلوم کر لیے تھے، اور جس وقت میرا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت
 سے چھٹتا، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں اسے اپنی رتِ عمر سے جانتا ہوں
 اور اب، میں اور وہ، ٹیمپ کی تیز روشنی میں بالکل آسنے سانسے کھڑے
 تھے کہ مجھے پھر کا ایک اپنی ظاہری حالت کا خیال آیا! ٹہن اکڑا،
 انگلی ٹھنی نام کو بھی نہیں، بنیز فرسش کی چھٹی چھٹی زمین، میرا پنا
 ذیل حیثیت کا لباس؛ اور اس کے مقابل میں اس کا شاندار جسم، ہلکا
 خوبصورت چہرہ، اس کا بیش قیمت سوٹ، اور اس کا اودھ کوٹنے
 بٹن کپڑا ایک حکمِ امیر انداز کے ساتھ کھڑا ہونا؛ بس، میں کچھ شرارت
 تھا، کچھ گھبراہٹ تھا، اور اس قدر سردی میں بھی کچھ پسینے پسینے
 ماتا تھا! اودھ ایک خفیف سکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا
 تھا، میری اندرونی حالت کا مطالعہ کر رہا تھا، اور آخر کار وہی سیٹھ
 بولا: میں دیکھ رہا ہوں کہ واقعی میں نہایت ناموزوں وقت آیا
 بہشتی سے یہ میری ایک خصوصیت ہے؛ میں جہاں کیس جاتا ہوں
 ایسے ہی وقت پہنچتا ہوں! میں جانتا ہوں، تریسٹ یافتہ حضرات ایسی
 جگہ نہیں جاتے جہاں ان کی ضرورت نہ ہو، اور اسی وجہ سے میرا خیال ہے کہ

میں آداب زندگی میں پورا نہیں ہوں! خبر میرا لی فرما کہ اس خط کی خاطر کیا
اُس نے ایک خط نکال کر مجھے دیا جس کے لغافہ کی تحریر سے ہی میں نے تاہلیا
کہ وہ معین کا تھا۔ میری اسس پتہ ہندی کو اپنی یاد سے بھلا دیسے کی کوشش
کیجئے، اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے بیٹھ جاؤں سبقتے آپ یہ خط
یا میری اسناد پڑھیں! "

اُس نے ایک کرسی لی اور وہ بیٹھ گیا مگر میں؟ اُس کے خوبصورت
چہرے کو دیکھ رہا تھا، اُس کے ایک ایک انداز کو جاہلچہا تھا، اور اُس کے
بے تکلفانہ برتاؤ سے اور زیادہ اُس کا دل جھوٹا جاتا تھا! کسی قسم کے خط
یا اسناد کی حاجت نہیں! میں نے اُس تمام محبت سے کہ ساتھ جو خود بخود
میرے دلیں سپید ہوئی تھی جواب دیا: "میرے پاس ایک خط مشرعیین کا اس
پہلے آچکا ہے: اس میں وہ آپ کی خوبیوں اور احسانات کو پوری طرح
بیان کر چکے ہیں! سچ یہ ہے کہ کہ۔ واقعی۔ پرس آپ مجھے معاف فرمائیں
گر میرے نزدیک یہ گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ کیونکہ... کیونکہ... میں آپ کو ایک سنگین
تقریر پہنچا رہا تھا... اس تقریر سے زیادہ میں کہہ نہ سکا، کیونکہ اس کی
چمکتی ہوئی آنکھیں غور کے ساتھ مجھے گہور رہی تھیں!!

جنابن! آج کل کوئی بھی سن سیدہ نہیں۔ ایک ہی نہیں! " اُس نے
اطمینان کے ساتھ جواب دیا: "اور تو اور، اس زمانہ کے باپ دادا ہی،
بچا پس برس کی عمر میں اُس سے زیادہ شوخ طبع اور چمچل ہو جاتے ہیں جس قدر
کہ وہ پندرہ برس کی عمر میں ہوں گے! آج کل کوئی شخص مہذب ساٹی
میں عمر کا ذکر نہیں چھیڑ سکتا! یہ ایک بیہودہ سی بات سمجھی جاتی ہے! آپ
آپ جانتے ہیں بدنامیاں ناقابل ذکر ہیں، اور عمر ایک بدنام چیز ہوگی

اس لیے اس کے ذوق سے پرہیز کرنا مفید اور تہذیب کا فرض عظیم ہے
 ہاں تو، آپ مجھ سے سیدہ شخص سمجھے ہوتے تھے، اور واقعی میں ان ہی
 قہاصل، آپ کو معلوم نہیں کہ میں کس قدر زیادہ سے سیدہ سا بخورہ ہوں؟
 میں نے اس کو معلوم ہونے والے فقرہ پر ہنستے ہوئے کہا: کبھی
 نہیں! آپ مجھ سے ہی کم عمر ہیں، اور نہیں ہیں تو کم از کم معلوم ضرور ہو جائے
 تادہ! بالکل غلط! اس نے ہنسنے کا جواب دیا: میری ظاہری حالت میرا طرز
 انداز۔ یہ سب باتیں آپ کو دہوکا دیتی ہیں! میں ان چند خوبصورت ہمیشہ
 جوان نظر آنے والے۔ الفاس میں سے ہوں جو اس خصوصیت کے لیے
 بہت مشہور ہیں! اور اصل میں جس قدر معلوم ہوتا ہوں اس سے کہیں زیادہ
 سسک رہی ہوں! اخیر جانے دیجئے! اب آپ مہربانی فرما کر میری دوست
 پوری کیجئے! بہرحال اس وقت تک اطمینان نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ
 اس خط کو پڑھ لیں!

اس طرح درخواست کیے جانے پر، اور اس سے بھی زیادہ اپنے
 آپ کو خوش خلق ظاہر کرنے کے لیے۔ کیونکہ اس سے پہلے میں عام حرکات
 سے نہایت گنوار بن کا اظہار کر چکا تھا مجھے خواہ مخواہ خط پڑھنا ہی پڑا۔
 امین نے فوراً غافہ چاک کیا، خط کہو لا، اور عورت کے ساتھ نظر دوڑانی شروع
 کی! اس خط میں بھی معین نے پرنس عارث کی خوبیوں کی بہت کچھ تعریف
 کی تھی اور یہ بیان کیا تھا کہ وہ ایک نہایت پُرانے خاندان سے ہے!
 اس کے مورث شالڈیا کے شاہزادے تھے جو کچھ عرصہ بعد ٹائر
 میں چلے گئے تھے! پرنس عارث نے خاص مجبوریوں اور پولیٹیکل معاملات
 کی وجہ سے جلا وطنی اختیار کر لی ہے اور دنیا کے ایک ایک حصہ کی

سیر کرنا اپنا مقصد نہ ملکی بنایا ہے اور بے انتہا متحمل ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا گائیڈ والا اور شاعر بھی ہے! چونکہ وہ دنیا کے چہ چہ سے واقف ہے اس لیے اس کا تجربہ قابل اعتبار ہے! اسکو انسان بلکہ تمام دنیا کی ہر شے سے ہمہ گیری و اقصیت ہے، اور اسی لیے اپنی وسیع معلومات کی بدولت وہ زندگی کے ہر تجربہ پر سائنس کے ہر مسئلہ پر اعلیٰ درجہ کی گفتگو کر سکتا ہے! وغیرہ، وغیرہ! خط تو میں نے جوں توں کر کے ختم کر لیا۔ لیکن ایک خیال خود بخود میرے دل میں پیدا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معین کو کوئی دوسرا شخص لفظ بلفظ بتاتا گیا ہے اور معین محض املا کی طرح لکھتا گیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا یہ خیال میرے دلیں کس وجہ سے پیدا ہوا۔ ہاں ہم پیدا ہی ہوا اور جاتا ہی رہا، لیکن میں نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں کی! اب میں پھر عارف کی طرف مخاطب ہوا! یہ خط۔ پرنس! میری بہت اور میرے افسوس کو، وہ بالا لکھے دیتا ہے! کیسے سے کیسے عاجزی اور معافی کے الفاظ، اس ناموزوں برتاؤ کو نہیں ہو سکتے جو مجھ سے ظاہر ہوا! یہ ناپاک تنگ و تدبیک جگہ اس قابل نہ تھی کہ میں آپ کا خیر مقدم بیاں کر تا ہوں! میں نادام ہوں، شرمندہ ہوں، پانی پانی ہوا جاتا ہوں.....“

”اس نے ایک خفیت سی حرکت اپنے ہاتھ سے کرتے ہوئے، ہاتھ کاٹ کر کہا: شرمندگی چہ معنی دارد! میرے خیال میں آپ کو فخر کرنا چاہیئے کہ آپ تنہا کے ہیودہ لوازمات سے پاک و صاف ہیں! علم و فراست تنگ و تاریک جگہ میں ہی پرورش پاتے ہیں، البتہ مرتے ہیں تو تو عمل میں مرتے ہیں! کیوں ہے نا؟“

”میں۔۔۔ میرے خیال میں تو ایسا نہیں ہے! ممکن ہے کہ علم و ذکاوت کبھی

عمر بھر میں ایک دفعہ کسی محل میں جہانک آئے ہوں! لیکن اکثر بلکہ ہمیشہ تو وہ فاقوں کے مارے ہی مرتے ہیں!

حادثہٗ درست، بالکل درست! مگر فاقوں کے مارے مرنے کے بعد وہ کتنے

احقوں کو اپنی محنت پر کھالے اور پسپائی کے لیے چوڑ جاتے ہیں؟

میرے عزیز دوست اس میں بی ایک زبردست مصلحت ہے! غرض

غالب ہمیشہ تنگی و عسرت کی وجہ سے نالاں رہے اور اس سطح

لمسے مائے کرتے چلے گئے: لیکن اب کس قدر ذلیل مطالع ایسے

میں جو اسی شخص کی دماغی قابلیت کو۔ اُس کی نظم و ضبط کو۔ چھاپ

کر، بلکہ غالباً غلط سلط سٹیشن اس کر کے اپنا پیٹ پاتے ہیں اور

مڑے اوڑاتے ہیں! یہ نیچر کا سب کو فائدہ پہنچانے والا قاعدہ

ہے: دنیا کے اعلیٰ افراد۔ وہ نہیں جن محض تعلیم کا پولش ٹرٹ

ہوا ہو، بلکہ وہ جو نیچر کے فیاض ہاتھوں سے اعلیٰ درجہ کا دامن

لے کر پیدا ہوئے ہوں۔ بُرے سے بُرے احمقوں کے

آرام و آسائش میا کرنے کے لیے خود تسلیم ہوتے رہا کریں!

یہاں تک پہنچ کر وہ عجیب و غریب انداز کے ساتھ بیٹھنے لگا!

میں: "پنس آپ نہایت بُری طرح جو کرتے ہیں! میں جانتا ہوں، آپ

جو کچھ فرما رہے ہیں دراصل اس کو ماننے نہ ہوں گے!"

حادثہٗ میں نہ جانتا ہوں گا! اور وہ ہی اپنی ہی تلقین کو، اپنے ہی تجربے کو

اگر ایسا ہو تو میں یہ کس صفت کا ہوں! یقین کیجئے میرا اعتقاد ہے

کہ شیطان کو ڈراما تمہ میں لیے، اس حق دنیا کو بدہر چاہتا ہے

بہنکاتے ہیے جاتا ہے! اس کے دماغ سے اب کسی قدر

درستی ظاہر ہونے لگی تھی کہ ادسنے ہنسی پیدا کرتے ہوئے کہا: "خیر !
 پند و نصائح کو چھوڑنا چاہئے ! پند و نصائح سے ہر تعلیم یافتہ شخص کو
 اس مہذب زمانہ میں ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے ! ہر ذی فہم
 اسکے سنتے سے نفرت کرتا ہے کہ۔ اسے کیسا ہونا چاہئے اور کیسا
 نہیں ہونا چاہئے ! میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ آپ سے دوستانہ ربط
 و ضبط پیدا کروں ، بشرطیکہ آپ بھی اجازت دیں ! اس لئے فضول کلفت
 برطرف ! کیا آپ مہربانی فرما کر میرے ساتھ ہوٹل تشریف لے جائیں گے ،
 اور وہاں چائے کھانا تناول فرمائیں گے ، میں کھانے کے حکم دے آیا ہوں"
 اُس کے حسن عجب نے ، اس کی شان و شوکت نے ، اُس کے محبت آمیز
 بے تکلفانہ برتاؤ نے ، یا کسی اور چیز نے جسکو میں نہ سمجھ سکا ہوں۔ میں
 قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ اس چیز نے مجھے اس کا گرویدہ بنا دیا تھا ، میں اپنے
 اور اُس کے مزاج و عادات میں بہت سی باتیں مشترک پاتا تھا ، اور میں اپنے
 دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ میں اور وہ شریک زندگی بن کر نہایت خوش و خرم ہو سکے
 ہیں ! میری رنجی حالت سے پیدا ہونیوالی شرمندگی بھی اب کس قدر کم ہو گئی
 تھی۔ میں مطمئن تھا ، اور اسکی درخواست۔ محبت آمیز درخواست ہر سولے
 اس کے اور کچھ نہ کہہ سکا " نہایت خوشی کیساتھ ! مگر۔ مگر۔ میں آپ سے کس قدر
 اپنی موجودہ حالت بیان کرنی چاہتا ہوں ! غالباً آپ میری نسبت میرے مہربان
 دوست معین الدین صاحب سے پوری طرح دریافت کر چکے ہوں گے اس
 جانتا ہوں آپ شریفانہ ارادہ سے تشریف لائے ہیں اور غالباً آپ کو امید ہوگی
 کہ آپ ایک مفلس اور مجبور شخص سے ملینگے۔ واقعی دو گھنٹے پہلے آپ مجھے ایسا ہی پاتے
 لیکن اب حالت بالکل پلٹ گئی ہے ! آج ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے !

”اور غالباً آپ کے موافق ہے اس نے بات کاٹ کر پوچھا!

”اس کو آپ خود معلوم کر سکتے ہیں یہ جواب دیتے ہوئے میں نے وہی پچاس لاکھ کی خوشخبری کی چٹھی اس کے ہاتھ میں دیدی! وہ سستے ہی پڑ پڑ لگا، اور ختم کرتے ہی بلا کسی حیرت و استعجاب کے بولا: ”اچھا تو، یہ کہیے! آپ کو مبارک باد دینی چاہیے! اور میں سچے دل کے ساتھ مبارکباد دیتا ہوں! مگر بھلا نہ مانتے گا۔ یہ رقم جس پر آپ قانع نظر آتے ہیں۔ میری نگاہ میں تو جیتی نہیں!!“

”اس نے ایک تہققہ مارا، اور میں حیرت زدہ ہو گیا! پچاس لاکھ کی رقم اور نہیں جیتی! میں مہوہ تھا، میں بالکل حیرت و استعجاب کی تصویر بن گیا تھا اور میرے سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا تھا کہ میں اس کے الفاظ کو صحیح سمجھوں یا معنی لاف زنی! مگر وہ میری مالعہ کی پردہ کیے بغیر کہے گیا یہ میرے عزیز دوست انسان کی ناقصا ہی طرح کسی طرح بوجھ نہیں سکتی! اگر وہ زندگی کے ایک مشغلے سے دلچسپی نہیں رکھتا، تو کسی دوسرے پر ضرور جان چڑھتا ہے! اس کے تمام مشاغل صرف فضول خرچی پر مبنی ہوتے ہیں! مثلاً عورتوں کو بیٹھے! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سوسائٹی کی چند حسین امثلی جوانی و لیوان فیشن اور انداز کی دلدادہ بعض جواہر اس کے مول لینے میں آپ کے پچاس لاکھ آف کر دیں گی! الگور وڈ اس سے ہی آسانی کے ساتھ اس رقم کو بٹھا سکتی ہے! نہیں، نہیں۔ میرے نقطہ خیال سے اب کبھی ہرگز متمول نہیں ہیں! یہ رقم ہمیشہ کیلے آپ کو غمتی اور بے سنکر نہیں بنا سکتی! یہی راستے میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی مستقل آمدنی ایک شخص کو اس قسط کر سکتی ہے کہ وہ محتاج خانہ سے

بچ جائے آپ اب بھی محتاج ہیں، صرف فرق یہ ہے کہ آپ کی ضرورتیا پہلے کی طرح آپ کو مجبور اور پریشان نہیں کر سکتیں! اور اسی کا مجھے فہم ہے! میں ایک خاص ارادہ سے ایک لایق شخص کی امداد اور سرپرستی کے ارادہ سے آپ کے پاس آیا تھا، مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ معمول کے موافق میرے ارادہ میں ایک چیز حائل ہو گئی! ہمیشہ میری ایک خاص قسمتی ہے! جب کبھی میں کسی خاص امداد کے ارادہ سے جاتا ہوں تو ہمیشہ بچہ ایک نہ ایک سدا راہ پیدا کر دیتی ہے! ان خیالات سے عجیب فکر اور پریشانی اُس کے چہرے کے ظاہر ہونے لگی! مگر اُس نے فوراً اپنی حالت بدلتے ہوئے کہا: "ہاں تو اب جو کچھ آپ لکھ چکی ہیں! اور غصہ قریب سوسائٹی کے شیر بننے والے ہیں، اسلئے مجوزہ دعوت قابل اعتراض نہیں ہو سکتی! اور اُس کے بعد سب بڑے مال فرمایئے کیا رائے ہے؟"

اُس نے عجیب محبت کے ساتھ میرے شانے پر ہاتھ مارا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میری طرف دیکھنے لگا: "آہ، وہ پراثر و بخش نظریں شعلہ جیسی چمکتی ہوئی آنکھوں سے نکلنے والی نظریں۔ اور اُن میں نہایت ہلکے ہلکے آنسو ڈبڈبائے ہوئے! کچھ نہ پوچھیے کہ ان میں کیس غصہ کیا جا دوتا تھا! دراصل میں اُس کشش کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، اور نہ میں نے اُس کی سوشلسٹ کی اتنا ہم میں نے اپنے خراب خستہ لباس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا: "معاف فرمائیے، پرنس میں آپ کی ہمارا ہی کے لایق نہیں ہوں! میں اپنی ظاہرہ حالت سے ایک بازاری آوارہ گرد معلوم ہوتا ہوں!"

”کیا واقعی آپ معلوم ہوتے ہیں! اس نے جھپٹے ہوئے کہا۔ لیکن
 خاطر جمع رکھئے آپ ہر رنگ میں کروستہ ہیں! کپڑوں کی خوبصورتی
 اور نئی تراش کا خیال اوسط درجہ کے مغرور نوجوانی کو ہوا کرتا ہے
 یا سوسائٹی کی نوجوان شخص اچھوتیاں اسپر جان دیتی ہیں! اگر وزیر عظم
 پر ڈھیلا ڈھالا اور بدن کوٹ ہی کہلاتا ہے! اگر تیلی خوب بہری ہوئی
 ہو تو لباس چنداں قابلِ ملاحظہ نہیں! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صبح
 ہوتے ہی دس پارچہ اجناروں میں آپ کا یکا یک کھچتی ہو جانا
 شائع ہوا نہیں کہ کسی اعلیٰ درجہ کے ٹیلر نے آپ کے نام سے، بالکل
 آپ کے اس پرانے کوٹ کی قطع پر ایک نوجوان بخت چسٹر فیلڈ
 میلے خاکی رنگ کا ایجاد کر دیا! آپ اس کی مطلق پرواہ نہ کریں! بس
 اب کہا نیلگوں زیادہ دیر ہوئی جاتی ہے! میرے ساتھ میرا پنا باورچی ہو
 اور غالباً آپ اس کے ہاتھ کا کھانا پسند کریں گے! فی الحال میں ضرر
 یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ خوشی کے ساتھ مجھے اپنا بیکربن بنا
 منظور کریں“

یہ عنایت کچھ ایسے بے تکلفانہ لہجہ میں محبت آمیز لہجہ میں۔ اکی گئی
 تھی کہ مجھے منظور کرتے ہی بن آئی، اس کے علاوہ میں اس کے
 منظور کرنے سے اکثر عارضی جھگڑوں سے سبکدوش ہو گیا! میں نے
 فوراً اپنے مکان واسطے نام ایک خط لکھا۔ یہ بتانے کے لیے
 لکھا کہ میں اس وقت سے مکان چھوڑتا ہوں، کرایہ واجب الادا
 کل بذریعہ ڈاک روانہ کروں گا! اب میں نے وہی اپنا پسند نہ کیے
 جانے والا ناول۔ میری دماغی منت کا ٹھکانہ اٹھایا اور اپنی جیب تک

رکھ لیا میں نے اپنے نئے رشتہ کا ماتہ ہاتھ میں لیا، لمبے گل کی
اور اس عجیب ہستی کے ساتھ کرے سے باہر نکلتے ہوئے اپنے
گوشتہ مافیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیرباد کہا!

مجھے قطعی خیال نہیں تھا کہ ایک وقت ایسا ہی آنے والا ہے جبکہ
میں اسی ذیل کرہ کی یاد میں بیتاب رہوں گا، جبکہ اُسی پریشان
کرنے والی تمنائی کو دل سے ڈھونڈوں گا، جبکہ اُسی ناگفتہ بہ افلاس
کی یاد میں آٹھ آٹھ آنسوؤں کا اکاش کہ میں افلاس کو سچا کرتا
بتانے والا پاک فرشتہ سمجھتا، اسکو ان ہی آنکھوں سے دیکھتا
جن سے اب دیکھتا ہوں! کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ پچھنے ہمارے
ستقبل کو ہماری نظروں سے پوشیدہ رکھنے میں کیسی عظیم الشان
حکمت سے کام لیا ہے؟ کیا ہم کو اپنے مستقبل سے آگاہی موتی
تو ہم بُری باتوں سے بچ سکتے، اور اگر نہ بچ سکتے تو کیا زندگی
و مال جان نہ ہو جاتی؟ یہ ایک نہایت اچھا ہوا سوال ہے جس کا
جواب محض امانت نہیں دے سکتی! بہر حال میری اُس وقت کی اُقتیت
اپنے مستقبل سے ناواقفیت۔ میرے لیے نہایت اچھی ثابت
ہوئی: کیونکہ میں خوشی خوشی اُٹھا، مسرت کے ساتھ باہر آیا، اور نہایت
دُکھی کے ساتھ۔ کیونکہ میں آنے والے زمانہ کو بہترین زمانہ سمجھ رہا تھا۔

نوٹ کرو سس۔ یونان کا نہایت مقبول بادشاہ گذرا ہے، یونان کا ہر شخص
تول کی وجہ سے اس کے آگے گردن جھکاتا تھا، وہ لدا یا کا بادشاہ تھا
اُس کا زمانہ سنہ ۱۰۰۰ سے سنہ ۱۰۰۰ قبل حضرت مسیح تھا۔ وہ اپنے
تول کیلئے کارون کی طرح مشہور ہے۔ (جوش)

(یونان کا بادشاہ تھا)

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پُرانے مسکن کو چھوڑ گیا! اس موقع کی اور کوئی بات تو بچے یاد نہیں، البتہ اس قدر ضرور یاد ہے اور ابھی طرح یاد ہے کہ وہی گلے والے والا۔ نظر نہ آنے والا ہارمونیم نواز۔ پوری آواز کے ساتھ رات کے ستائے اور سنان میں عجیب و غریب لہجہ میں گارہا تھا:-

مارانِ ریشم ہمہ از من جدا شدند
ماہیم و آستانہ دولت پناہ تو اا

سلطانِ حیدر جوش (علیگ)

ہمیشہ کی شدت اور طبعی بالی کثرت نے انکس کہ اس پرچہ کی شاعت میں غیر معمولی تاخیر پیدا کی گواہی تک لیرہا میں کمی نہیں ہوئی لیکن امید ہے کہ اکتوبر نومبر کے رسالے آخر نومبر تک ناظرین مدن کے ملاحظہ سے گدجا میں گئے +

میں پہلے مینہ میں زیادہ تردی سے باہر رہا اور اب تک ہوں اس لیے یمن ضروری خطوط کا جواب بھی خود نہ دے سکا امید ہے کہ ناظرین مدن معاف فرمائیں گے میری عدم موجودگی اور ہر پروف ریڈر صاحب کی علالت سے اس پرچہ میں زیادہ غلطیاں رہ گئیں نامہ نگار صاحبان سے امید ہے کہ وہ مجبور سمجھ کر معاف کریں۔

ایڈیٹر

سراپائے نبی کریم صلم

کئی سال ہوئے کہ میں نے ایک طویل سداں لکھا تھا، جس میں واقعہ جنگ بدرِ لغم کیا گیا تھا اسی طرح کچھ دن اور قبل ایک سداں میں واقعہ جنگ خیبر منظرِ م کیا گیا تھا۔ مگر دونوں کی جڑوں میں فرق تھا ایک سداں میں سے صرف سراپا کے بند انتخاب کر کے رسالہ الفاظِ کھنوں میں شائع ہوئے تھے۔ آج دوسرے سداں کے صرف سراپا کے بند نکال کر بذریعہ تمدن ہدیہ ناظرین کیئے جاتے ہیں۔

تمنا

چہرہ کی آب و تاب ہے چاند بی نخل
خوشیدالگ ہر سرگربان و شمع
گلزار میں ہر شکستہ بر نیول مضمحل
شما دے بدائعِ قامت سے پاگل

یک پونچھ کوئی عارضِ پور نور شاہ کو

خوشید کو تو ہے یزاقاں، برص ماہ کو

گیسو وہ مشک فام، کہ عنبر نثار ہو
لب ایسے نازیں، کہ گل تر نثار ہو
دنداں وہ آبدار، کہ گوہر نثار ہو
عارض وہ آئینہ، کہ سکندر نثار ہو

گردن چک رہی ہے عجب آب و تاب کے

کھڑے کو بھی ملائے کوئی آفتاب کے

آنکھیں بعینہ گل بادام کی طرح
گردش ہے جنگی گردشِ دیاں کی طرح
مخمر دست بادہ کلف نام کی طرح
پرتی ہے چارست نظر جام کی طرح
آنکھوں کو جا بادہ اطر تاتے ہیں
سے شرو کو ہم خطا غرتا ہے ہیں

کس نہ سے ہو بیان دہن پاک کی ثنا
جو خاص وسیع قدرتِ خالق سے ہونا
لازم ہے جس کے آگے قر کو ہی اکتفا
مِنْ هِجْرَةٍ اَصَابَتْ بِمَا مَأْصِبَاتُهَا

چپ تھے تو غمخوارِ فوابعِ تسبہوں تھا

جب ہنس پڑے تو نخلِ رسالت کا پھول تھا

پہلے تو سنے بغیرت گلشن کو دیکھنے
پیرس کے بعد چاند سی گردن کو دیکھنے
پہلائے ہاتھ گھیسوئے برفن کو دیکھنے
تب پیر سے استعارہ روشن کو دیکھنے

اک میخروش سائے قرآن نکال کے

بیٹھا ہے ہاتھ گردن میا میں ال کے

روشن ہے یہ کہ چاند میں ایسی چمک کہاں
کندن میں ہو دمک، مگر ایسی دمک کہاں
گوہر ہے ابدار، مگر یہ جھلک کہاں
ایسا ہوا جہان میں کوئی اجک کہاں

لاکھ آفتاب روز جزا و شمس پر نثار

صبحِ عید صبح بنا گوشش پر نثار

عارض میں وہ غنیا کہ ملاحظتِ نثار تھی
گردن میں وہ محفلا کہ صباحتِ نثار تھی

ہاتھوں میں وہ سخا کہ سخاوتِ نثار تھی
قامت میں وہ ادا کہ قیامتِ نثار تھی

کیا کوئی مثل ہو، شریف اسبق تھے آپ

سایہ کہاں سے آئے کہ خود ظل حق تھے آپ

کے معارفہ یہ قدرت سے جس کا ہاتھ
جس ہاتھ میں دیا یہ بیضائے پناہ ہاتھ

چوے ہیں جب کو جن دلاکٹ ایسا ہاتھ
وہ باری پاری انگلیاں وہ پہلا ہاتھ

ہے کفر، خاص دستِ خدا کیسے سم کہیں

دن ہے جوشِ عشق اگر اس سے کم کہیں

کیا باتوں ہو، کہ نور کے ساچو میں ہو دھلا
ہر دم میں جس کے نقش کعبہ پا کا چرون

جس کے قدم کساتمہ ہو شکر لگا ہوا وہود ہو کے روز پیتے ہیں اس کو ملائکہ
حیران اس کی کُنہ میں ہر عقلمند ہے
اس پاؤں کا تو عرش سے پایا بلند ہے
قامت کے وصف کا جو عاشق اکیلا ہم نے کیا تلخ شمشاد استیار
پھر بھی نہیں ملا کوئی مضمون آبدار ہاں اک مثال مرد وہ ہے ممکن گوار
تعریف ہی جو صرف نیاں سے ادا ہوتی۔

اک عرصہ سخن میں قیامت بپا ہوتی
جسٹن کا کوئی بُت فٹا نہ رہا کہاں؟ زُریں کو آنکھیں ہیں گاندہ نہ کہاں
قد نہ رو کو ہی چشمِ سنو نہ بے کہاں سون کو ہے دہن، مگر اعجاز ہی کہاں
سبل ہے بیچ میں تدبیر جو نہیں مجھے
شمت و پاگل ہے کہ گیسو نہیں مجھے
تمنا عادی پہلوار دی

۱۵ مئی طریت شمشاد بکھنوی۔ فرنگی علی بیجر مدرسہ چشمہ رحمت
غازی پور، مدظلہم ۱۲۔ تنہا۔

الحق مائی۔ مولوی سیّد احمد صاحب کی پیشین ہا تصنیف جو علاوہ دہلی
ہونے کے ایک نہایت سودمند کتاب ہے مصنف نے از سر نو
ترمیم کے بعد نہایت محنت سے تیار کی گئی ہے بیگماتی زبان قلمی
کے محاورے قصہ کی دلچسپی تقریر یہ کہ کتاب بنیر ختم کیے چوڑنگو
جی نہیں چاہتا قیمت۔ ایک روپیہ (عمر)
شیخ عصمت ممدن۔ دہلی سولہ گنج

تاریخ اسلام کا دروناں واقعہ

یعنی

ہسپانیہ سے مسلمانوں کا انسراج

تاریخ شاہد ہے کہ ہسپانیہ (اندلس) میں مسلمانوں کی کیسی شاندار اور با عظمت حکومت تھی اور انہوں نے اس ملک میں کیسے چار چاند لگا دیئے تھے۔ اسلامی کارناموں کے یادگار ہیں اب بھی موجود ہیں اور نصرت مناج و صاحب درو سیلح ان کو دیکھ کر ضرور افسوس کرتے ہیں۔ ہر شکستہ درو دیوار سے اُس کے بانی کی اولوالعظمیٰ اور شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اب کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ آٹھ صدیوں کی سلطنت اعیالِ جہ کے ہاتھوں آنا فنا ہوا۔ تباہ و برباد ہو گئی اور بقول مولانا حالیؒ

اک کہانی سپر زن کی رہ گئی راج کسریٰ کا رہا باقی نہ پاٹ

مصری سینح اجمل زکی آفندلیؒ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے ہسپانیہ کی مردم شماری مسلمانوں کے عہد میں چار کروڑ تھی مگر اب صرف ایک کروڑ رہ گیا ہے۔ زمینیں اکثر ویران پڑی ہیں اور مساش کے وسائل

۱۵ احمد زکی نے یورپ کا سفر ۱۹۰۲ء میں کیا تھا اور یہ فاضل شخص محکمہ ترجمہ

مصر کا رئیس المتر ہیں اور زندہ ہے اس کا سفر نامہ جس کا نام

المسفر الی الموتر ہے معلومات اور تحقیقات کا خزانہ اور زمانہ حال کے

بہترین مایعات میں سے ہے ۱۲۔

نہایت کم ہیں قلت آبادی اور کثرت ویرانی کا یہ باعث ہے کہ فلفٹ ثانی نے
چھ لاکھ مسلمانوں کو جو سب کاشتکار تھے ایک دم سے جلا وطن کر دیا تھا اسلامی
عہد کی ترقی و عظمت و شوکت، نزاکت و تکلف کے جلوے اب بھی نظر آتے
ہیں۔ غرناطہ کا قصر حمرا عریب و غریب عمارت ہر اگرچہ اب اس کے کٹھنہ
ہے باقی رہ گئے لیکن ان میں ہی جو بات ہے وہ انگلستان
فرانس کی بڑی بڑی مارتوں میں نہیں، مصنف کے عامل لفظ
یہ ہے:-

ويعلم الله اننى ما لى لى فى طول سيا حالى شىئا اذق وانفن
واحمل واكل سمانا تيه فى هذه المدينه (خدا جانتا ہے کہ میں نے
اس تمام سفر میں کہیں ایسی نسبت نہ مستادانہ۔ خوبصورت۔ عمدہ ترس چیزیں
نہیں دیکھیں جیسے اس شہر میں دیکھیں) آگے چل کر لکھتا ہے:-

"اگرچہ عرب اس ملک میں نہیں رہے لیکن ان کی یادگاریں
ہر جگہ موجود ہیں۔ ملک میں جو قوانین جاری ہیں ان میں اسلامی
آئین موجود ہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کے اخلاق و عادات میں
اسلامی جمہوریت پائی جاتی ہے۔ تمام پورے کے برخلاف یہاں کے
لوگ بگڑے فوار مہمان پرست ہیں۔ یہ لوگ اجنبی آدمیوں کے
ساتھ نہایت اخلاق کے پیشکش آتے ہیں اور ہر کام میں ان کی
اعانت کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یورپ کے دیگر ممالک اور اس ملک
میں یہی فرق محسوس ہوتا ہے:-

یہ ہے سہانہ کی حالت ۵

وید و غیرت کثرت حق راہیں شامت اعمال و صورت اور رفت

تاریخوں کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۹ھ میں
 فرڈی نینڈ وازا بیلہ کی شادی ہو جانے سے کسٹیل - اراوان اور لیون
 کی نو میں ایک علم کے سایہ میں آگئیں۔ یہ دونوں تعصب کی مجسم تصویر تھیں
 مسلمانوں کو قتل کرنا۔ ان کے گہروں کو لوٹ لینا عین ثواب سمجھتے تھے
 ہسپانیہ کی ترقی ان کی آنکھوں میں کانٹوں کی طرح کشاکش رہی تھی۔ شا
 اعمال سے محنت سلطنت کمزور اور بزدل ابو عبد اللہ محمد کے ہاتھ آگیا اور
 اس ملک فروش کے قدم دیکھتے ہی فرڈی نینڈ کے خیالات پورے
 ہونے کی اُمید ہو گئی۔ اس جو قوت بادشاہ نے اپنے مدبر و مصلحکار
 جہا الزمل کا کہنا مان کر عیسائیوں پر حملہ کیا باوجودیکہ اس کی طاقت
 فرڈی نینڈ کے مقابلہ میں کمزور تھی لیکن شامت اعمال کا کیا علاج
 آخر نتیجہ یہ ہوا کہ قید ہو گیا۔ فرڈی نینڈ نے یہ شرط پیش کی کہ بیشہ
 کے واسطے ہسپانیہ کی سلطنت عیسائیوں کی خواجگزار رہے۔
 ابو عبد اللہ محمد کے حق میں یہ شرط بغیثت تھی وہ فوراً راضی ہو گیا اور
 وہی عوب جو کبھی کسی سے دکر نہ رہتے تھے ابو عبد اللہ کی نا تجربہ کاری
 سے محکوم ہو گئے۔ الزمل نہایت مختصر بہ کار اور غیور جنرل تھا اس نے
 ارادہ کیا کہ ایک دفعہ توادر کو شش کر کے دیکھو اگر عیسائیوں پر غلبہ ہو گیا
 تو سب جان المدونہ اس دولت کی زندگی سے موت اچھی اس نے
 عہدگی کے ساتھ سامان جنگ درست کیا اور ابو عبد اللہ کو سمجھایا کہ باور
 آدمی صرف ایک دفعہ ہی مراکتا ہے اور نامرد کے واسطے روزانہ
 موت ہے۔ عیسائیوں کی کسی بات کا مست اعتبار کرو۔ آؤ ہم تم کو
 باندھ کر پہر ایک دفعہ باقی سلطنت کو عروج پر پہنچانے کی کوشش کریں

لیکن انیسویں صدی کے آغاز میں جب کہ ابو عبد اللہ نے دہوکا دیا اور یہ ظاہر راضی ہو کر آخر کو خاموش ہو گیا۔ آخر ان کا غل ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر دوسرے کے ساتھ نکلا اور عیسائیوں سے محسوس کیا کہ آما ہوا لیکن ابو عبد اللہ نے اس کے ساتھ میں رکاوٹ پیدا کر دی اور اس کا انجام یہ ہوا کہ بہادر حسین بالکل ناکام رہا اور عیسائیوں کے قبضہ میں آوا۔ قلعہ بنو لا۔ روند۔ اور دوسرے شہر آگے اور تھوڑے دنوں کے بعد مسلمانوں کے مضبوط اور مستحکم شہر بونٹہ کو بھی لے لیا اس کے ایک سال بعد شہر میں ملائمت پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اب مسلمانوں کے پاس نصف ہسپانیہ سے بھی کم رہ گیا ظالم فردی نینڈ نے مقبوضہ شہروں کے باشندوں پر جو ظلم و ستم کیے ہم ان کو ہسپانیہ کے سوز کا بڑی کے الفاظ میں ادا کرتے ہیں وہ کہتا ہے:-

عیسائیوں نے مقبوضہ شہروں کے باشندوں سے امان کا وعدہ کیا تھا مگر جب اپنی اچھی طرح تسلط ہو گئے تو مسلمانوں کو یا تو غلام بنالیا یا جلا وطن کر دیا۔ فصلیں اور پہلدار وخت برباد کیے۔ گہروں میں آگ لگا دی۔ بیگناہ لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ مسلمانوں نے جس زمین کے واسطے اپنا خون بہایا اور نہروں جانیں قربان کی تھیں اس کے ایک ایک اچھے پر ظالموں کا قبضہ ہو گیا۔

رفتہ رفتہ عیسائیوں نے باقی ماندہ شہر و پسر بھی قبضہ کر لیا۔ بہادر ان کا اسلوب چلا گیا اور وہاں دل شکنی کی موت مریا۔ ابو عبد اللہ کے پاس اب صرف غرناطہ باقی رہ گیا۔ فردوسی نینڈ کی آنکھیں غرناطہ کو مسلمانوں کے پاس کہاں دیکھ سکتی تھیں اس نے ابو عبد اللہ سے اول تو مقبولیت



غزناطہ - (اہل کیشاں کے ظلم کے بعد)



قصر جامع العارف کی موجودہ حالت

شہر خالی کر دینے کو کہا مگر جب ایک بہادر سردار موستے کے کہنے سے اس نے اٹھ کر کیا تو فرڈی نینڈ دس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادے لیکر آگیا۔ بہادر کوستے نے مقابلہ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ خوب ہی داؤد جو افروزی دی لیکن وہ کیا کرتا اس کے پاس نہ اس مستند سامان جنگ تھا اور نہ ایسی قوت کہ عیسائیوں کا بجڑی مقابلہ کر سکتا آخر قلعہ بند ہو گیا۔ فرڈی نینڈ نے شہر کے کل رہستے مسدود کر دیئے اور محصورین کو سامان خوراک کے تحلیف ہونے لگی لیکن انہوں نے اس حالت کو بھی مہینوں برداشت کیا آخر جب بالکل مجبور ہو گئے تو شہر حوالہ کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ ہو کر اور پیاس سے وہ کام کرایا جو عرب سمجھی نہ کرتے۔ انسوس ابو عبد اللہ اگر عقل مند ہوتا تو کاسب کو مسلمان کی باعظمت سلطنت عیا میٹ ہو جاتی۔

شرائط طے کرنے کے واسطے اراکین عیسائی کمیٹی میں گئے اور بعد تردد و کلبیاریہ امور قرار پائے +

- ۱۔ بادشاہ - وزراء - علماء و محیرہ فرڈی نینڈ کی اطاعت کا علف اٹھائینگے
- ۲۔ ابو عبد اللہ محمد کو سب اوقات کے واسطے جاگیر معقول دی جائے گی۔
- ۳۔ مسلمانوں کو امان دی جائے گی۔ ان کے گھوڑوں اور ہتھیاروں کو ضبط نہ کیا جائے گا +

- ۴۔ مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔ مساجد اور عبادت گاہیں بدستور قائم رہیں گے۔ نوؤن اذان آزادی سے دے سکیں گے
- ۵۔ مسلمان رسم و رواج - لباس اور زبان میں آزاد رہیں گے۔

- ۶۔ مسلمانوں کے مقدمات انہیں کے منصف فیصل کریں گے اور اگر مسلمان اور عیسائیوں میں کوئی تنازعہ ہو جائے تو وہ دونوں فریقوں کی ایک

مشرک و جاہل انصاف کہے گی۔

۶۔ مسلمانوں پر موجود ٹیکس کے علاوہ نیا ٹیکس نہ لگایا جائے گا۔

۸۔ کوئی عیسائی جبراً مسلمانوں کے گھروں میں نہ داخل ہو سکے گا۔

۹۔ مسلمان قیدی رہا کیے جائیں گے۔

۱۰۔ جبراً مسلمان افریقہ جانا چاہیں اُن کو روکا جائے گا اور کیشل جہازات

صرف کرایہ لیکر منزل مقصود تک پہنچا دیں گے۔ اگر مقررہ میعاد

کے اندر کوئی مسلمان بجائے تو جہاز کا کرایہ بعد وضع عشر واپس کر دیا

جائے گا۔

۱۱۔ کبھی شہر کو بغیر ثبوت جرم سزا دی جائے گی۔

۱۲۔ جبراً عیسائی مزدیا عورت مسلمان رہ جائے اُسکو جبراً سبقت مذہب میں نہ

لایا جائے گا۔

۱۳۔ اگر کوئی مسلمان عیسائی ہونا چاہے تو اُسکو غور کر سیکھے چند

دنوں کا موقع دیا جائے گا۔ مقررہ مدت کے بعد عیسائی اور مسلمان

منصف پر اس سے دریافت کریں گے اسپر ہی اگر وہ راضی ہوگا

تو اختیار دیا جائے گا۔

۱۴۔ کوئی مسلمان اگر عیسائیوں میں رہنا چاہے تو طرہ طرح اُس کی طاعت

کی جائے گی۔

۱۵۔ مسلمان تو ہتھیاروں کی طرح کوئی نشان تینر نہ لگایا جائے گا۔

دیکھنے میں یہ شہر اظہار کیسے دل خوش کن ہیں لیکن جس طرح یورپ اب تک

اپنی پالیسی پر عمل کرتا ہے ویسا ہی اُس زمانہ میں ہی تھا۔ کہنے اور

کہنے میں بڑا فرق ہے۔

اس عہد نامہ کو دیکھ کر بہادر موسیٰ نے پہلی مخالفت کی اور کہا
عیسائیوں کے وعدہ و نپہر سناؤ وہ کبھی ان کی پابندی نہ کریں گے۔ اس سے
بترسے کہ مر جاؤ دین و دنیا دونوں اچھے ہو جائیں گے ورنہ یہ بدکردار
تھاری عورتوں کی عصمت بگاڑیں گے اور تمہیں ذلیل رسوا کریں گے +
لیکن اس مخالفت کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر اس جوانمرد نے مایوس
ہو کر سب لوگوں کو نفرت کی نظر سے دیکھا اور گھوڑو پر سوار ہو کر عیسائی کیمپ
کی جانب چلا گیا۔ لیکن پہرہ کشی نہ آیا۔ وہ مرنے کے واسطے گیا تھا اور آخر
ایسی موت مارجیات جاودانی کھلاتی ہے۔ خود عیسائی مورخ کا نتیجہ -
دہپانوی اس کا ذکر خیر یہ افکار میں کرتا ہے۔ موسیٰ نے بہت
سے عیسائیوں کو مارا اور جب زخموں میں چر رہا ہو گیا اور گھوڑا بھی لٹا گیا
تو وہ تلوار سے گٹھنوں کے بل کھڑا ہو گیا۔ عیسائیوں نے اس سے بیگاری
اور شجاعت کو دیکھ کر جان بخشی کا وعدہ کیا مگر وہ ایسی زندگی کو موسیٰ سے
بدتر سمجھتا تھا۔ روتے روتے جب جاں بلب ہو گیا تو اس خیال سے کہ اس کے
لاش کی بجائے تہمتی نہواپنے آپ کو دریائے زریل میں گرا دیلے۔ زہرہ جو پہنچ
ہوئے تہا بہاری تھی۔ گرتی ہے تہ میں بیٹھ گیا۔ لیکن شہرت جو انمرد
کی آسمان پر دوامی طور پر چمکنے لگا +

آخر ستر جنوری ۱۹۲۹ء کا دن آیا۔ کیسی نخوس گھڑی تھی کہ غناط پر
عیسائیوں کا قبضہ ہوا۔ ہلال کی بجائے عقیب کا چہرہ ہونے لگا گویا
یہ نشان تھا اس بات کا کہ سپانیہ کی ترقی کا افتاب گنہامی کے پردے
میں ہمیشہ کے واسطے جاچکا +

ابو عبد اللہ کو اندازہ تھا کہ یہاں بھی گئی اور نہ یہ وہ اپنی سلطنت

ہاتھ دھو کر جا رہا تھا تو غرناطہ کو دیکھ کر خوب رویا۔ آہ۔ اُس کے بزرگوں کی
کسا ئی آٹھ سو برس کی طاقت کے ہاتھوں جاتی رہی۔ اُس وقت باجیوت
موسے بن نصیر طارق ابن زیاد۔ عبدالرحمن اول۔ عبدالرحمن دوم عبدالرحمن
سوم کی روحوں پر کیا صدمہ ہو گا جنہوں نے پانی کی جگہ خون ببا کر توحید کا
ڈنگو بجایا تھا اور ہر وقت کہہ اُٹھتے تھے ۵

موقع پر مونہ کو موڑیں ایسے جہاں نہیں ہم نرنا سے غرض کیا۔ مجرتاں نہیں ہم
حق بات کیوں کہیں کچھ سیزاں نہیں ہم باطل سے بچنے والے لستہ سماں نہیں ہم
سوار کر چکا ہے تو اُستحساں ہمارا

ابو عبد اللہ کو اندازہ میں بھی فرڈی نینڈ نے چین نہ لینے دیا اور
افریقہ کی جانب جلاوطن کر دیا آخر وہ ششہاء میں مر گیا۔ اُس کی اولاد کا
چشمہ ہوا کہ نان شبینہ تک کو متعلق ہو گئی۔

معاہدہ کی شرائط پر ایمان دار و منصف مزاج فرڈی نینڈ نے کچھ تو جہ
نہ کی اور بہادر موسے کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ سب سے پہلے
اُس نے یہودیوں کو حق کرنا شروع کیا اس قوم کے دولت پر اُس کی
نظر تھی اور سلطنتِ عالم میں ایک حکم جاری کیا کہ یہودی یا تو عیسائی ہو جائیں نہ
جلاوطن کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ ان غریبوں کو خلافت، ورزی میں زندہ
جلا یا گیا۔ سولی دی گئی اور تمام مال و اسباب ضبط کر کے جلاوطن کیا گیا
یہودیوں کے بعد مسلمانوں کی باری تھی اپنی ہی طرح کی سختی کی گئی
بہتوں کو جبراً اصبطاع دیا گیا۔ جب یہ حالت ناممکن ابرداشت ہو گئی تو
مسلمان بنارت پر آمادہ ہو گئے لیکن حکومت کے مقابلہ میں رعایا کی بنیاد
کبھی سرسبز نہیں ہوتی چنانچہ پہلے سے زیادہ ایسا نہ اراد حضرت مسیح مہکے

خاص الخاص متعقدین عیسائیوں نے سمجھ کر فی شرع کی اور جو حکم یہودیوں کو دیا گیا تھا کہ یا تو مذہب ترک کریں ورنہ جلا وطن ہو جائیں وہی ان کو بھی دیا گیا بعض مجبور ی عیسائی ہو گئے اور کثیر حصہ ہسپانیہ سے چلا گیا۔ عیسائیوں نے ایک مسجد کو جہاں مسلمان مرد اور عورتیں جمع تھے باوجود ہسپانویوں نے انہیں مسلمانوں نے بھی بغاوت کی اور ایسا مقابلہ کیا کہ قتل بلاتنا کے قریب عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی اس محاربہ سے یہ فائدہ ہوا کہ باقی ماندہ مسلمانوں کو مراکش، مصر و مملکت عثمانیہ جانیکا موقع مل گیا۔ لیکن ان کا مال و اسباب وغیرہ سب کاسب عیسائیوں نے ضبط کر لیا۔

فرڈی نینڈ کے مظالم نے کل ہسپانیہ سے اپنے نزدیک مسلمانوں کو خارج کر دیا اور اب جہاں نظر جاتی تھی یا تو عیسائی نظر آتے تھے یا وہ مسلمان جو جبراً عیسائی بنائے گئے تھے لیکن جبراً عیسائی نظر نہ آتے تھے عیسوی کے پیرو تھے لیکن باطن میں اسلام کی غفلت کو یہ سمجھتے تھے وہ چھپ کر نمازیں پڑھتے اور ارکان اسلام کو بجا لاتے تھے فرڈی نینڈ اگر عقلمند ہوتا تو وہ ہرگز مسلمانوں پر اس قدر ظلم روا نہ کرتا اور ان شرائط کی پابندی کرتا جو غلامانہ عیسیت وقت مسلمانوں کے کی تھیں۔ ان مظالم کا یہ منہمک ہوا کہ حکومت کو ہر وقت بغاوت کا خدشہ لگا رہتا تھا اور غلامانہ طریقہ۔ سیول میں ہمیشہ آگ کے شعلے بلند رہتے تھے۔ عیسائیوں کو اگر کسی شخص کی بابت ذرا بھی شبہ ہوتا تھا تو وہ اس آگ میں زندہ جلا یا جاتا تھا۔ ملک میں عام حکم تھا کہ کوئی عیسائی شدہ مسلمان کسی قسم کا ہتھیار لینے چاہے تو تک بھی نہ رہ سکے +

سلسلہ ۱۵ میں فلپ ثانی تخت حکومت پر بیٹھا اس کے وقت میں غرناطہ کی
 بشپ نے ایک فرمان صادر کیا کہ ایک دن کے اندر تمام عیسائی شدہ مسلمان بچی زبان سے
 رسوم اطوار غرضیکہ ہر ایک بات کو ترک کر دیں۔ انصاف چاہیے کہ عیسائیوں نے
 کیسی کبھی کلیفیں ان عوجوں کو پہنچائیں اور اب یہ حکم ان کے واسطے کیسا شدید
 ترین تھا۔ تنگ آکر ان لوگوں نے پیر عبادت کی تو عیسائیوں کو پورے طور پر
 معلوم ہو گیا کہ یہ دل سے نہیں ہوتے اب کیا تھا اس قدر بہانہ شقاوت کرنے
 کے واسطے کافی تھا۔ چنانچہ ہسپانوی جنرل ڈاں جان نے تین سال کے اندر
 کل عبادت کو فرو کر دیا۔ یادہ سکر لفظوں میں کل مسلمانوں کا نام مٹا دیا مردوں
 عورتوں اور بچوں کو بے دریغ تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ گانوں اٹھ ہس
 لاشوں سے پٹ گئے جن عوجوں نے غاروں میں پناہ لی ان کو ہڈیوں
 سے ہلاک کر دیا۔

سلسلہ ۱۶ میں فلپ ثالث نے اس سے بڑھ کر ظلم کیا کہ ان لوگوں کو جو
 مسلمان سے ذرا ہی مشابہ تھے جلا وطن کر دیا۔ غرض غرناطہ کی فتح سے لیکر
 فلپ ثالث کے عہد تک تیس لاکھ آدمی ہسپانیہ سے خارج کیے گئے۔

ہسپانیہ کو مسلمانوں نے گلاتہ کی عملوں سے بکثرت دلا کر ایک امن امان
 کی سلطنت بنا دیا تھا اور وہاں کے باشندوں کو جو عیسائی تھے اس قدر آزاد
 دی تھی کہ وہ ہر حالت میں مسلمانوں کے برابر تھے۔ علم و تہذیب کو چار
 پیدا دیا تھا لیکن ان سب باتوں کا بدلہ یہ ملا کہ خود مسلمانوں کا بیج و بن سے
 عیسائیوں نے اخراج کر دیا۔ دنیا میں حسن کے سامنے ہر شخص گردن جھکا دیتا
 ہے لیکن عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ یہ بدلہ اچانک کا دیا کہ آگ میں
 جلایا۔ بچوں کو قتل کیا۔ مسجدوں کو مسمار کر دیا۔ جبراً عیسائی کیا۔ غرض وہ کیا

جو ان سے ہو سکتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن اقتدار اور کہنا چاہیے کہ جب کوئی قوم محبوبیت کے احکام کے خلاف کرتی ہے تو ضرور اس پر غضب الہی نازل ہوتا ہے۔ ضرور بالضرور ہسپانیہ کے مسلمانوں سے آیت، ضرور وہ ہوئے جن کے وجہ سے ان کا ہلاک کرنا مشیت الہی کو منظور ہوا۔ لیکن عیب ان ہی اپنی مظالم کے سبب کچھ نفع میں نہیں رہے۔ ہسپانیہ ویران ہو گیا۔ تجارت، صنعت، بر باد ہو گئے۔ خوبصورت شہر کنڈز بن گئے، عظیم الشان و مرتفع عمارتیں مٹی کے ڈھیر نظر آنے لگی۔ باغات جنہر جناب کا و ہو کا ہوتا تھا وحوش و طیور کے مسکن ہو گئے، بحالت و عیاشی کا دور دورہ ہو گیا اور وہی ہسپانیہ جس کا نام دنیا میں آفتاب حلتاب کی طرح روشن تھا وفتنگوینا سی ایسا غائب ہو گیا کہ کسی تھا ہی نہیں۔

موجودہ سلطنت اسی برباد شدہ ہسپانیہ کی یادگار ہے اور احمد زکی نے

اس کی حالت اپنے سفرنامہ میں خود بیان کر دی ہے۔ قصر جامع العارف قصر الحمرا، غرناطہ، قرطبہ و غیرہ جو عجائبات عالم میں شمار ہوتی تھیں اب ان کے حالت جیسی مبتذل ہے وہ تصویروں سے ظاہر ہے۔ جامع العارف کی صرف ایک بارہ دری رہ گئی ہے اور غرناطہ کی چار دیواری۔ آبادی لاکھوں سے ہزاروں تک عدد ہو گئی، ہمیشہ ہے نام اللہ کا۔

سلی کے بانیوں کو سلی میں جیب گڈ چھ سولی عارتوں سے حالت ہماری پوچھو اور یہی پوچھ لینا اسپین سے جو پلٹو لے گلستان اندلس و دن میں یاد و تجھ کو
تھاتیری ڈایوں میں جیب آشاں ہمارا

محمد شفیع الدین خاں مراد آبادی

جلوے دربارِ دہلی

جواکھڑ شاہ عیسٰی چشمِ اکبر سے جلوہ دربارِ دہلی دیکھ چکی تھی، وہ اس تلاش میں تھی کہ شاہ کا دربار دہلی ہی اوسی آنکھ سے دیکھے مگر اس کی یہ حسرت، کسی ادبی رسالہ سے پھری نہیں ہوئی، ناامید ہو کر اسے الٹا بوجھنا پڑا اور وہاں لسانِ الملک حضرت اکبر کی نظر عنایت سے اچکی یہ آرزو پوری ہوئی اس خیال سے کہ بہت سی شستانی بچھیں اس جلوہ کے دیکھنے کی تمنیٰ ہرنگی ہم عقلمندان کے ذریعہ سے اسے پیش کرتے ہیں۔

اس سببہ کے دو نسخ ہیں اور دونوں اپنی نوعیت کے لحاظ سے لاجواب ہیں فقید المثل ہیں۔ سچ ہے کہ دربارِ دہلی کے متعلق جس قدر نظمیں ملکی ادبی رسائل میں آج تک شائع ہوئیں وہ جذباتِ اکبر کا مقابلہ نہیں کر سکتیں یقین نہ تو ملاحظہ فرمائیے۔ ہاتھ کنگن کو آری کیا ہے۔

شاہِ دلیگیر اکبر آبادی

دیکھ لے ہم بھی دو دن کے دہلی کی بہا	حکیم حاکم سے ہوا اتنا اجتماع انتشار
آوی لوہ جالور اور گھر عزیزین اور مشین	پہل اور سبزہ، چمک روشنی، ریل اور تار
کیرو سین اور برق اور پٹرولیم اور تار پین	موٹر اور ایرو پلین اور گھنگے اور قہار
مشرقی پبلون میں تھی خد متکذری کی انگ	مغربی لوگوں سے شانِ خود پسندی آشکار
شوکتِ اقبال کے مرکزِ حضورِ اہلسرا	زینتِ دولت کی دیوی امپرسس عالی تبار
جگر ہستی کے رہا تھا بے مدینِ انگور ایساں	ٹیمپر کی ملاحِ جہان سے ہوئی تیس ہم کنار

انتخاب ہر کے رنگین نقشے پیش تھے
 فرے ویرانوں سے اٹھتے تھے تماشا دیکھنے
 مصلحت آئینہ سر طرز و طریق انتظام
 جامہ سے باہر نگاہ نازنت احار ہند
 خراج کا ٹوٹل لوں میں چکیاں سیستہ اہل
 دعوتیں، انعام آپجیں قواعد، فوج کپ
 تھی ہے اہل بصیرت تھیں قدرت پرست
 چشم حیرت بن گئی تھی گردش لیل و نہار
 حکمت آگئیں ہر اعلیٰ حاکمان نامدار
 حد قانونی کے اندر آ رہے لوں کی قطار
 فکر ذاتی میں خیال قوم نام نہانی الزام
 غرتیں خوشیاں، امیدیں اہتیا میں ہتھکڑیاں

پیش و شاہی تھی پیر نہر بانس پیر اہل باہ
 بعد اوس کے شیخ صاحب آئے پچھے خاکسار

لندن سے دہلی آئے ہیں دن ایوم کے لیے
 دیکھو حضور راج ہیں کیسے خدا پرست
 رکھتا نہیں ناز سے تو اپنے دل کو گرم
 باور اکیجو ایٹ میں تو کالی کیا تہ ہیں
 بڑھتا ہا بوطاعت و مسجد سے یونی بیر
 کہتے ہر تر جم جی تو انہیں آتی ہے سہمی
 دی کا پتہ کہاں ہے وہ کہتے ہیں کون کیا
 آئے کے ساتھ نام گرا ل ہی لکھ گیا
 موقع کا ہے خیال نہ اب کانشن ہے
 ارشاد و لاجواب تو قرآن ہی کا ہے
 وقت تمھاری شاہ کی منزل میں کہ نہیں
 نقلی کمیٹیوں میں نہ دل ہے نہ دین ہے
 اک دل لگی ہے کانگرس جی کہ لگ ہو
 یہ جتیں نہائیں فقط قوم کے لیے
 گرجا میں سر جھکا ہے دھرم بویا گہست
 لئے مدعی دین خدا شرم، شرم! شرم!
 اک آپ ہیں کہ ہو ملوں الی کے ساتھ ہیں
 کچھ ناک میں ملیں گے تو کچھ ہوئے جزو غیر
 لینے راجہ شوق غا اٹھانے کے لیے
 مرکز سے ہیں جدا سلو میں نہ یون ہیں
 لیکن اوہر سے خط غلامی ہی لکھ گیا
 ارشاد ہو غلط ہی نو ہٹا ولفینس ہے
 قانون بے مثال تو جرن ہی کا ہے
 کاغذ پر اعتراف مگر دل میں کچھ نہیں
 یہ پانیر پری کی فقط اک مشین ہے
 ذاتی ہے اک نمود جو کوئی علیک ہو

عاشتے نکلیاں میں تو نیکی سے غرتیں
 وقت مگر حال ہے سعد کو چوڑ کر
 اک برگ گل کیسا کہ ہم گل کے جزو میں
 لاشی بھلی ملی ہو اگر اوس کی رگ سرگی
 پھل پھول پیوں پہ ہے تیری نظر تار
 گھر چھوڑ چھاڑ کر جو بغل چاہ بن گئے
 مانوں گا میں یہ بات کہ مجبوریاں بھی یہ
 کلفت آسکی جھکے ہو ہر آن و ہر شمس
 گو اپنے ساتھ آپ کا ہر آن لے گیا
 شے کی کوئی بات نہیں اس مہول میں
 ممکن نہیں کہ پائے پہل جڑ کو توڑ کر
 تم خود کو کیا کہو گے کہ کس کل کے جزو میں
 بے کار توپ جس کے ہوں پڑے اگلے لگے
 جڑ پر نظر نہیں ہے کہ جسکی ہے سب بہا
 کانٹوں میں اب پسندو کہ ٹن چاہ بن گئے
 پر بالارا وہ دین سے کچھ دیاں بھی یہ
 لاکھوں کی سدا رہے دس بیس کی ہوں
 اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا

عاصی ہوں میں نقطہ یہ تھا ضائع ہو رہے

یاروں سے ابھائے پلیر ایک کیوز ہے

۱۰۔ بیوز من کی دیوی جسکو ہمارے شاعر روح القدس کہتے ہیں۔ ۱۲۔ دلگیر

یاسمین - پروفیسر سید راجہ سید صاحب ایم۔ اے مصنف خواب ہستی

کا دوسرا ناول اور تمدن انجینی کی پہلی کتاب جس کے واسطے عرصہ سے
 لوگ بے چین تھے چھپ کر تیار ہو گئی اس کتاب میں قابل مصنف نے
 جنگ لاکھ کی ایک نازنین یاسمین کا واقعہ اس سندر و چھپ اور پر طبع لکھا ہے
 کہ بے ساختہ داد و دینی پڑتی ہے قابل مصنف کا اسم گرامی بتا سکتا
 ہے کہ کتاب کسی بایہ کی ہوگی قیمت ایک روپیہ (عمر)

منیجر عصمت تمدن دہلی نے طلب کیجئے

فلسفہ

قوتِ باصرہ کی نسبت حکماء یونان کا قول ہے کہ مقدم دماغ میں دماغی
اس قوت کے حامل ہیں ان میں سے ایک عصبہ مقدم دماغ کے جانب یمن سے
کھٹاتا ہے اور دوسرا جانب یسار سے دونوں آگے چل کر بطور تقاطع صلیبی کے
متحد ہو کر متفرق ہو جاتے ہیں اور داہنی طرف کی تلکی (عصبہ) داہنی آنکھ سے اور
بائیں جانب کی بائیں آنکھ سے ملتی ہو جاتی ہے۔ جس جگہ یہ دونوں عصبے ملتے ہیں
اوس جگہ کو حکماء کی اصطلاح میں مجمع النورین سے تعبیر کرتے ہیں۔

قوتِ باصرہ کے وجود کے متعلق تو تمام حکماء کا اتفاق ہے لیکن طریقِ ابعاد
(دیکھنے) میں قریب قریب سب کی رائیں جدا جدا ہیں اور کثرتِ اختلاف سے یہ مسئلہ
استقلاً اہم ہو گیا ہے کہ کسی خاص مذہب کی نسبت کسی قسم کا فیصلہ کرنا بھی دشوار
اور اسی وجہ سے عامۃ فلاسفہ کا مطمح نظر رہا اور ہر ایک نے اپنے خیال کے موافق
بحث کی ہے بائیں ہمہ اس وقت تک اسکی گتھی نہ سلجھی اور جو دشواریاں پہلے ہر ہر
قدم پر سنگ راہ ہوتی تھیں وہی اب بھی موجود ہیں۔

اس موجود زمانہ میں بھی جیکہ سائنس کے ناطق فیصلوں نے اکثر مسائل
فلسفہ کے اختلافات مٹا دیے ہیں اور اس مسئلہ کے متعلق بھی چند خاص اصول
مان لیے گئے ہیں تاہم اگر غائر نظر سے کام لیا جائے تو اب بھی اس مسئلہ کی حالت
عمد پارینہ کی طرح پیچیدہ ملیگی۔

کثرتِ اختلاف نے اس بحث میں متعلق بہت سے مذاہب پیدا کر دیے ہیں
جنکی نسبت بادی النظر میں صحیح ہونے کا شبہ ہوتا ہے مگر جو فروغ ذیل کے مذہب بگڑ

براہ راست کسی نہ ہو بکراذیب نہیں۔

۱۔ منطبعین کا مذہب

۲۔ ریاضیین کا مذہب۔

۳۔ شیخ الاشراق کا مذہب۔

برائے مذہب اسطواء اور سبقتین کا ہے اور ان کا خیال ہے کہ انکھ کے سات طبقات اور بین و طوبتین اس ترتیب سے ہیں۔

۱۔ طبقہ صلیبیہ

۲۔ طبقہ شیمیہ

۳۔ طبقہ شبکیہ

۴۔ رطوبت زجاجیہ

۵۔ رطوبت بلیدیہ

۶۔ رطوبت زریحہ

۷۔ طبقہ قرنیہ

۸۔ طبقہ عنبیہ

۹۔ طبقہ ملتحمہ

۱۰۔ طبقہ ملتحمہ

جب آدمی یا کوی دوسرا ذی روح کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کی شیخ (دھیت کذا) رطوبت جلیہ سے کہ ایک پنجدہ نورانی جزو میں ہواے شفاف کے ذریعہ سے ترشح ہوتی ہے اور وہاں سے منتقل ہو کر مجمع النورین سے گزرتی ہوئی حسن مشترک میں نفس اس سے اس غرض سے پہنچتی ہے کہ نفس اس کا ادراک کرے۔

منطبعین پر اطباء عربی کے قائل ہو جائیے اعتراض ہوتا تھا کہ علم البصر کا سامہ مسئلہ ہے کہ دونوں انکھوں میں سات سات طبقے اور تین تین رطوبتیں ہیں اس لیے ہر ایک مرئی کی دو صورتیں دونو جلیدیوں میں ترشح ہو کر جب نفس کے سامنے پہنچتی تو انکا ادراک بھی متحد ہوگا۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے ہر شخص کو ایک مرئی کا دو نظر آنا ضروری ہوا۔

اسی لیے ارسطو کے پیروں نے اس اعتراض سے بچنے کے لیے اپنے دعوے کے ساتھ اس کی بھی تصحیح کر دی ہے کہ کسی چیز کے ٹکٹے کے لیے صرف اس کی صورت کا ترسم ہو جانا کافی نہیں بلکہ مری کی دونوں صورتیں مجمع النورین میں متحد ہو کر جن مشترک میں جاتی ہیں تاکہ نفس کو ایک چیز کا ایک حالت میں ایک ہی ادراک ہو۔

مگر فہم حکیم کب اسکو تسلیم کر سکتا ہے کیونکہ اس حالت میں ایک یہ سوال ہوتا ہے کہ مجمع النورین میں جلیب تین سے منتقل ہو کر آنے والی صورتوں کا اتحاد کیونکر ہوگا۔

میرے خیال میں غالباً اس کے دو طریقے ہیں:-

- (۱) دونوں صورتوں میں تداخل ہو جائے۔
 - (۲) دونوں صورتیں آپس میں ٹکرائے سے منکسر ہو کر پھر متحد ہو جائیں۔
- یہ بالکل مسلم ہے کہ جو صورتیں ذہن میں داخل ہوتی ہیں او کو خارجہ صورتوں سے گونہ تعلق ہوتا ہے بلکہ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ صورت ذہنیہ صورت خارجہ کا فوٹو ہوتی ہے۔

تداخل دو مجرّحہ سیندوں میں کچھ دیر کے لیے درست فرض کر لیا جائے لیکن صورت ذہنیہ میں تداخل مانتے سے بہت سی مشکلات سدراہ ہوتے ہیں۔ آئیں شک نہیں کہ دونوں جلیدیوں میں جو صورتیں منطبع ہوتی ہیں وہ طوٹا اور عرضاً مساوی ہوا کرتی ہیں۔ ادھر یہ ہی بالکل درست ہے کہ جو صورت جلیدیہ سے منتقل ہو کر نفس کے سامنے پہنچتی ہے وہ جلیدیہ کی صورت منطبعہ کے بالکل موافق ہوتی ہے۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ایک ہی صورت اور ایک نفس کو کافی تسکین دے

تو ہنس یہ مان لینا پڑے گا کہ اگر ایک آنکھ بند کر کے ہم کسی چیز کو دیکھیں تو وہ اصل مقدار سے چھوٹی نظر آئے +

اسی طرح اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ جو شے ایک آنکھ سے دیکھنے پر اپنی اصلی مقدار میں دکھائی دیتی ہے وہ دوسرے جلدیہ کی منطبقہ صورت کی معاونت سے اصل مقدار سے بڑی نظر آئے۔

جب اس کا فیصلہ ہو گیا کہ صورت ہر حالت میں اپنی اصلی مقدار سے کم و بیش نہیں ہو سکتی تو وہی سوال پیدا ہوتا ہے جسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ان دونوں صورتوں کے اتحاد کی کیا سبیل ہوگی جو جلدیہ میں سے منتقل ہو کر مجمع النورین میں پہنچتے ہیں۔

تداخل ماننے میں یہ لازمی بلکہ بدیہی طور پر ثابت ہوگا کہ تداخل ہو جانے پر متداخل فیہ کا حجم اپنی اصلی مقدار سے بڑھ جائے کیونکہ اسی مقدار کی ایک چیز اوس کے حجم میں سما چکی ہے حالانکہ یہ ہمارے مشاہدہ کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ جس منظر کا ہم ایک آنکھ سے طولاً و عرضاً اندازہ کر سکتے ہیں اوس میں تداخل ماننے پر بھی کچھ اضافہ نہیں ہوتا اور جو چیز ایک آنکھ سے دیکھنے پر قطعی بڑی نظر آتی تھی دونوں آنکھوں سے دیکھنے پر بھی اتنی ہی دکھائی دیتی ہے +

اس کی حالت میں جو صورت نفس کے سامنے پہنچ گئی وہ جلدیہ کی ترمیم صورت نہ ہوگی کیونکہ وہ صورتیں مجمع النورین میں ٹوٹ پھوٹ کر ایک نئی صورت بن گئی ہیں۔

منطبقہ یعنی اپنے دعوے پر حسب ذیل استدلال سے کام لیا ہے پہلا استدلال تم کو اتفاق ہوا ہوگا کہ جب تم نے آفتاب کے منور چہرے کو

بڑیک دیکھنے کے بعد اوسکی پرورش عاؤں کی حدت کے مقابلہ سے عاجز ہو کر
انکھیں بند کر لیں تو تمھیں یہی محسوس ہوا ہوگا کہ ہم آفتاب کے چمکیلے چہرے کی
اب بھی زیارت کر رہے ہیں۔ اسی طرح جب سبز رنگ الی چیز یا کسی اور قسم کی
رنگین شے دیر تک بغور دیکھنے کے بعد آنکھ بند کی ہوگی تب بھی تمھیں سبز رنگ
یا سبزی مائل اور کوئی سا رنگ دکھائی دیتا رہا ہوگا

آنکھ بند کر لینے کے بعد جبکہ شعلہ بصر کی سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہو کسی
یہی چیز کا نظر آنا جو دیکھی ہوئی چیز سے بالکل الٹی جلتی ہو اسکی دلیل ہے کہ وہ صورت
تمھارے جلد یہ میں ترسم ہوئی تھی جسکا ادراک اب تک نفس کر رہا ہے

۱۔ منافقین اسکا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ہم جس رنگ یا آفتاب کی صورت آنکھ بند کر لینے
کے بعد بھی دیکھتے ہو وہ باہر سے زائل ہو کر خیال میں پہنچ جاتی ہے تمھیں شاید وہ کا ایسے دھوکا
ہو تمہے کہ نفس کی توجیہ اوس مرئی سے ابھی ابھی زائل ہوئی ہے۔

منطبعین نے اسکا ایک نہایت عاںانہ جواب دیتے ہوئے تخیل اور مشاہدہ میں فرق محسوس
کرانے کی کوشش کی ہے لیکن اونھوں نے ابھی اس طرف توجہ نہیں کی کہ مشاہدہ کے شرائط
یا ہیں اور اس صورت میں کن کن شرائط کو ہم دیکھنا سکتے ہیں۔ مشاہدہ کی سب سے بڑی شرط یہ ہے
۱۔ ماعلیٰ اور مرئی میں مقابلہ ہو

۲۔ دونوں کے درمیان میں کوئی حجاب نہ ہو

حالات اغراض میں گوبلی شرط پائی جاسکتی ہے لیکن دوسری شرط نہیں باقی رہتی۔
پہلیں ایسی حجاب ہیں جو اپنے نہایت باریک اور نرم پردہ ہونی پر ہی آنکھوں کو دنیا کے دلچسپ مناظر
سے محروم کر دیتی ہیں۔

منافقین کے ایک گروہ نے اس استدلال کا ایک اور بھی جواب دیا ہے جو پہلے جو ایسے
بھی قوی ہے کہ جس صورت کو تم حالت اغراض میں مشاہدہ کرتے ہو وہ جس مشترک میں نفس کو مانگو

جو وہ اپنے اور جو کچھ بصارت کے نام پر انرا اظہار مضمون بنایا اسلئے یہ صورت شاید انکی نہیں ہو سکتی۔

دوسرا استدلال { جب مرئی آنکھوں سے بہت ہی قریب ہو جاتی ہے تو وہ اپنی اصلی حالت پر اسلئے نہیں دکھائی دیتی کہ آنکھ سے جو مخروطی شکل میں ایک نورانی و ہمیں زاویہ نکلتا ہے اور جس کا سر اجلید یہ سے اور قاعدہ مرئی سے ملتی ہوتا ہے اس کی ساقیں زیادہ قریب ہونیکے سبب سے بہت چھوٹی ہو جاتی ہیں اور زاویہ موٹا ہوتا جاتا ہے چنانچہ چھوٹی چیزیں تو نظر ہی نہیں آتیں اسی طرح جب مرئی بہت زیادہ فاصلہ پر ہوتی ہے تو اپنی اصل مقدار سے چھوٹی نظر آتی ہے کیونکہ زاویہ ساقوں کے بڑھ جانے سے چھوٹا پڑ جاتا ہے چنانچہ مرئی کی صورت چھوٹے زاویہ میں ترسم ہونی سے چھوٹی نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب مرئی حد اعتدال سے زیادہ فاصلہ پر ہوتی ہے تو وہ نقطہ کی شکل میں نظر آتی ہے اور اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہوتا ہے تو مرئی کی شکل جو اس وقت نقطہ نظر آ رہی ہے بالکل گلوب سے پنہاں ہوتی جاتی ہے ۔

تیسرا استدلال - { یہ تو بالکل مسلم ہے کہ اور جو اس ظاہرہ کی طرح قوت باصرہ بھی ایک حائے ہے انسان یا کوئی دوسرا ذی روح جس طرح اور جو اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا اسی طرح باصرہ سے بھی بے پروائی نہیں کر سکتا۔ اور جس طرح اور جو اس کے

سل یہ استدلال اس وقت قائم رہ سکتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مرئی کے انطباع صورت کے ذریعہ زاویہ کی ساقیں میں اور گز بہارت کا ذریعہ ساقوں کا قاعدہ قرار دیا جائے تو یہ استدلال کمزور پڑ جاتا ہے۔

مناقشین اس استدلال کی تردید میں کہتے ہیں کہ جلی صورت میں منطبعیں اس دلیل پر ناز نہیں کر سکتے کیونکہ ریاضیین نے خروج شعاع کے قائل ہیں اسی قسم کے استدلال ان کو پہلے پیش کر چکے ہیں اس سے بھی قطع نظر کریجئے تو یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارے صورت چھوٹے زاویہ میں ترسم ہو جاتی ہے جو منطبعیں کے اس استدلال کے بالکل منافی ہے۔

کوئی چیز نکل کر محسوس تک نہیں پہنچتی ہے جو اس سے متصل ہو کر ذریعہ احساس بن سکے بلکہ محسوس خود حاشہ تک پہنچ کر مل جاتا ہے اس طرح آنکھ سے بھی کوئی چیز خارج نہیں ہوتی۔ بلکہ مرئی کی صورت جلیدیہ میں خود اگر مرسم ہو جاتی ہے۔ ۱۵

چونکہ استدلال جب آئینہ کے سامنے کوئی کیفیت ملون جسم آ جاتا ہے تو اس کی صورت آئینہ میں اسوجہ سے مرسم ہو جاتی ہے کہ آئینہ ایک نورانی اور صاف جسم ہے اسی پر ملنے جلتے اور بہت سے مشابہے اون برتنوں اور اسباب کے متعلق ہونگے جو آئینہ کی طرح یا اس سے کچھ کم روشنی رکھتے ہونگے آنکھ بھی ایک نورانی اور روشن جسم ہے آنکھ کے نورانی جسم ہونے کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو کر آنکھیں ملتا ہے تو اسے ظلمت میں روشنی اسوجہ سے محسوس ہوتی ہے کہ اسکی آنکھیں نور سے لبریز ہوتی ہیں کیونکہ عین کی تجویف کا اقتضا ہے کہ اونمیں دماغ سے نور نازل ہو کر سے جب اس کے مقابلہ میں کوئی کیفیت ملون جسم آتا ہے تو اسکی صورت آنکھوں میں مرسم ہو جاتی ہے۔ ۱۶

یہ استدلال بھی یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ باہر کو اور جو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ گو حواس بنیثیت قوت لاسہ ہونے کے ایک ہی نوع کے چند افراد ہیں لیکن ہر ایک کی خصوصیات بالکل جدا گانہ ہیں۔

قوت لاسہ اسوقت تک ادراک نہیں کر سکتی جب تک کوئی چیز سطح جسم سے نہ چھو جائے اسی طرح شائدہ بھی اسوقت تک نفس کو مسرور نہیں کر سکتی جب تک کہ خوشیہ سے مخلوط ہوا اس قوت تک نہ پہنچے۔

۱۷ اسکی تردید میں مناقشیں کہتے ہیں کہ جس طرح آئینہ کے سامنے کسی کیفیت جسم کے آنے سے صرف انطباع صورت ہو جاتا ہے اسی طرح اس محاذ اذ سے جو جسم نورانی ہو جبکہ کیفیت میں

پانچواں استدلال { ممدورین (جنکو پیلیے کا مرض ہوتا ہے) ایسی صورتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو وجود خارجی سے تعلق نہیں رکھتیں۔ یہ تو بالکل غیر ممکن ہے کہ بیداری میں بھی کوائف کی کسی مثال صورت کا مشاہدہ کر لیں۔ اسی طرح خیال سے بھی کسی صورت کو حس مشترک میں لائیکے لیے نفس کی توجہ دے کر کار ہوتی ہے یہ بھی مسلم ہے کہ البصار اون چیزوں سے متعلق ہوگا جنکا خارجی وجود بھی ہو چونکہ ممدورین کو اس قسم کی صورت نہیں دکھائی دیتی لہذا مسئلہ اخیرہ کو موافق ہمیں ممدور کے البصار کو قائم رکھنے کیلئے اس امر کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ جن صورتوں کو وہ دیکھ رہا ہے وہ اس کی جلید یہ کی منطبقہ صورتیں ہیں۔

دوسرا مذہب افلاطون اور اسکے پیروؤں کا ہے اونکے خیال میں جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھ سے ایک جسم مخروطی شکل میں نکلنے کے بعد ممتد ہو کر بھر (جسکو دیکھتے ہیں) کے سامنے والی سطح سے متصل ہو جاتا ہے اور اس کا قاعدہ بھر کی اسی سطح سے ملتا ہے۔ اسی جسم مخروطی کو ذریعہ جو ششکلیں حس مشترک میں حاصل ہوتی ہیں نفس اونکا ادراک کرتا ہے یا تخیل

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۷۔ واقع ہو صرف ارتسام صورت کا نبوت ہو سکتا ہے۔ مگر یہ ارتسام البصار کے لیے دلیل نہیں ہو سکتا تاہم یہ اعتراض سطحی ہے کیونکہ منطبعین کا مسئلہ مسئلہ ہو کہ کہ انطباع کی وجہ سے البصار سو کرتا ہے اور ہاں بحث یہ ہے کہ البصار کا طریقہ کیا ہے۔

راحت زمانی، مولوی سید احمد صاحب کی یہ پیش یہ تصنیف جو علاوہ لچر اپنی نیکے ایک نہایت سودمند کتاب ہے، مصنف سے از سر نو ترمیم کے بعد نہایت محنت سے تیار کی گئی ہے۔ یگانہ زبان قلعہ معنی کے محاورے۔ قصہ کی چمپی۔ مختصر یہ کہ کتاب بغیر ختم ہو چھوڑ نیکو جی نہیں چاہتا۔ قیمت ایک روپیہ (عمر)

تصویر ارشد

(مصنف حسن تنجیل کے نام پر شیخ اسم ڈیٹیکٹ کی باقی ہے)

دم فکر سخن یہ شاعرانہ تیری خاموشی
زمانے میں کچھ حاصل فرما جاودانی ہے
تری تصویر میں انداز ہزار کمالی کا
جس پر نہیں جس سے عیاں شانِ تنجیل ہے
ذاتی اشعار ہو کر تو نہ وہ اسرار پائی ہیں
تری ہر نظم جو گلدستہ ہر گلدستے رنگیں کا
ترسا دکا رہیں ذوقِ سخن دانی سے آلودہ
عطا کی جگہ سے کلامی فریض قدیم سے
تجھے جذبات دہلائے بشری حسیات کی
مزاج شاعرانہ میں جنون کی استواری ہے
جوانی کا زمانہ تو نہ تھا صحرانوردی کا
تجھے شوق سخن کوئی یہاں لایا جنوں بیکر
جو دست پر شجر میں غلیہ پایا فکر نے
نظر آتا ہے تو مدت کا پامال جفا ارشد
تیری چشم کشادہ آئینہ ہر دل کی حیرت کا
یہ بکری مانگ سر کی نقشہ چاک گریاں ہے
کھلی صد ری تو پردہ کھل گیا سینے کی ہر کرن کا

تلاش شاہد مضمون میں تھی خود فراموشی
کہ فکر شعریں وقت تنجیل زندگانی ہے
خوشی ہی ہوتا ہے دوست گناہوں تھائی کا
کہ تو اس وقت فکر شعریں محو تامل ہے
کہ جنکے درختِ فلسفی بھی عاجز آئی ہیں
دلِ درد آشنا کی واسطے موجب تسکین کا
ترے اشعار میں جذبات نہانی سے آلودہ
یہ جھوٹی فکر تے عالی میر خاں فیض قدیم سے
عیاں میں نہیں نکلتی ہیں حسیات کی
کہ گلگشتِ چمن سے تھک کر سیرِ شوقِ پیاری ہے
ہو اشوقِ نہاں لیکن سببِ وارہ گردی کا
اثرِ مجسمہ پر کیا ہوشِ تنجیل نے فسوں بیکر
بسا طشاعری پر جلوہ دکھلایا فکر نے
تبدل سے بھی تیرے لبیں ہیں آشنا ارشد
کوئی نکتہ نظر آیا ہے کیا اعجازِ قدرت کا
شبیبہ اضطرابِ ہر ہوی پر نشاں ہے
ترا چاک بیکر ہو معجزہ ایک شوخ چنڑن کا

لگی ہو چوت شاید وہیں عشق حسن جاں کی
کلامِ نظم میں تیرے وہ دریا کی دانی ہے
زمین شعر میں گلزارِ کلک خوش رقم تیرا
وقت شعر خوال تیرے رستہ پہل بھرتے ہیں
زبانِ گلشن تیری ہوئی صرف سخن گوئی
ترا مجموعہ اشعار ہے یا نظم پر دیں ہے
خدا یا یہ دعا ہے محوی نامشاد بر آئے
تو تو قدرتِ علم ادب کا پاسے دنیا میں
دل دشمن میں کھٹکے مصرعہ موز سناں ہو کر
بہارِ دلی تیری تنہاؤں کو ماسل ہو

خبر دیتی ہے ہر اک نظم تیری سوزِ نہاں کی
کہ آبِ تیغ بھی شرمندگی سے پانی پانی ہے
طراوتِ خیالِ خوش بیانی میں تسلیم تیرا
جو انانِ سخن سن سکے سنتے ہیں اکٹھے ہیں
کہ گلشن میں ترنمِ زینبِ مرغِ سخن کوئی
زمین شعر پر اک گلشن گلہائے ترنیں ہے
کلامِ نظم تیرا ملک میں مشہور ہو جائے
قبولِ عام حاصل ہو اسے ادنیٰ و اعلیٰ میں
اجتہاد میں اشعار تیرے ارمان ہو کر
نہ پامال خزاں گلاورستی میں ترا دل ہو

بارک ہو فراغِ غا ہر غزلت گزیں تجھ کو

بساطِ غزلت و تکیں ہر صحر کی زمیں تجھ کو

محمد حسین محوی، لکھنؤی غنی عنہ

عصمت جیلطہ : یہ مسلم البوسنیہ کے کہ قوم کی ترقی کا اعصارِ تعلیم نسواں چہ ہے۔ ایہ جیلطہ
اس میں ہی کلام نہیں۔ کہ رسالہ عصمت لڑکیوں کے واسطے ایک بیس بہا نمبر ہے جس
خانہ داری تعلیم و تربیت، مذہب و غیرہ پر منتخب اہل قلم کے مضامین نکل رہے ہیں۔
عصمت کواری لڑکیوں کو فوائدِ داریاں اور بیوں کو سلیقہ شعرا گہر وایاں اور
سکھرائیں بنانے کے واسطے ایک لاجواب چیز ہے جو بیش قیمت کاغذِ اعلیٰ درجہ کی
لکھا کی چپائی۔ رنگین ٹائپل سینہ ہی میل اور تصویر سے مزین ہو کر ہر مہینہ شائع
ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ (پہرے)

منشیہ عصمت تمدن دہلی۔

انتقام

اسایش دگیتی تفسیریں دو حوت

باد و کشتان تملط باد شمنان مدارا

انتقام ایک قسم کا حیثانہ انصاف ہے کہ جب کسی طرف طبیعت کا رجحان فطری طور پر ہوتا ہے مگر جس قدر زیادہ طبیعت اس کی طرف رغبت ظاہر کرے اسی قدر اس کے دور کرنے کی کوشش کرنا انسان کا فرض منصبی ہے۔ انتقام لینے میں ضروری ایک شخص اپنے مخالف سے برابری کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عفو گناہ انتقام لینے سے بہتر اور افضل طریقہ ہے۔ ”در عفو لذت است کہ در انتقام نیست“ ترجمہ ایک خصلت باری تعالیٰ ہے۔ اور حکمران وقت کے واسطے ایک لازمی اور ضروری شے یہ ایک ایسی خصلت ہے کہ اس کی سب کو ضرورت ہے۔ اور ہر شے بشر کو اس خصلت کی ترقی دینے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔

زمانہ ماضی کو زمانہ حال میں تبدیل کرنا معلوم ہیں جو باتیں انگریزوں واقعات کی صورت پچھلیں اؤ کدو بارہ صفحہ ہستی پر لانا ناممکن الوقوع اس لیے گذشتہ باتوں کی فکر میں متغرق رہنا عقلمندی سے بعید ہوا۔ ”آزاد عقل بیش نعم روزگار بیش“ عقلمند کے واسطے تو موجودہ باتیں ہی اہم قدر کافی ہیں کہ اوسکو گذشتہ کا خیال کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔ چہ جائیکہ وہ اپنا عزیز وقت انتقام لینے میں صرف کرے۔

اور موجودہ کو چھوڑ کر گذشتہ کے فنکر میں مصروف ہو۔

ایسے لوگ ساز و مجلس گے جو ایذا رسانی محض اسوجہ سے کرتے ہوں کہ او کو ایذا رسانی کی محبت یا او کو اسکا شوق ہے۔ شاہدہ سببات کا شاہد ہے کہ اکثر ایسی ایذا رسانی کا باعث فاعل کے ذاتی نفع پر مبنی ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہر شخص اپنی فلاحیت کے واسطے ہر قسم کے کام کرنے پر آمادہ ہے اس لیے انتقام کے بجائے ہم اسکو صاف کر دینے میں کسی قسم کے تردد کا موقع نہیں۔ اصل تو یہ ہے کہ ہم کو ان لوگوں سے بھی کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں جو ایذا رسانی محض اس کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ اب لوگ ایک خادو رجسٹری کی مثل ہیں جو سوائے کانٹے چھونے کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔

انتقام کی صرف ایک ہی صورت ایسی ہے کہ جس حالت میں وہ جائز سمجھا جاسکتا ہے۔ یعنی اس امر کا انتقام لینا جس کے واسطے قانون سے کوئی چارہ کار نہ ہو۔ لیکن ایسی حالت میں بھی سخت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ انتقام لیتے وقت کہیں حدود قانون سے باہر قدم نہ رکھنے کی نوبت نہ پہنچ جائے۔ ایسی حالت میں مخالف کو دوبارہ ہم پر فوج کشی کرنے کا موقع مل جاوے گا۔ اور ہم کو صرف ایک دفعہ انتقام لینے کی وجہ سے دودھ نہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ بعض لوگ جب وہ انتقام لیتے ہیں تو اس کا باعث اور فاعل کے ظاہر کر دینے میں کسی قسم کا نقصان نہیں سمجھتے اس قسم کا انتقام اس انتقام سے بدرجہا بہتر ہے کہ جسکی بدلت ایک شخص کو نقصان پہنچے مگر اس کو انتقام کی وجہ اور ترکیب فعل کا علم نہ ہو۔

ترجمہ از لارڈ بیکن

عجمہ حبیب خاں۔ طالب علم۔ بی۔ اے۔ لندن

خمر نواب ضعیف جنگ بھاری آبادی شاکر اہلس مرحوم بکھنوی۔ برترانہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔

نام محمد علی تھا دروڑ باں ہمارا مجبور کا تھا لغو تہذیب آسمان ہمارا
قبضہ ہو سب جہاں پر ایک عیاں ہمارا چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
لے ارض پاک شرب حق رکھے شاہ جہانگو کہتے تھے ہم مجاہد دار الجہاد و جہانگو
ہر سچ کی خبر ہے سب سے زیادہ جہانگو لے گلستانِ اندلس وہن ہے یاد جہانگو
تھا تیری ڈائیوین میں جب آشیاں ہمارا
تو جانتا ہے بندہ اسلام کے حشم کو کاڑا ہے غازیوں نے بیان دیکھ عالم کو
لفظ نہیں پر ایک ہو کفر کے قدم کو لے سچ و جملہ تو ہی پہچانتی ہے ہم کو
ابنا ہے تیرا دیا افسانہ خواں ہمارا
ہر جنگ میں مئی جیستہ رسول باری بیکسیریں کوٹے تھے ہم جلتے تھے سچ کے باری
تھے کوہِ دشت لڑاں ملتی تو جنگ باری مغرب کی وا دیو میں گونجی اذان باری
تہتانا تھا کسی سے سبیل رواں ہمارا
لے کوہِ گار تیری وحدت پر کٹ ستریم یا مصطفیٰ تمہاری نصرت پر کٹ ستریم
سے دین است تیری عظمت پر کٹ ستریم لے ارض پاک تیری حرمت پر کٹ ستریم

بے خوں تری رگوں میں اب تک دیا ہمارا
شیر دل کا شیر پیکر ہم پہلوں ہوئی ہیں سر کر کے جنگ لاکھوں شیر زباں کے ہیں
مشہور ہم سپاہی آسماں چلے ہیں تیغوں کے سائے میں ہم پیکر جوان ہے ہیں
خجھر ہلال کا ہے قومی نشان ہمارا

کرتے ہیں چشم دل سے قدح کے ہم نظارے بے نقش لا الہ الا اللہ دلیپہ سارے
بگڑے کسی سے کیا وہ عیسیٰ زنا سوارے توحید کی امانت سینو نہیں ہے ہمارے
مکمل نہیں شان نام و نشان ہمارا

لے چنے سفید پر درل سے ہیں اہل دین ہم کرتے ہیں سیف سے قتل سب کفر کی دین ہم
حق حق کیوں ہو لب پر ہیں صبا تیس ہم باطل سے بنے والے آسماں میں ہم
سو بار کر چکا ہے تو استحقاق ہمارا

وہ ارض پاک بلحا جبر بنا ہے کعبہ تعمیر سب پہلے جس کا شرف ہے اعلیٰ
ساجد ہم اس کے سب میں سجدہ ہمارا دنیا کے تنگدو نہیں پہلا وہ گہر خدا کا
ہم اس کے پاس ہیں وہ پاس ہمارا

احمد شاہ عالم ہے چارہ ساز اپنا طوفاں میں کس طرح پیر آئے جہاز اپنا
ہے قافلہ میں یہ فل باختر و ناز اپنا سالہ کار واں ہے سیر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

آیگا جب جانیں مہدی دیں ہمارا اسلام کی حکومت بر باکھنر ہوگا
سب نے کے قافلہ کو ہر انتظار اسکا اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیمایا ہر کارواں ہمارا

مُوسِلُّہ
”مستیدِ حسین“

سیمنہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

قری مہینہ کی چوبیس تاریخ پورناشی کا چاند سطح آسمان پر اٹھیاں کر رہا تھا رات پہلا پر ختم کر چکی تھی اور ساحل طرابلس پر ایک عالم سنان طاری تھا ہوا سمندر کی لہروں کو چھو چھو کر زیتون کے پتوں کو سرسراہی تھی اور دھواں نصیب اس ستارے میں اپنی قسمت کا فیصلہ اس طرح کر رہے تھے۔

ایسٹن "مہ جین سیمنہ مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ تم اس طرح دیسے بدل جاؤ گی اور میری تمام عمر کی جان نثاری اور محبت کا یہ پھل لے گا کہ ایک مسلمانا کے مقابلہ میں تم ایسی بری طرح مجھ کو جٹرک دو۔"

سیمنہ "یقیناً تم ایسا کہنے میں بے ایمان ہو جس پاشا کی ایک رات نہیں بلکہ چند گنتوں کی محبت نے مجھ کو یقین دلادیا کہ مذہب اسلام کی تلقین بہترین ہے تم یقین کرو کہ حسن پاشا میرا محسن ہے اور اگر اس کو فتنہ بہر تکلیف پونچھی تو اس کا روحانی صدمہ مجھ کو ہو گا تمہارا یہ خیال محض غلط ہے حسن پاشا کو میری محبت مطلق نہیں اس نے جو کچھ کیا محض انسانیت کا فرض سمجھ کر۔"

ایسٹن "شہزادی باکورٹ مارشل پر اگر تم نے اثر ڈالنا چاہا تو جو شخص سب سے پہلے تمہاری مخالفت کرے گا اور تمہاری تمام خواہشوں کو خاک میں ملا دیگا۔ وہ وہ ہو گا جو آج تک تمہارا فرمانبردار دجاں نثار رہا جس کا بددھن یہ ہو سکتا ہے کہ تم اس کے درگاہ خوش کرو لیکن ایک ایسا ظالم مسلمان جو بیکریلیس جیسے حبسری کا قاتل ہو ہرگز بچ نہیں سکتا۔"

سیمونہ کی گلیفٹس جیسے برعاش کا نام لیکر تم نے میرے بدن میں آگ لگادی
تم ہرگز بات کرنے کے قابل نہیں ہو بہتر ہو گا کہ فوراً میرے سامنے
سے دور ہو جاؤ۔“

آنا کہہ کر سیمونہ آپ سے باہر ہو گئی کمرے سے نکل کر لا اور دیوانہ وار پلیٹوں
کی طرف لپکی اگر ایسٹن مزاج شناس نہ ہوتا تو یقیناً سیمونہ اس کا کام تمام
کر دیتی تاہم اس کشمکش میں ایسٹن کے واسطے ہاتھ کے ساتھ گل اندام
سیمونہ کا بایاں رخسار بھی زخمی ہوا۔

(۷)

ساحل کے متصل طر لمب کے اس ہولناک میدان میں جس نے ہزار ہا پانچ
ضعیف عربوں کی زندگی کا خاتمہ کیا جہاں ہزاروں دودھ پیتے معصوم
ماؤں کے کلیجے سے چڑا کے سنگینوں کی باڑھ چپڑ چا دیے گئے
دور ویہ مسلح پلیٹین کھڑی ہیں اور جنرل میگبارا انکا کمان ہنر نہایت
ذوق و شوق سے ایطالیہ کے کیمپ کی طرف نظر دوڑا رہا ہے کہ پچاس
ایطالی نوجوان ننگی تلواروں کے پہرہ میں حسن پاشا کو لیکر سامنے آئے
قیدی کے چہرہ پر استقلال کے آثار نمایاں تھے۔ اور گونہ گونہ اس سے
بہت ہی قریب تھی تاہم اطمینان کا منہ اس کے منہ پر کبھی نہ رہا تھا۔
وہ ہنستا ہوا میدان میں آیا اور باواؤ بند ہوا

”یک ترن واحد کو بجان کرنے کے واسطے یہ انتظام“
جنرل میگبارا نے بحسن پاشا آپ کو معلوم ہے کہ میری گلیفٹس کے قتل کا نام
آپ پر ثابت ہو گیا اور گو آپ نے شہزادی صاحبہ کی عفت و عصمت
اور جان کے بچانے کیلئے یہ قتل کیا تاہم آپ چونکہ خود یورپین ہیں

یورپ کے ایمان کا اندازہ کر سکتے ہیں آپ کے واسطے حکم ہوا ہے کہ آپ گولی مار دیے جائیں کیا آپ کو کوئی وصیت کرنی ہے۔

حسن پاشا: بغاری درنشاط ابلس، میں آپ کی جسبری فوج کا جو کچھ حشر ہوا دنیا کو روشن ہے، کیا یہ ممکن تھا کہ حسن پاشا زندہ آپ کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا، کیا آپ یہ سمجھتے ہیں، کہ میں ایک عیسائی عورت کے دہرے میں آکر یہاں پہنچ گیا وہ میرے عقیدہ کے بموجب واجب الرحم تھی اور میں چونکہ مسلمان ہوں میرا یقین ہے

کہ ہر ساری مخلوق کنبہ حسنہ اکا

میں ایک بیس عورت کی اعانت میں یہاں تک پہنچ گیا اور اب یقیناً درج شہادت حاصل کروں گا خدا ایسی موت سب کو دے اب بسم اللہ کہنے۔
ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ قلعہ حمید یہ کیطرت کے ایک فیر ہوا جس نے فضل سیگمان کو ہمیشہ کے واسطے ٹنڈا کر دیا۔ متواتر بندہ وقول کی بارٹنے تمام فوج کو سرسیر کر دیا یہاں تک کہ شجاعان نہ رہا کا ایک، دستہ میدان کڑا میں آپ پہنچا کامل پانچ گھنٹہ تک۔ خونریز جنگ سے سدا پاری رہا۔ مگر عربوں کی شجاعت میں سرق نہ آیا۔

سورج غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ جنگی بیڑوں کی آتشباری نے بہادر دن کو لپٹا ہونے پر مجبور کیا اور مجاہدین اللہ کے نعرے لگاتے ہوئے آئندہ سے اوچھل ہو گئے +

(۸)

ایطالیہ کے محل شاہی میں آدھی رات گزر چکی تھی وسطی کمرہ میں برقی روشنی کے سامنے سیمنٹن سیمنونہ ایک گھلائی ریشیں بناؤس پہنے کرسی پر بیٹھی تھی

گلاب کا ایک سینڈ پول ہاتھ میں تہا وہ کسی خیال میں ایسی محو مستغرق تھی کہ دنیا و مافیہا کا مطلق ہوش نہ تھا و رفتہ ایک نوجوان اس کمرہ میں داخل ہوا جسکو دیکھ کر سیمونہ بالکل سہم گئی اور کچھ تامل کے بعد کہا۔

ایسٹن! اب تمہاری اتنی مجال ہوئی کہ محل شاہی میں بلا اجازت داخل آؤ یہی رات کے وقت دروازہ چلے آئے کیا پروا لے کر گئے تمہاری پہلی عنایتوں کا سوا صنف ہے کہ اسٹے پاؤں باہر نکل جاؤ۔

ایسٹن! شہزادی میں عفو قصور کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اگر آپ گوارا کریں تو حسن کے خون کا بدلہ مجھ سے لیجئے +

سیمونہ۔ کیا صحن پاشا مار دیا گیا؟

ایسٹن! ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا۔

سیمونہ! اچھا میں ابھی آتی ہوں اس کے بعد تنبیہ کا ایک فیرو ہوا اور ایسٹن کی لاش فرش زمین پر تر پڑتی ہوئی دکھائی دی۔

دنیا عالم اسباب و انقلاب سب کچھ سہی، مگر، چڑھ چڑھ کر اترنے اور بن کر بگڑنے، والے، کلیجہ پیراتے داغ لے گئے جو قیامت تک تازہ رہیں گے، یہ ازلی نصیب، مختلف طبقات میں منقسم تھے، امرا افلاس کا شکار ہو کر بے یار و مددگار دم توڑا گئے۔ بادشاہوں نے خاک کے ڈھیر نوپسہ تر پڑ کر جان دی، لیکن! واجب الرحمہ تھیں اور ہیں وہ صورتیں جو عزیزوں کے فراق میں بلک بلک کر خست ہوئیں، اور ترس ترس کر دنیا سے اٹھیں، یہ بندہ محبت جو مختلف رنگوں میں پردہ دنیا پر آئے، مر گئے مگر زندہ ہیں، عالم فانی کہیں سے کہیں پونج جاتا مگر ان کے نام اور ان کے کام فراموش نہیں ہو سکتے، بعض تبدلہ محبت تو

جو خلوص کی لاج رکھ گئے، کچھ سچے سچ کے انسان تھے جنہوں نے نسبت کا فرض پورا کیا، اور اکثر شہیدائے وطن تھے جنہوں نے آبائی زمین کو اپنے خون سے سنبھا، جوان جوان بیٹوں کی قربانیاں چڑھائیں، برابر کے بھائی بن کر کھائے، اپنی جانیں نذر کیں، گئے تو خرم و شاد، اور بچے تو تاراج و قاتلانہ برباد، نہ نہ آج ہزاروں برس آگے نکل آیا، مگر شہداء وطن کی پرستش، خاک وطن کا ہر فرد کرتا رہا اور مدۃ العمر کرتا رہے گا صلیب و لہلال کی معرکہ آریاں، چولی دامن کا ساتھ ہے، ہوئیں ہو رہی ہیں، اور جب تک یورپ کا وجود دنیا میں موجود ہے، ہوتی نہیں گی، ارچرڈ کے وہ خونریز حملے جنکو تاریخ کروسیڈ کے نام سے تعبیر کر رہی ہے، سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی پیش نظر ہیں اور! وہ قدری نفوس جن کی پاک، روحوں نے، صلاح الدین کی صلاح کے عام ہار، صدائے لبیک دی، جو اپنے خون گرا کر بیت المقدس کو دشمنوں سے بچا گئے، شہید ہونے پر بھی بقا و دوام کے ضلعت سے مزین ہیں، بیت المقدس کا ہر تپسرا، ان کی شجاعت کے گیت گاتا ہے تاریخ ان کی شہادت پر مرجبا کے نعے لگا رہی ہے، اور میدان جنگ کا ہر ذرہ ان کے مقدس خون کے قطرہ پر صبح شام سدا بہار پہول پڑھا رہا ہے۔

(۱۰)

ایطالیہ کے وزیر جنگ کے احکام کے بموجب آج مقدس پوپ کو اس لیے کہ اس نے اسلام کی حمایت کی طرابلس کے اسی خونریز میدان میں سلاسنی کی تجویز ہے عجیب خوفناک منظر ہے۔ پوری پچاس ہزار فوج حضرت

پوپ کو مخالفت میں سے میدان کی طرف روانہ ہوئی ابھی میدان جنگ پانچ کیلو میٹر تھا کہ مشرق سے گرد و غبار اڑتا دکھائی دیا۔ اور آناٹ نا بیس ہزار ترک و عرب ایتالیہ کے سر پر آ پڑے ایتالی جنگجو ہی غافل نہ تھے جی کہول کر ٹرے اور خوب داد مردانگی دی طرابلسی جوان تعداد میں کم تھے جنگی جہازوں کی گولہ باری کی تاب نہ لاسکے پلٹے تھے کہ ایک عورت باواز بندہ آؤ بہادر و آدمیری چوڑیاں پہنوں

ان الفاظ نے برقی رو کا کام دیا اور ترک الا اللہ کا نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے گھسان کارن تھا کہ ہزاروں سرتن سے جدا ہو رہے تھے ایتالی کمانڈر نے جنگ کا نقشہ بدل دیا اور ایک ڈویژن پشت سے ہٹا کر قلب پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ایتالی کا میاب ہو جاتے اگر نخلستان کی تانہ لکھاس ڈویژن کا راستہ ہی میں کام تمام نہ کر دیتی۔ نوساٹھے نو گھنٹے کی خونریز جنگ کے بعد ایتالیوں کے پاؤں اوکھڑ گئے اور وہ پسپا ہوئے اسوقت شجاعان عرب میں سے ایک بہادر عورت نے بھی مقدس پوپ کو گلے سے لگایا اور یہ کہتی ہوئی روانہ ہو گئی

”یقیناً وہ شخص جو ہماری حمایت میں جان دے رہا ہے“

ہماری ایسی ہی اعانت کا ستم ہے“

(۱۱)

جب ایتالیہ ہر ہتھیار سے طرابلس میں یورپ کی ناک کٹوا چکی اور کامیابی سے قطعی نا امید ہوئی تو تمام یورپ کے اپیل کیا کہ سچ کا واسطہ میری مشرم رکھ لو اسوقت یورپ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ تھا کہ سوئٹزر لینڈ میں ایک مجلس منعقد کی گئی اور اس مجلس پاشا نے صلح کا

بیٹرا اٹھایا یہ یورپ کا محسن جس وقت آزادی طرابلس کا اعلان لیکر
روما پہنچا سلطنت ایتالیا نے اس کے استقبال میں کوئی تہنیت
نہ گزاشت نہ کیا۔ باو شاہ خود تعظیم کو اٹھا اور سیمین پاشا کو معہ
دو ہمسایوں کے تخت کے برابر میں جگہ دی۔

صلح کا فرمان لیکر تمام سلطنت میں عید ہو گئی اور وزیر جنگ
سیمین پاشا کے رخ نازک کو معاوضہ احسانت میں بوسہ دیا۔

اب جس پاشا اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا میں ترک یا عوب نہیں
بلکہ آپ کی اکلوتی بیٹی سیونہ ہوں یہ میرا محسن پاشا اور دو سکر آپ کے
مقدس پوپ ہیں آپ اجازت دیجئے کہ شاہی گرجا میں میرا نکاح
شرع اسلام کے بموجب حسن پاشا سے ہو جائے۔

اس درخواست کی منظوری میں کیا تامل ہو سکتا تھا حکم کی دیر
ابھی نہایت تزک و احتشام سے یہ شادی ہو گئی اور حسن پاشا اپنی
دریا کوئے کر قسطنطنیہ روانہ ہوا۔

”رشد الخیری“

مغزول سلطان عبدالحمید خاں کی تصویر جزیب و مق اول ہے

امید ہے کہ نہایت دلچسپی سے دیکھی جائے گی سلطان مغزول
اب سالوینکا سے قسطنطنیہ تبدیل کیے گئے ہیں اور
نہایت خوشی کی بات ہے کہ وہ اب تک قیدیات
میں ہیں۔

رباعیات مہر

جا بنا ز معان عشق کا غاوی ہے	یاں موز سے ساز کار پر دازی ہے
پروانے سے یکہ رسم الفت ملے تھر	بازی نہیں عشق بلکہ جا بنا زی ہے
کیوں عین وصال میں ہی مجھ رہی ہے	کیوں عین تقرب میں ہی دوری ہے
کہتے ہو کہ اقربا من الجبل درید	پھر کیوں یہ حجاب اور ستوری ہے
آنکھوں میں تری غبار پندار کا ہے	مائع یہی معشوق کے دیدار کا ہے
کر ستم معرفت سے پہلے سے دور	پھر دیکھ کہ جلوہ طہر شر یار کا ہے
بے غور نہیں ہاں خودی بنیاد ہوئیں	جام وحدت سے مہر شر رہوں میں
دیوانہ مجھے کہیں تو پروا کیا ہے	دیوانہ بکار خویش ہیشا رہیں
کیونکہ دل بقرار دم بہر نہ ہوا	افکار سے غالی نہ ہوا پرستار
لے گردش وہی بتر ہے پکر میں ہیں	آرام سے بیٹھنا میسر نہ ہو
انک ہے جمال کی تباہی باقی۔	اب تک ہے تنہا ہے مناسی باقی
میرے عقید پر نہیں رنگ عصاب	ہے شیخ کی مہر و سیاہی باقی
گوران ہے جان مہر گور جاتا ہے	انساں آتا ہے آکے مر جاتا ہے
ہے زندہ جاوید وہی نیک انجام	جو نام کے ساتھ کام کر جاتا ہے
ہے نام جان و ہاں نجات اسکی ہے	ذکر اسکا ہے دُنیاں یا ورات اسکی ہے
جس شخص کا ہے فیض زمانے میں عام	لے تہ زمانے میں جیات اسکی ہے
جو کام کہ ارباب ہم کرتے ہیں	سعی بازو سے بیش و کم کرتے ہیں
ہے ہر مقولہ ہے یہی ہمت کا	اپنے سے جو ہو سکے وہ ہم کرتے ہیں

عصمتِ نبوی کی کتابین

اثبات واجب الوجود

وہ لاجواب کتاب جس کے ترجمہ پر پنجاب ٹکٹ بک کمپنی نے پروفیسر مفتی
نور الحق صاحب ایم اے کو انعام دیکر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس کتاب میں
اسی تعالیٰ کے وجود کا ثبوت اس خوبی سے دیا گیا ہے کہ ایک ایک حرف دل نشین
ہوتا ہے۔ یہ کتاب عقائد کی پختگی کے واسطے اکیسے کام دیگی۔ جبارت سلیس
ترجمہ ہامحاورہ مضمون دلچسپ طرز بیان ل آویز قیمت ایک روپیہ (عمر)

قوتِ خیال

برفیسر صاحب موصوف کی دوسری کتاب جو اس شہور انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے
سے عرصہ میں تیس چالیس ہزار جلدیں فروخت ہو چکی ہیں کتاب کی
سے معلوم ہو سکتی ہے قیمت چار آنے (دہرا)

عصمت کے چھ پچے مجلد

سنہ ۱۹۰۷ء سے جون سنہ ۱۹۱۰ء تک کے پچے۔ جو منتخب اہل قلم کے مضامین
اصلی قیمت پچہ جلد مفت

جون جلدی کریں کیونکہ یہ جلدیں بہت تھوڑی باقی ہیں۔

تھر

منہجِ عصمت و قلم و سلی

ڈاکٹر برن کی نبائی ہوئی مشہود وائیں

”تمائیں جیست سدا ہندوستان میں استعمال میں آج ہی ہیں

(۱) دماغ سے زور سے اچھلتا ہوا اس دوا کے دو ایک گموتا دہی سے دب جاتا ہے۔

(۲) نیا ہوا میں دوا کا استعمال کیا جائے تو دباؤ سے جاتا ہے۔

(۳) یورائے و ماولے یا جن کا داماد م کا ساتھی ہو گیا ہے وہ بھی اس واسطے

و مگر کی فوالم ڈاک محصول یکسٹ شیشی تک ہر آنہ قیمت ایکسٹ شیشی ایکروہ

۱۰۔ گولڈن (ڈاکٹری میں طاقت مینے والی دوائیوں میں مشہور دوا)

معموی لیاں { اسٹکینا اور ڈنیا ملا کر یہ گویاں بنی ہیں میخیزہ پر ٹڈک

خون گویہ طاقت دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہونے معمولی کمزوری ہے۔

یاد۔ بھونا۔ اتہ پر کا بننا۔ لغوہ۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام مجھے نہیں دے سکتا۔

تیس گروہوں کی شناسائی قیمت ایک روپیہ، ڈاک محصول ایکے پانچیشی تک پانچ

رافقت اسکواڈ ایک ہر ایک اقامت کے مستورات کی واسطے ہے۔

امریکی سموزیٹی وائیٹ ہاؤس کے محل کی کڑوی سیٹ جانے لگی

۵۰۰ کیلوگرمی و ۵۰۰ کیلوگرمی

اس کو اکیسویں آرٹیکل میں یہ

ان دواؤں کی مفصل حالت مع سرنگیٹوئی پوری کتاب بلایت علمی

ڈاکٹر ایس۔ اے۔ برہمن

نہایت تیار چندوت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ آغا منصب علی شمشیری دروازہ دہلی میں

فرمایش کیساتم جبار کا حوالہ ضرور دیں۔

